The Dwarf Korean Novel

بونا آدمی ناول

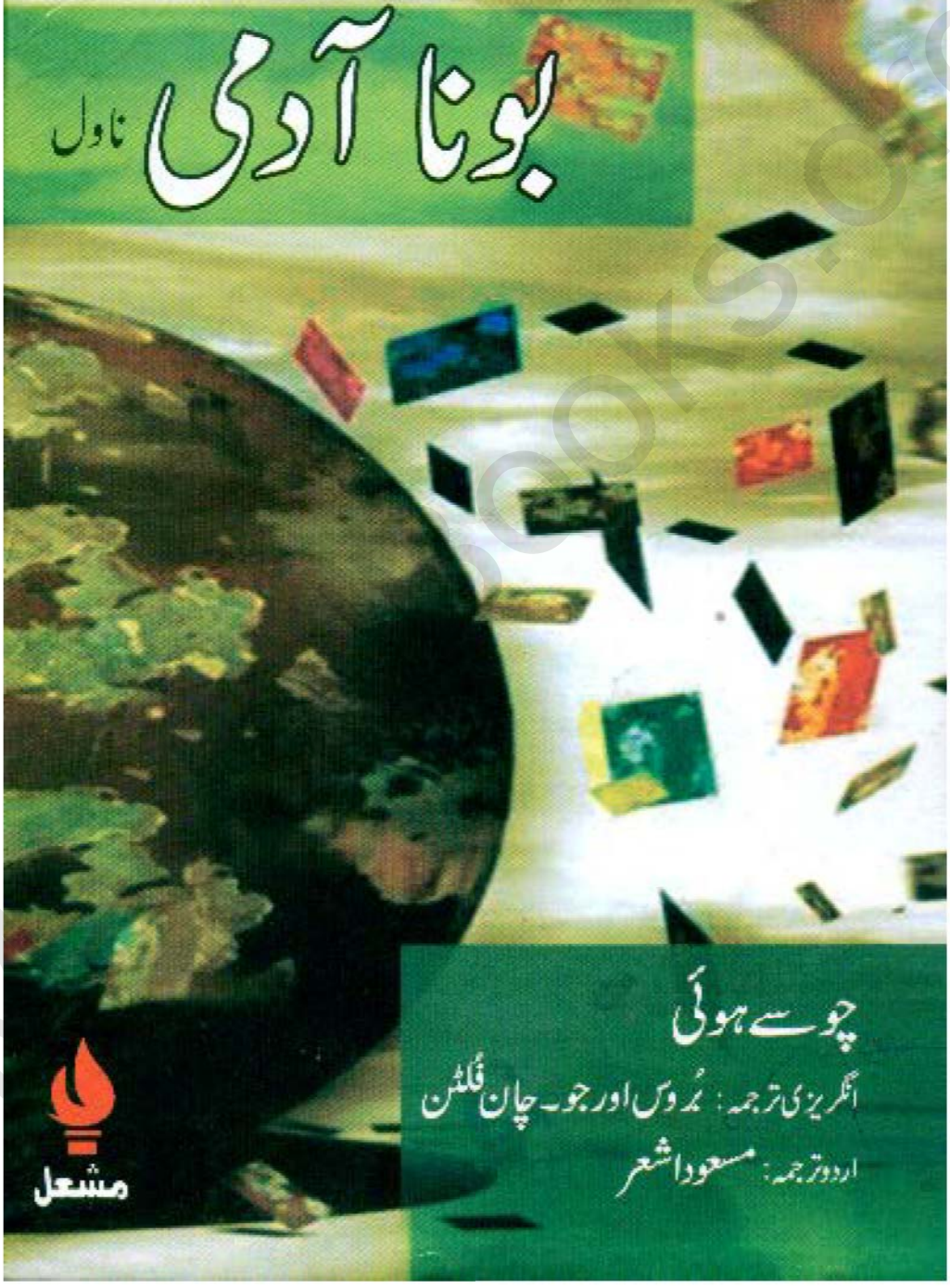

چو سے ہوئی

انگریزی ترجمہ: بُروس اور جو۔ چان فُلٹن

اردو ترجمہ: مسعود اشعر

مشعل

1

بونا آدمی

چوسے ہوئی

انگریزی ترجمہ: بُروس اور جو۔ چان فُلٹن
انگریزی سے ترجمہ: معسود اشعر

مشعل
آر-بی 5، سیکنڈ فلور، عوامی کمپلیکس
عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور 54600، پاکستان

MashalBooks.org

2

بونا آدمی

چوسے ہوئی

انگریزی ترجمہ: بُروس اور جو۔ چان فُلٹن

انگریزی سے ترجمہ: معسود اشعر

کاپی رائٹ اردو©2010 مشعل بکس

کاپی رائٹ © یونیورسٹی آف ہوئی پریس2006

ناشر: مشعل

آر-بی-5، سیکنڈ فلور،

عوامی کمپلیکس، عثمان بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن،

لاہور-54600، پاکستان

فون وفیکس:042-35866859

Email: mashbks@brain.net.pk

MashalBooks.org

ترتیب

1	موبیس سٹرپ	7
2	چھری کی دھار	21
3	خلائی سفر	43
4	وعدہ	59
5	پُل پر	107
6	محور کے گرد چکر	117
7	مشینوں کا شہر	133
8	محنت کش گھرانے کا خرچ	145
9	قصور دیوتاؤں کا بھی ہے	157
10	کلائن بوٹل	175
11	مچھلی جال میں آ گئی	195
12	اختتامیہ	225
13	چوسے ہوئی اور بونا آدمی	237
14	ناول نگار	241

MashalBooks.org

MashalBooks.org

5

موبیس سٹرپ

ریاضی کا استاد کلاس روم میں داخل ہوا۔ طلبہ نے دیکھا کہ وہ اپنے ساتھ ٹیکسٹ بک نہیں لایا ہے۔ طلبہ کو اپنے استاد پر پورا بھروسہ تھا۔ اس اسکول میں وہ واحد استاد تھا جس پر طلبہ بہت اعتماد کرتے تھے۔

''بچو اس نے کہنا شروع کیا۔'' یہ سال بڑی آزمائشوں کا رہا ہے۔ تم نے دل لگا کر پڑھائی کی ہے، تم سب نے ہی۔ اس لیے اس آخری کلاس میں آج میں ایک ایسی چیز پر بات کروں گا جس کا تعلق کالج میں داخلے کے امتحان سے نہیں ہے۔ میں کچھ کتابوں کی ورق گردانی کر رہا تھا تو مجھے ایک ایسی بات نظر آئی جو میں آپ کو بھی بتانا چاہتا ہوں۔ ہاں۔ ۔تو میں اسے ایک سوال کی شکل میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

''دو لڑکوں نے آتش دان کی چمنی صاف کی۔ ان میں سے ایک لڑکا چمنی سے باہر آیا تو اس کا چہرہ کالی رات کی طرح سیاہ تھا۔ دوسرے کے چہرے پر راکھ کا نشان تک بھی نہ تھا۔ اب آپ بتایئے کس لڑکے کو اپنا منہ دھونا چاہیے؟۔''

طلبہ نے سامنے کھڑے اپنے استاد کو دیکھا۔ کسی نے بھی فوراً جواب نہیں دیا۔

تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد ایک لڑکا کھڑا ہوا۔

''جس کے منہ پر راکھ لگی ہوئی ہے۔''

''نہیں، بالکل نہیں۔'' استاد نے کہا۔

''کیوں نہیں؟'' ایک اور لڑکے نے پوچھا۔

MashalBooks.org

استاد نے وضاحت کی۔ ''چمنی سے دولڑکے باہر آئے۔ایک کا چہرہ صاف تھا' دوسرے کا گندا۔ گندے چہرے والے لڑکے نے صاف چہرے والے لڑکے کا منہ دیکھا تو سوچا کہ اس کا اپنا چہرہ بھی صاف ہی ہوگا۔ اور صاف چہرے والے لڑکے نے گندے چہرے والے کا منہ دیکھا تو اسے خیال ہوا کہ میرا چہرہ بھی کالا ہو گیا ہوگا۔''

طلبہ حیرت میں پڑ گئے۔ اب ہر آنکھ سامنے کھڑے استاد پر لگی ہوئی تھی۔

''اچھا چلو، اب ہم ایک بار پھر کوشش کرتے ہیں۔ دولڑکوں نے ابھی ابھی آتش دان کی چمنی صاف کی ہے۔ ان میں سے ایک کا چہرہ کالی رات کی طرح کالا سیاہ ہے۔دوسرے کے چہرے پر راکھ کا ذرہ تک نہیں لگا ہوا ہے۔ اب بتاؤ۔تمہارے خیال میں کون اپنا منہ دھوئے گا؟''

سوال پہلے والا ہی تھا۔ اس لیے اس بار ایک طالب علم فوراً کھڑا ہو گیا۔

''ہم جان گئے ہیں۔ صاف چہرے والا اپنا منہ دھوئے گا۔''

اب طلبہ بے چینی کے ساتھ استاد کے جواب کا انتظار کرنے لگے۔

''نہیں۔۔۔ یہ غلط ہے''

''کیوں؟''

''اب آپ کو دوبارہ اس طرح کے سوال کا جواب نہیں دینا ہوگا۔ اس لیے توجہ سے سنو، دولڑکے ایک ساتھ ہی چمنی صاف کرتے ہیں۔ اس لیے یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ ان میں سے ایک کا چہرہ صاف ہو اور دوسرے کا گندا۔''

''اچھا چلیے، اب ایک اور بات سنیے۔ یہ ایسی بات ہے جو آپ ٹیکسٹ بک سے بھی سیکھ سکتے ہیں، لیکن اس کا بھی تعلق کالج میں داخلے کے امتحان سے نہیں ہے۔ اس لیے آرام سے سنیے میں کیا کہہ رہا ہوں۔ ہر چیز کی ایک بیرونی سطح ہوتی ہے اور ایک اندرونی سطح۔ مثال کے طور پر کاغذ کی ایک سامنے کی سطح ہوتی ہے اور ایک پیچھے کی۔ زمین کی بھی ایک بیرونی سطح ہے اور ایک اندرونی سطح۔ آپ ایک سادہ کاغذ لیں اور اس کی لمبی مستطیل پٹی کاٹیں، پھر اس پٹی کے دونوں سرے جوڑ دیں تب بھی اس کی سطحیں دو ہی رہیں گی۔ ایک بیرونی سطح اور دوسری اندرونی سطح۔ لیکن اگر آپ اس کاغذ کو مروڑیں اور پھر اس کے دونوں سرے جوڑ دیں تو آپ اس کی بیرونی اور اندرونی سطح میں تمیز نہیں کر سکیں گے۔ اب آپ

MashalBooks.org

کے پاس ایک مروڑا ہوا گول کاغذ ہے۔ تو یہ ہے موبیس سٹرپ (Mobius Strip) جسے آپ خوب جانتے ہیں آپ نے اپنی ٹیکسٹ بک میں یہ پڑھا ہے۔ اب میں چاہوں گا کہ آپ اس مروڑی ہوئی گول سطح پر غور کریں جس کی الگ الگ بیرونی اور اندرونی سطح میں تمیز نہیں کی جاسکتی۔

لو لالنگڑا آدمی لوبیئے کے کھیت میں داخل ہوا۔ دن کی بچی کھچی روشنی میں اس نے پکی ہوئی بالیاں توڑیں۔ ہرطرف جنگلی بوٹیاں بھری ہوئی تھیں۔ اس نے بالیاں بغل میں دبائیں اور چاروں ہاتھ پیروں کے بل گھسٹتا ہوا کھیتوں کے بیچ بنی ہوئی پگڈنڈی پر چلنے لگا۔ خاموشی اتنی گہری تھی کہ وہ کھیت میں گرنے والے جڑی بوٹیوں کے بیجوں کی آواز سن سکتا تھا۔ لوبیے کا کھیت؟ وہ تو جنگلی بوٹیوں کا کھیت لگتا تھا۔ لو لالنگڑا آدمی گیروے رنگ کی مٹی والے کچے راستے پر نکل آیا۔ اس نے لوبیے کی بالیاں ہاتھ میں لے لیں۔ اسے لکڑی جلنے کی بو آئی۔ اچھی بو تھی۔ آسمان تاریک ہونے لگا تھا۔ اس نے لوبیئے کے کھیت میں گھسنے سے پہلے جن لکڑیوں کو آگ لگائی تھی اب ان میں سے لال لال شعلے نکل رہے تھے۔ اس نے لوہے کی ٹوٹی پھوٹی کڑھائی جلتی ہوئی لکڑیوں پر رکھی پھر بالیوں میں سے لوبیئے کے دانے نکالے اور انہیں بھوننے لگا۔ لکڑیاں بالکل سوکھی تھیں اس لیے دھواں بہت ہی کم نکل رہا تھا۔ چند گھنٹے پہلے یہ لکڑیاں کبڑے آدمی کے برآمدے کا حصہ تھیں۔

انہوں نے کبڑے کا برآمدہ توڑ ڈالا تھا۔ وہ کلہاڑی اور موٹا گھن لائے تھے۔ پہلے انہوں نے ایک دیوار گرائی اور پھر وہاں سے ہٹ کر دور کھڑے ہوگئے۔ شمال کے رخ والی چھت خود بخود ہی گرگئی۔ اس گھر کے ساتھ انہوں نے یہی کیا۔ کبڑا آدمی وہاں بیٹھا تھا جہاں پاپلر کے پیڑ تھے اور ان کے پاس گلابی پھولوں والے پودے تھے۔ وہ اٹھا اور اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ اس کی بیوی اور چار بچے مکئی کے بھٹوں کے دانے اکٹھے کررہے تھے۔ یہ بھٹے ان کے احاطے کے ساتھ بیجوں کے لیے رکھے گئے تھے۔ بھاری بھاری گھن والوں نے دوسرے گھر کی طرف جانے سے پہلے خاموشی کے ساتھ عورت اور بچوں کو دیکھا۔ عورت اور بچوں نے ان کا راستہ نہیں روکا تھا۔ وہ روئے بھی نہیں تھے۔ اس بات نے ان لوگوں کو پریشان کیا۔

رات اتر رہی تھی۔ لولے لنگڑے نے کھیتوں میں رات کے ان پرندوں کے پروں کی

آواز سنی جو کیڑے مکوڑے کھاتے ہیں۔ وہ بالیوں سے دانے نکال نکال کر کڑھائی میں ڈال رہا تھا۔ وہ لکڑیوں کے جلنے اور دانے بھوننے کی خوشبو کے مزے لے رہا تھا۔ جھیل کے دوسری طرف کچھ لوگ جا رہے تھے۔ مزدوروں کا وہ جتھا جو نئے اپارٹمنٹ کی تعمیر کے لیے کام کر رہا تھا۔ لولے لنگڑے نے ان کے سائے دیکھے جو کھیت سے پرے جھیل کے پاس اور بس اسٹاپ کی طرف جانے والے راستے پر پڑ رہے تھے۔

کبڑے کے قدموں کی چاپ سن کر اس نے آگ پر سے کڑھائی اتاری۔ کبڑے کی بیوی' اس کے بڑے لڑکے اور دوسرے بچوں نے اپنا غصہ دبایا ہوا تھا۔ لولا لنگڑا بھنے ہوئے دانے چباتا رہا۔ کبڑے کا برآمدہ دھاڑ دھاڑ جل رہا تھا۔ دوسرے ہمسائے اپنا غصہ نہیں دبا سکے تھے۔ انہوں نے گھن والے آدمی کو پکڑا ہوا تھا۔ وہ رو رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر وہ سب اکٹھے مل کر یہ کام کریں تو وہ ذمہ دار نہیں ٹھہرائے جائیں گے۔ انہوں نے ایک گھن والے آدمی کو پکڑا اور اس کے خوب ٹھوکریں ماریں۔

تھوڑی دیر بعد وہ آدمی زمین سے اٹھا تو خونم خون تھا۔ اس نے انہیں مکا دکھایا اور منہ میں جمع ہونے والا خون تھوک دیا۔ اس کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے تھے۔

گھن والے آدمی لولے لنگڑے کی طرف آئے تو اس نے انہیں راستہ دیا اور اپنے گھر کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہ خود راستے کے ایک طرف ہو گیا جہاں کاسموس کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ وہ وہاں بیٹھ گیا۔ اس کی بیوی اور بچے کبڑے کی بیوی بچوں کی طرح پرسکون نہیں تھے۔ اس کی بیوی ہینڈ پمپ کے پاس اکڑوں بیٹھ گئی اور اپنے مٹی بھرے اسکرٹ سے چہرہ چھپا لیا۔ اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے اس کے بچے آنسو بھری آنکھیں ہاتھوں سے رگڑ رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھت اور دیواریں زمین بوس ہو گئیں اور صرف دھول اور مٹی ہی رہ گئی۔

لولے لنگڑے نے کبڑے کے قدموں کی چاپ سنی۔ کبڑے کے پاس پلاسٹک کا ڈبہ تھا۔ اس نے وہ ڈبہ آگ سے دور رکھ دیا۔ ڈبے میں پیٹرول تھا۔ وہ یہ بھاری ڈبہ دو یا تین میل دور سے لایا تھا۔ خالی پلاٹ کے ساتھ جہاں سڑک ختم ہوتی تھی وہاں لوگ سفید پنی میں لپٹی ہوئی دوائیں بیچ رہے تھے۔

یہ ٹانک بیچنے والے ایک پرانی دھرانی کار پر یہ دوائیں لیے پھرتے تھے۔ وہ کار انہوں

نے کاروں کے قبرستان سے خریدی تھی۔ کار کے اندر عمارتی لکڑی کے ٹکڑے، پتھر، بیئر کی بوتلیں، بھالے اور لمبے پھل والے چاقو رکھے تھے۔ یہ اس آدمی کے کاروباری آلات تھے جسے وہ ماسٹر کہتے تھے۔ وہ آدمی مکا مار کر پتھر یا بیئر کی بوتل توڑ سکتا تھا۔ وہ لکڑی کے دو ٹکڑے کر سکتا تھا۔ وہ اپنے دانتوں سے وہ کلہاڑی کھینچ کر نکال سکتا تھا جو لکڑی کے اندر اتنی زیادہ گڑی ہوئی ہو کہ اس کا پھل ٹیڑھا ہو گیا ہو۔ جب وہ نائیلون کی ڈوری سے چاقو کا پھل اپنی ہتھیلی کے ساتھ باندھتا اور اس کی نوک اپنے پیٹ میں پورے زور سے چبھوتا اور پھر چھوڑ دیتا تو دیکھنے والوں میں سنسنی سی دوڑ جاتی۔ وہ سمجھتے جیسے ان کے اپنے جسم کا گوشت پوست ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے۔ مگر ماسٹر کو کچھ بھی نہیں ہوتا۔

ماسٹر میں بلا کی طاقت تھی۔ کبڑے نے ماسٹر سے پیٹرول لیا تھا۔ اس نے کار کے اندر کا حصہ خوب غور سے دیکھا تھا۔ لولے لنگڑے نے دیکھا کہ کبڑا گاؤں کی طرف نظریں گاڑے کھڑا ہے۔ گاؤں اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ کبڑا جھکا اور لولے لنگڑے نے کڑھائی اس کی طرف کر دی۔ کبڑے نے لوبیا منہ میں ڈالا اور اسے چبانے کے بجائے آہستہ سے بولا۔

''یہ کیا ہے .....؟''

''ہوں؟...''

''میرا خیال ہے مجھے کچھ آواز سی آئی ہے۔''

ایک سیکنڈ کے لیے دونوں سانس روکے سننے کی کوشش کرتے رہے۔

''چڑیاں...'' لولے لنگڑے نے کہا۔

''رات کے وقت؟''

کبڑا جو دانے چبانے والا تھا وہ ٹھہر گیا۔ لولے لنگڑے نے لرزتے ہاتھوں سے سگریٹ سلگایا اور غور سے دیکھا۔

''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں''

''ڈر گئے؟''

''ڈرنے کی کیا بات ہے''۔

''اگر تمہارا دل نہیں چاہتا تو تم چلے جاؤ۔ کبڑے نے سر جھٹکا۔ اس کے بچے خیمے میں

سو رہے تھے۔

سونے سے پہلے انہوں نے خیمے کے سامنے آگ جلائی تھی۔ آگ جلانے کے لیے لو لے لنگڑے کے بچوں نے اپنے باورچی خانے کے دروازے کے کواڑ دے دیئے تھے۔ وہ دروازہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا تھا۔ وہ فروخت بھی نہیں ہوسکتا تھا۔

خیمے کے اندر اندھیرا تھا۔ گاؤں کے لوگ جو آگ کے پاس کھڑے تھے وہ ادھر ادھر جا چکے تھے۔ وہ زمین جہاں کبھی ان کے گھر ہوتے تھے اندھیرے میں ڈوبی ہوئی تھی۔ بڑی عمر کے کچھ لوگ دھندلی سی روشنی کی طرف بڑھے۔

چیک پوائنٹ کے سامنے خالی پلاٹ میں ایک کار کھڑی تھی۔ وہاں رات کے چوکیدار بھی موجود تھے۔ کار کے اندر ایک آدمی کچھ ایسی دستاویزیں دیکھ رہا تھا جن پر سرکاری مہریں لگی ہوئی تھی۔ اس آدمی نے کھڑکی میں سے ہاتھ نکالا اور کچھ رقم دی۔ جن لوگوں نے وہ دستاویزیں دی تھیں وہ کار کے پاس بیٹھ گئے اور انہوں نے اپنی رقم گنی۔

لو لے لنگڑے نے ٹوٹی پھوٹی کڑھائی پھر آگ پر رکھی اور کچھ دانے اس پر ڈالے۔ اسے زیادہ خوشی ہوتی اگر کبڑا کچھ دانے کھالیتا۔ پچھلے کئی دنوں سے اس نے کبڑے کو کچھ بھی کھاتے نہیں دیکھا تھا۔

''اب تو اسے چلا جانا چاہیے؟ کیا خیال ہے؟'' کبڑے نے کہا۔ سگریٹ جو قریب قریب راکھ بن چکا تھا اس کی انگلیوں میں لٹک رہا تھا۔

''ہاں۔'' لو لا لنگڑا بولا۔'' مجھے اس سے بچا لینا۔ یہ آدمی تو سور کی طرح موٹا ہے۔ اگر وہ میرے اوپر بیٹھ گیا تو میرا دم ہی نکل جائے گا۔''

''تو پھر تم نے مجھ سے گھر جانے کو کیوں کہا؟''

''اگر تم گھر چلے گئے تو میں کوئی اور ترکیب سوچوں گا''

''اور ترکیب؟''

''چلو جانے دو۔''

لو لے لنگڑے نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس کے سامنے کا منظر اپارٹمنٹس نے گھیر رکھا تھا۔ عمارتوں کے ڈھانچے مشرق سے مغرب تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ کبڑے نے مٹھی بھر ریت آگ پر ڈالی۔ لو لے لنگڑے نے کڑھائی آگ پر سے اٹھالی اور اس وقت تک خاموشی سے

دیکھتا رہا جب تک کبڑے نے آگ بجھا نہ لی۔ آخری چنگاری بجھنے کے ساتھ ہی پورے ماحول پر اداسی چھا گئی۔

کبڑے نے کہا۔'' اس کی لائٹ جل رہی ہے۔''

لولے لنگڑے نے گاؤں کی طرف دیکھا۔ کار کی ہیڈ لائٹس شام کے آسمان کی طرف اٹھیں پھر آہستہ آہستہ ان کی طرف رخ کرلیا۔

لولے لنگڑے نے کڑھائی کبڑے کے سامنے کردی۔

''کھاؤ''

کبڑے نے ٹھوکر مار کر اسے لوبیے کے کھیت میں پھینک دیا۔ پیٹرول کا ڈبہ ہاتھ میں لیے ہوئے وہ تیزی سے چلنے لگا۔لولا لنگڑا اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ سڑک پر پڑے گڑھے میں پانی کھڑا ہوگیا تھا۔ اسے پار کرنے کے لیے اس میں دو پتھر رکھے ہوئے تھے۔ کبڑا چھلانگ لگا کر آگے چلا گیا۔ اس نے انتظار کیا۔ لولا لنگڑا گڑھے سے بچ کر چلا اور سڑک کے کنارے کھڑی جڑی بوٹیوں پر چڑھتا ہوا وہاں پہنچ گیا جہاں کبڑا کھڑا تھا۔وہ سڑک کے بیچوں بیچ بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں جیبوں سے بجلی کے تار کے دو ٹکڑے نکالے اور اپنے دوست کو دونوں ٹکڑے دکھائے۔ کبڑے نے سر ہلایا' سڑک کے دائیں جانب گیا اور لوبیئے کے کھیت میں پھرنے لگا۔ اب ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ لولے لنگڑے کو ڈر لگا۔ اپنے دوست سے بات کرنے کو اس کا جی چاہا۔

''تم نے آج کے بھاؤ معلوم کیے۔''

''ہاں۔'' کبڑے کی بے جان سی آواز آئی۔

''کیا ہیں؟''

''تین لاکھ اسی ہزار وان۔''

لولے لنگڑے کا اب بات کرنے کو جی نہ چاہا۔

''ادھر دیکھو'' کھیت سے کبڑے کی آواز آئی۔

لولے لنگڑے نے روشنی کے دو مینار سے آسمان کی طرف اٹھے ہوئے دیکھے۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ ان تیز روشنیوں نے اس کی آنکھوں میں اور بھی درد بھر دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ اس وقت بھی نہیں جب وہ کار پانی بھرے گڑھے تک آگئی اور نہ اس وقت

جب اس نے ہارن بجایا۔کار کا بمپر اس کی ٹھوڑی پر لگا اور وہ رک گئی۔ کار میں بیٹھے آدمی نے گالیوں کی بوچھاڑ کردی۔

کبڑا زمین پر لیٹ گیا۔

آدمی کار سے باہر آیا۔کار کی لائٹس سے لولے لنگڑے کی آنکھیں چندھیا گئی تھیں۔

وہ ایک طرف ہوگیا اور چندی آنکھوں سے اس آدمی کو دیکھا۔

''تم یہاں کیا کررہے ہو؟''

لولے لنگڑے نے ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ کہا۔

آدمی جھکا۔

''کیا؟''

''میں مرنا چاہتا ہوں۔'' لولے لنگڑے نے کہا۔''میرے اوپر کار چڑھادو۔فرض کرلو میں یہاں نہیں ہوں۔''

آدمی کو یہ سننے کے لیے جھکنا پڑا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔

''آخر کیوں۔کوئی وجہ تو بتاؤ۔''

''میں یادہوں آپ کو؟''

''ہاں ہاں بالکل۔تم نے میرے ہاتھ اپنی ملکیت کا حق بیچ دیا ہے۔''

''جی ہاں۔ایک لاکھ ساٹھ ہزار میں۔''

''تو اب پریشانی کیا ہے؟تمہیں شہر سے جو قیمت ملتی میں نے اس سے دس ہزار زیادہ دیے ہیں۔''

''نہیں نہیں۔ پریشانی کوئی نہیں ہے۔''لولے لنگڑے نے کہا۔''ہم نے وہ رقم ان لوگوں کو ادا کردی جنہوں نے ہم سے کرائے پر گھر لیا تھااور پیشگی رقم ادا کی تھی۔''

آدمی بولا''بہت خوب' چلو اس سڑک پر سے ہٹ جاؤ۔''

لولے لنگڑے نے نے اپنا منہ پھیرلیا۔

''ہم نے ساری رقم دے دی ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں بچا''۔

''تمہارے پاس اپارٹمنٹ کے لیے پوری رقم نہیں تھی اس لیے تم نے اپنی ملکیت کا حق ہمارے ہاتھ بیچ دیا۔اب کیا مسئلہ ہے؟''۔

''آپ نے دیکھا ہمارے گھر کا کیا ہوا؟''

''ہاں' میں نے دیکھا۔'' اب اس آدمی کی آواز میں غصہ تھا۔

''ہمارا گھر تو گیا۔'' وہی دبی دبی آواز۔ ''آپ پر دولاکھ اور نکلتے ہیں۔''

''کیا؟''

''اگر میں اس بارے میں زیادہ نہیں جانتا تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ آپ نے جو کیا ہے اس سے آپ چھوٹ جائیں۔ آپ نے تین لاکھ کی چیز ایک لاکھ ساٹھ ہزار میں خریدی اور دو لاکھ بیس ہزار کے منافع سے بیچ دی۔ آپ ایسا نہیں کر سکتے۔ مجھے دولاکھ دے دیجیئے۔ پھر بھی آپ کے پاس بیس ہزار بچ جائیں گے۔ اور یہ بھی نہ بھولنا کہ آپ نے ہر آدمی کا حق ملکیت خرید لیا ہے۔''

آدمی کھڑا ہو گیا۔

''یہاں سے ہٹ جاؤ۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

''آؤ جو جی چاہے کرو''

ایک لمحے کے لیے لولے لنگڑے کا سر گھوم گیا۔ آدمی کا جوتا اس کے سینے پر لگا تھا۔ اس نے دوبارہ اپنی طرف آتا ہوا جوتا پکڑ لیا۔ مگر وہ بہت ہی کمزور تھا' آدمی نے گھونسوں سے اس کا چہرہ پلپلا کر دیا۔ پھر آسانی سے اسے گھاس پر پھینک دیا۔

لولا لنگڑا سچ مچ اوندھا ہو گیا تھا۔ مگر وہ سرکتا ہوا پھر سڑک پر پہنچ گیا۔ آدمی نے یہ دیکھا اور اپنی کار کی طرف چلا گیا۔ لوگوں کے اکٹھا ہونے سے پہلے اس رکاوٹ کو دور کرنا ضروری تھا۔

وہ کار میں بیٹھنے کے لیے جھکا۔ ایک گہرا سایہ اس کے پیٹ سے ٹکرایا۔ آدمی کا بھاری بھرکم جثہ زمین پر گر گیا۔ کبڑا کھیت سے باہر آ گیا تھا۔ اور اس نے پوری طاقت سے آدمی کے پیٹ پر لات ماری تھی۔

''میں تمہیں رقم دے دوں گا۔'' آدمی یہ کہنا چاہتا تھا۔ مگر اس نے کہا نہیں۔ کبڑے نے اس کے منہ پر ٹیپ لگا دیا تھا۔ وہ ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ اسے بجلی کے تار سے کس کے باندھ دیا گیا تھا۔ آدمی نے دیکھا کہ کبڑا کار کے سامنے سے آگے جانے کے لیے لولے لنگڑے کی مدد کر رہا ہے۔ کار کی روشنی میں لولا لنگڑا خونم خون نظر آ رہا تھا۔ کبڑے نے خون صاف

MashalBooks.org

کیا۔لولالنگڑا رو رہا تھا۔

''تم مجھے اس طرح پٹتے دیکھتے رہے۔'' لولے لنگڑے نے کہا:''تم نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ تم مجھے پٹتے دیکھنا چاہتے تھے؟۔''

''اس بات کو چھوڑو۔'' کبڑے نے کہا اور مڑ کر کار کی طرف چل دیا۔'' ''اس آدمی کو کار میں ڈالنا ہے۔ اور ہمیں اس کا بریف کیس بھی تلاش کرنا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ اٹھاؤ اسے۔''

آدمی نے بہت ہاتھ پاؤں مارے پھر ہمت ہار گیا۔ وہ تھک گیا تھا۔

کبڑا کار میں بیٹھا۔ اور روشنی کی دو لکیریں جو شام کے آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھیں' بجھ گئیں۔ اس نے انجن بند کر دیا۔ کالا بریف کیس ڈرائیور کی نشست کے نیچے تھا۔

باہر لولے لنگڑے نے آدمی کو بٹھا دیا تھا۔ کبڑا کار سے باہر آیا' آدمی کی کمر دبوچی اور اسے کھڑا کر دیا۔ دونوں دوست آدمی کو کار تک لے گئے اور اسے ڈرائیور کی سیٹ پر بٹھا دیا۔

لولے لنگڑے نے کہا۔'' میں اس کے ساتھ بیٹھوں گا۔''

کبڑے نے اسے اٹھایا اور اسے ساتھ والی سیٹ پر بٹھا دیا۔ وہ پیچھے بیٹھا اور بریف کیس کھولا۔ آدمی خاموشی سے دیکھتا رہا۔

''کبڑے نے کہا۔'' رقم اور کاغذات۔''

''لاؤ' مجھے دکھاؤ۔''

آدمی نے محسوس کیا کہ لولے لنگڑے اور کبڑے کو تمام چیزیں مل گئی ہیں۔

لولے لنگڑے نے بریف کیس کی تلاشی لی۔ یہ تو ہمارے گھر پہلے ہی بیچ چکا ہے۔

آدمی نے پلکیں جھپکیں۔

''اور بھی دیکھو۔''

''اس نے نوٹ بک میں ہمارے نام لکھے ہوئے ہیں'' کچھ نام کاٹ دیئے ہیں۔ شاید وہ ہوں گے جن کے گھر فروخت ہو گئے ہوں گے۔''

لولے لنگڑے نے آدمی کو گھور کے دیکھا۔ آدمی نے اثبات میں سر ہلایا۔

''تین لاکھ اسی ہزار میں؟ ٹھیک ہے نا؟۔''

اب پھر آدمی نے سر ہلایا۔

MashalBooks.org

کبڑے نے کہا۔''رقم گنو۔''

لولالنگڑا رقم گننے لگا۔اس نے دو دو لاکھ وان کی دو گڈیاں بنائیں۔

''ہماری رقم۔؟''

آدمی نے پھر سر ہلایا۔لولے لنگڑے نے ایک گڈی پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے اپنے دوست کو دی تو آدمی اسے دیکھتا رہا۔

لولے لنگڑے کے ہاتھ کانپے۔کبڑے کے ہاتھ بھی لرزے ان کے دل زور زور سے دھڑک رہے تھے۔

''لولے لنگڑے نے اپنی قمیص کے بٹن کھولے اور نوٹوں کی گڈی اندر کی جیب میں رکھی اور بٹن بند کر لیے۔ کبڑے نے اپنے حصے کی رقم اپنی قمیص کی دائیں ہاتھ والی جیب میں رکھی۔اس کے کپڑوں میں اندرونی جیب نہیں تھی۔

رقم کا حساب کرنے کے بعد کبڑے نے سوچا اسے کل کیا کرنا ہے۔لولے لنگڑے نے بھی یہی سوچا۔اس کے بچے خیمے میں سو رہے تھے۔

لولے لنگڑے نے کہا۔ مجھے وہ ڈبہ دو۔''اس کے ہاتھ میں بجلی کے تار کا بچا ہوا حصہ تھا۔

کبڑے نے کھیت سے پلاسٹک کا ڈبہ اٹھایا۔ اس نے اپنے دوست کا منہ غور سے دیکھا۔ایسے دیکھا جیسے وہاں اور کوئی چیز موجود ہی نہو۔

وہ گاؤں کی طرف چل دیا۔ رات غیر معمولی طور پر پرسکون تھی۔ روشنی کی کرن تک نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ بھی نظر نہیں آ رہا تھا کہ گاؤں کدھر ہے۔ اس نے کان لگا کر سننے کی کوشش کی کہ لولالنگڑا گھسٹتا ہوا پیچھے آ رہا ہے یا نہیں۔

لولالنگڑا اپنے ہاتھ پاؤں سکیٹر کر کار سے نیچے گر رہا ہوگا۔ وہ ٹھک سے دروازہ بند کر رہا ہوگا۔ تیزی کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے اپنا کام کر رہا ہوگا۔ اور اندھیری سڑک کے پار زمین پر گھسٹ رہا ہوگا۔

کبڑا چلتے ہوئے اپنی رفتار کا اندازہ لگا رہا تھا۔ اور سوچ رہا تھا کہ لولالنگڑا چاروں ہاتھ پیروں پر کتنا تیز چل سکتا ہے۔

گاؤں پہنچ کر کبڑا ایک الگ تھلگ سے گھر کی طرف گیا جو مسمار ہونے سے بچا رہ گیا

تھا اور پانی کے نل کا ہینڈل دبایا۔ اس نے ہاتھوں کے چلو میں پانی بھرا اور اپنے ہونٹ تر کیے۔ اس نے اپنی قمیص کی جیب پر ہاتھ رکھا۔ لولا لنگڑا گھسٹتا ہوا اس کی طرف آ رہا تھا۔ اس کی سانس چڑھی ہوئی تھی۔ کبڑا اس سے ملا۔ اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اندھیرے میں اسے دیکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

لولے لنگڑے کے پاس سے پیٹرول کی بو آ رہی تھی۔ کبڑے نے پانی کا نل چلایا اور اس کا منہ دھلایا۔ منہ پر تکلیف ہوئی تو لولے لنگڑے نے آنکھیں بند کر لیں۔ مگر اسے تکلیف کی پرواہ نہیں تھی۔ اس نے جیب میں رکھی ہوئی رقم کا سوچا اور یہ سوچا کہ اسے اگلے دن کیا کرنا ہے۔ دھول بھری سڑک کے پار دو شعلے بلند ہوئے۔ اس کے دوست نے کھڑے ہونے کی کوشش کی لولے لنگڑے نے اسے بٹھا دیا۔

ہتھوڑوں والے اور گھن والے آئے تھے تو کبڑے کے بچوں نے اپنا غصہ قابو میں رکھا تھا۔ اس کا اپنا خاندان اتنا پرسکون نہیں تھا۔ لولا لنگڑا نہیں چاہتا تھا کہ اس کا دوست گھبرا جائے۔ دھماکہ ہوا تھا تو وہ بھی اچھل پڑا تھا۔ لیکن اب سب ختم ہو چکا تھا۔ دور اٹھنے والے شعلے دب گئے تھے اور دھماکوں کی آوازیں ختم ہو گئی تھی۔

اندھیرے اور خاموشی نے دونوں کو گھیر لیا تھا۔ کبڑا چل دیا۔ لولا لنگڑا بھی پیچھے چلا۔

''بہت کچھ خریدنا ہے۔'' لولے لنگڑے نے کہا۔ ایک موٹر سائیکل' ایک کھینچنے والی ریہڑی اور پاپ کارن بنانے والی مشین۔ اصل میں تو گاڑی چلانا ضروری ہے۔ پھر کوئی مجھے زمین پر گھسٹتا ہوا نہیں دیکھے گا۔''

لولے لنگڑے نے اپنے دوست کے ردعمل کا انتظار کیا۔ مگر کبڑا کچھ نہیں بولا۔

''کیا بات ہے؟'' لولا لنگڑا کبڑے کے قریب پہنچا اور اس کی پتلون کا پائنچا پکڑ لیا۔ کیا ہوا ہے تمہیں؟''

''کچھ نہیں۔''

''ڈر لگ رہا ہے؟'' لولے لنگڑے نے پوچھا۔

''بالکل نہیں۔'' کبڑا بولا۔ ''مگر ڈرنے والی بات تو ہے۔ اس سے پہلے کبھی مجھے ایسا نہیں لگا۔''

''پھر ٹھیک ہے۔''

''نہیں ٹھیک نہیں ہے۔''

لولے لنگڑے نے اپنے دوست کو کبھی اس انداز میں بات کرتے نہیں سنا تھا۔

''میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔'' کبڑے نے کہا۔

''کیا؟''۔

''میں نے کہا میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔''

''یہ اچانک کیا ہوگیا ہے تمہیں؟۔ دیکھو۔کل ہم سم یانگ ڈونگ یا کویو ڈونگ جائیں گے۔ وہاں بہت کمرے خالی ہیں۔ وہاں اپنے خاندانوں کو بٹھا کر ہم پاپ کارن والی مشین لیے پھریں گے۔ہم موٹر سائیکل خرید لیں گے تو پھر کہیں بھی جاسکتے ہیں۔ یاد ہے جب ہم کار ہونگ ڈونگ گئے تھے؟ ہر خاندان پاپ کارن بنوانے آ گیا تھا۔ ہم رات کے نو بجے تک کام کرتے رہے تھے۔ وہ صرف پاپ کارن ہی نہیں مانگ رہے تھے۔ وہ تو پرانے دن یاد کررہے تھے۔ اور بچوں کو لے کر باہر آ گئے تھے۔ ہمیں اب یہ کرنا ہے کہ اس طرح کی مناسب جگہ تلاش کریں۔ ہر روز ہم نوٹوں کی اتنی گڈیاں لایا کریں گے کہ بیوی کا منہ کھلے کا کھلا رہ جائے گا۔''

''میرا خیال ہے میں ماسٹر کے ساتھ کام کروں گا۔''

''پرانی کار پر دوائیں بیچنے والے کے ساتھ؟''

''ہوں ...''

''تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔ اس عمر میں تم ریہٹری پر کتنا کچھ بیچ سکتے ہو؟۔''

''اچھے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔ اور وہ اچھے لوگوں میں سے ہے۔وہ چاقو سے ایسے خطرناک کرتب دکھاتا ہے کہ لوگ اس کے گرد جمع ہوجاتے ہیں۔ وہ خطرناک کام کرتا ہے اور اس کی کمائی کھاتا ہے۔ وہ جو دوائیں بیچتا ہے وہ اصل چیز ہیں۔ وہ میری جسمانی حالت کے بارے میں جانتا ہے اور اس کے لیے اس میں کشش ہے۔'' ایک وقفے کے بعد وہ پھر بولا۔'' مجھے جس چیز سے ڈر لگتا ہے وہ تمہاری دماغی حالت ہے۔''

''میں سمجھ گیا۔ جاؤ میں تمہیں نہیں روکوں گا مگر یاد رکھو۔ میں نے کسی کو جان سے نہیں مارا۔''

''کبھی نہ کبھی تو یہ کروگے۔'' کبڑے نے اس کی طرف مڑتے ہوئے کہا۔'' ہمیں کوئی

حل تلاش کرنا ہے۔''

لولے لنگڑے نے صرف قدموں کی چاپ سنی۔ اس کا دوست اندھیرے میں غائب ہوگیا تھا۔تھوڑی دیر میں قدموں کی چاپ آنا بھی بند ہوگئی۔ وہ گھسٹتا ہوا اس خیمے کی طرف گیا جہاں اس کے بچے سو رہے تھے۔اس نے زور سے اپنا منہ بند کیا کہ کہیں اس کی چیخ نہ نکل جائے۔مگر وہ اپنے آنسوؤں پر قابو نہ رکھ سکا۔ایک اور لمبی رات۔ یہ کب ختم ہوگی۔

استاد نے پوڈیم پر ہاتھ رکھے۔ وہ طلبہ سے مخاطب ہوا۔

''سوچو' کیا کوئی ایسی ٹھوس چیز ہے جس کے بیرونی اور اندرونی حصے میں تمیز نہیں کی جاسکتی؟۔ایک ایسی ٹھوس چیز سوچو جسے تم اندرونی اور بیرونی حصے میں تقسیم نہیں کر سکتے۔ایک موبیس ٹائپ ٹھوس چیز۔ کائنات۔ لامتناہی' نہ ختم ہونے والی۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اندرون کیا ہے اور بیرون کیا ہے۔ اس سادہ سی موبیس اسٹرپ میں بہت سی سچائیاں پوشیدہ ہیں مجھے یقین ہے تم غور کروگے کہ میں نے اس آخری کلاس میں چمنی کا واقعہ اور موبیس اسٹرپ کی بات کیوں کی ہے۔ آہستہ آہستہ تمہارے اوپر انکشاف ہوگا کہ انسانی علم اکثر شیطانی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بہت جلد تم کالج چلے جاؤ گے اور وہاں اور بھی بہت کچھ سیکھوگے۔ یہ عہد کرو کہ تم اپنا علم اپنے ذاتی مقاصد کے لیے کبھی استعمال نہیں کروگے۔ میں نے نصاب کے مطابق تمہیں پڑھایا ہے۔لیکن میں نے یہ بھی سکھایا ہے کہ چیزوں کی صحیح پہچان کرو۔ میرے خیال میں اب وقت آ گیا ہے کہ تم لوگ یہ دیکھو کہ میری کوششوں کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ہے۔ چنانچہ اب خداحافظ اور ہم یہ بات اب یہیں ختم کرتے ہیں۔''

کلاس مانیٹر کھڑا ہوگیا۔

''اٹینشن۔سیلیوٹ۔''

استاد نے طلبہ کے احترام کے جواب میں سر جھکایا' پوڈیم سے نیچے اترا اور کلاس سے باہر چلا گیا۔

جاڑوں کی دھوپ اترنے لگی تھی اور کلاس روم میں اندھیرا ہونے لگا تھا۔

☆☆☆

MashalBooks.org

19

چھری کی دھار

شن آئے کے باورچی خانے میں تین چھریاں ہیں۔ دو سبزی ترکاری وغیرہ کاٹنے کے لیے ہیں۔ ایک چھوٹی اور ایک بڑی۔ سال میں ایک بار شن آئے چاقو چھری تیز کرنے والے

MashalBooks.org

کو بلاتی اور بڑی چھری کی دھار تیز کراتی۔ اچھا تیز کرنے والا چھریوں کے بارے میں خوب جانتا ہے۔ لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو زیادہ نہیں جانتے۔ جو نہیں جانتے وہ فوراً ہی چھری کو سان پر چڑھا دیتے ہیں۔ شین آئے ان کے ہاتھ سے چھری چھین لیتی ہے اور گھر کے اندر چلا جاتی ہے۔ جو چھری چاقو کے بارے میں جانتے ہیں وہ چھری کو ہاتھ میں لیتے ہیں ان کی آنکھیں پھٹ جاتی ہیں۔ اور وہ خاموشی سے اسے تکنے لگتے ہیں وہ اتنی بڑی چھری دیکھ کر اس سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ وہ بہت ہی نرمی کے ساتھ چھری کو سان پر چڑھاتے ہیں۔ آج کل کے چھری تیز کرنے والے وہ چھری دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ انسان سو جنم بھی لے لے تب بھی ایسی چھری نہیں بنا سکتا۔ وہ کہتے ہیں کہ لوہار نے چھری کا پھل کتنی ہی بار بھٹی میں رکھا ہوگا۔ پھر کتنے ہی ہتھوڑے اس پر مارے ہوں گے لوہار کا بیٹا دھونکنی چلا چلا کر تھک گیا ہوگا۔ کیا معلوم، وہ بیٹا اب بھی زندہ ہو۔ اگر زندہ ہے تو وہ پوتے پوتیوں کا دادا ہوگا۔ ایک دن وہ بھی مرجائے گا۔ لوہار کب کا مر چکا ہے۔ وہ زندہ تھا تو شن آئے کی ساس نے اپنے لیے یہ چھری بنوائی تھی۔ وہ بھی مر چکی ہیں۔ شن آئے چھیالیس سال کی ہے۔ کسی اناڑی سے بڑی چھری تیز کرانا اچھی بات نہیں ہے۔ چھوٹی چھری کی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ عام سی چھری ہے جو ساس نے کئی سال پہلے بازار سے خریدی تھی۔ اس قسم کی چھری کے بارے میں کچھ کہا بھی نہیں جاسکتا۔ یہ چھری اس نے اسی وان میں ایک پھیری والے سے خریدی تھی جو چھریوں کے پھل ایک دوسرے کے ساتھ رگڑ رگڑ کر چاقو چھری بیچ رہا تھا یہ ایسی عام سی چھری ہے جو اسی قیمت پر آپ کہیں سے بھی خرید سکتے ہیں۔

شن آئے کے باورچی خانے میں تیسری چھری مچھلی کاٹنے کے لیے ہے۔ اسے دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ اس کا ٹھوس پھل ہے، جو پیچھے تیس ملی میٹر ہے۔ نوک تیز ہے اور بتیس سینٹی میٹر لمبی ہے۔ وہ باورچی خانے میں کام آنے والی چھری نہیں لگتی۔ یہ چھری ہاتھ میں لیتے ہوئے اس کے دماغ میں جو خیالات آتے ہیں ان سے ہیبت سی طاری ہوجاتی ہے۔ شن آئے کے شوہر ہیون او نے پچھلے موسم بہار میں یہ چھری خریدی تھی۔ اس نے ایسی چھری کیوں خریدی؟۔

وہ اندازہ نہیں لگا سکتی۔ شن آئے اپنے آپ کو اور اپنے شوہر کو بونا سمجھتی تھی۔'' ہم چھوٹے چھوٹے بونے ہی تو ہیں۔ بونا۔''

کیوں؟ کیا ہم بونے نہیں ہیں؟۔'' شن آئے نے اپنے شوہر سے سوال کیا کہ وہ کام

سے واپس آیا تھا۔'' میں غلط کہہ رہی ہوں؟۔

''ہوں...'' اس کا شوہر اخبار پڑھ رہا تھا۔

اعلیٰ حکام سماجی اصلاح کی باتیں کرتے ہیں' پارٹی کی تشکیل نو نہیں ہو رہی ہے۔ حزب اختلاف کے سربراہ اعلان کرتے ہیں، نیشنل سیکیورٹی قانون پر تبصرہ' اقوام متحدہ کے سیکرٹری جنرل جنوبی اور شمالی کوریا کے درمیان بات چیت شروع کرنے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ایلے دریا پر روس اور امریکہ کے مصنوعی سیارے ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ پچھلے عشرے میں جرائم کی شرح آٹھ سو فیصد بڑھ گئی ہے' فاؤنڈیشن نے اسکول کے دس کروڑ وان غبن کر لیے ہیں' سابق حکمرانوں کے افسروں نے اسکول کے فنڈ سے دس کروڑ وان غبن کر لیے۔ جنوبی ویت نام کے پناہ گزینوں نے سابق افسروں کے اللے تللے کے خلاف امریکہ میں مظاہرہ کیا ہے' معیشت کی بحالی کے باوجود روزگار ملنے کے امکانات اچھے نہیں ہیں' نیشنل اسمبلی کی عمارت چوبیس ستونوں پر کھڑی ہے ہر ایک ستون پر ایک کروڑ وان لاگت آئی ہے یا نئے علاقوں میں موجود پرانی عمارتوں کے باسیوں کے لیے تین لاکھ وان کی ضرورت ہے' انہیں نئے اپارٹمنٹ کی ملکیت نہیں ملی ہے' وہ نئے گھر تلاش کر رہے ہیں 'کسان ٹی روم ڈیفنس ٹیکس چاہتے ہیں' ٹیلی فون کی کال مہنگی ہوگئی ہے' قبرستان میں مردہ زندہ ہوگیا۔ مسلح ڈکیتی' آبروریزی' جعل سازی' عمارتی لکڑی کے چور' مچھلی فروش گوشت میں پانی بھرتے ہیں' پاپ سانگ Too Much مخرب اخلاق ہوگیا اس پر پابندی لگادی گئی' اشتہار میں لکھا ہے'' پاکبازی کس کے لیے'' ڈرامہ میں ایکٹرس بالکل ننگی ہوجاتی ہے' یونیورسٹی کے پروفیسر نے کہا ہے کہ منافع کی غیر منصفانہ تقسیم سے جرائم اور صارفیت پیدا ہوتی ہے۔ آج کے اخبار میں بھی وہی خبریں ہیں جو کل کے اخبار میں تھیں۔ ان خبروں میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ پھر بھی لوگ ہر روز وہی اخبار پڑھتے ہیں۔ اس کا شوہر وہ اخبار پڑھ رہا تھا۔

''میں بونی ہوں؟''۔

''ہونہہ ...؟''

''اب یہ اخبار بند کردو۔''

یہ ہے زندگی شن آئے نے ایک بار پھر اپنے آپ سے کہا۔ کل رات اس کا شوہر اس

MashalBooks.org

وقت تک بستر پر کروٹیں بدلتا رہا تھا جب تک دیوار پر لگے گھنٹے کے الو نے دو نہیں بجا دیے۔ وہ سویرے سویرے ہی چلا جاتا۔ بارہ تیرہ گھنٹے گھر سے باہر گذارتا ہے۔ وہ کام کی جگہ پر کیا کرتا ہے، وہاں اس پر کیا گذرتی ہے، فکر، شبہ، تھکن، ہر وقت اس پر سوار رہتی ہے۔ اس کی امیدیں ہوا میں تحلیل ہو چکی ہیں شن آئے کی بیٹی کے کمرے سے ریڈیو پر کسی غیر ملکی گانے والے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ گانے والے کی شکل کا اندازہ نہ لگا سکی۔ معلوم نہیں وہ کس زبان میں گا رہا تھا۔ ایک دن اس کی بیٹی بھی غیر ملکی زبان میں سوچ رہی ہوگی۔ شن آئے اپنی بیٹی کی طرف سے پریشان ہے۔ کاش ان کے حالات مختلف ہوتے۔ اس چھوٹے سے خاندان کو چلانے میں اتنی پریشانی کیوں اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کا شوہر اخبار پڑھ رہا تھا جیسے اس پر جو تھکن سوار ہے اسے اور بڑھانا چاہتا ہو۔ وہ اپنے آپ سے اور اس زندگی سے بیزار ہے۔ جو وہ گذار رہا ہے۔ وہ لوگوں میں گھل مل کر نہیں رہ سکتا اور وہ اپنے آپ کو زمانے سے الگ تھلگ محسوس کرتا ہے۔ اس نے کالج میں تاریخ پڑھی ہے۔ وہ بہت سی کتابیں پڑھ چکا ہے۔ ان بے شمار کتابوں میں جو پڑھا تھا بہت پہلے اس نے نوجوان ہائیون او کو بہت متاثر کیا تھا۔

وہ چاہتا تھا کہ اس نے کتابوں میں جو پڑھا ہے ان کے بارے میں باتیں کرے۔ مگر اچانک اسے چپ لگ گئی۔ وہ بڑا ہو گیا۔ اس طرح جیسے شن آئے کبھی خواب دیکھنے والی لڑکی تھی۔ ذہین اور خوش شکل لڑکی۔ وہ لڑکی جو اپنے دماغ سے کام لیتے ہوئے بڑی ہوئی۔ شن آئے پہلی بار ملی تھی تو ہائیون او نے کہا تھا کہ وہ ایک اچھی کتاب لکھنا چاہتا ہے۔ دونوں ہی ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو گئے تھے۔ پھر انہوں نے شادی کر لی۔ وہ دونوں جانتے تھے کہ ایک دوسرے کے آدرش کیا ہیں۔ انہیں بہت سی امیدیں تھیں۔ مگر جب اصل زندگی کا سامنا ہوا تو وہ آدرش اور امیدیں ان کے کام نہ آئیں۔ شوہر کو پیسہ کمانے پر مجبور ہونا پڑا۔ جس سے وہ نفرت کرتا تھا۔ یہ منحوس دولت کمانے کے لیے اسے کتے کی طرح کام کرنا پڑا۔ کیونکہ اس کی ماں بیمار پڑ گئیں۔ بیماری پیٹ کی تھی۔ وہ پیٹ کے سرطان سے مر گئیں۔ ماں کے مرنے کے بعد اس کے باپ بیمار ہو گئے۔ یہ ایسی بیماری تھی جس کی تشخیص ڈاکٹر بھی نہ کر سکے۔ باپ کو شدید درد ہوتا تھا۔ وہ درد مارفین کے انجکشن سے بھی نہیں جاتا تھا۔ ڈاکٹروں نے کہا کہ وہ اس پراسرار بیماری سے جلد ہی مر جائیں گے۔ مگر وہ دو سال اور زندہ رہے اور اس شدید درد سے لڑتے رہے۔ ان کا انتقال پاگل خانے میں ہوا جہاں انہوں نے

زندگی کے آخری مہینے گذارے۔ باپ نے اپنے معاشرے اور اپنے زمانے سے لڑتے ہوئے ہی زندگی گذاری۔ شن آئے کو یقین تھا کہ اس کا شوہر بھی اپنے باپ پر ہی گیا ہے۔ وہ آدمی جس کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ وہ ایک اعلیٰ کتاب لکھے ایک سطر بھی نہیں لکھ سکا۔ اس نے سوچ لیا کہ وہ دماغی طور پر کمزور ہے۔ اگرچہ وہ قابل نفرت دولت کمانے کے لیے انتھک محنت کرتا تھا پھر بھی اس پر قرض ہی چڑھا رہتا تھا۔ ہسپتالوں نے اس کے ماں باپ کو تو نہیں بچایا مگر وہ اس کی انتھک محنت سے کمائے ہوئے پیسے سے فیسوں کی بھاری رقم مانگتے تھے۔ آخرکار اس کے باپ کا انتقال ہوا تو رونے کے لیے اس کے پاس آنسو ہی نہیں تھے۔ دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو تسلی دیتے ہوئے سیول کے محلے چونگ جن ڈونگ میں اپنا مکان بیچ دیا اور قرض ادا کر دیا۔ شہر کے نواح میں یہ مکان کئی سال سے ان کے قبضے میں تھا۔ مسئلہ پانی کا تھا۔ یہ صرف پچھلی رات یا اس سے پہلے کی رات کی بات نہیں تھی۔ تین رات پہلے قطرہ قطرہ پانی آیا تھا۔ شن آئے نل کے سامنے اکڑوں بیٹھی رہی تھی۔ آخر رات کے ڈھائی بجے پانی آیا۔ صدر دروازے کے پاس' جو گھر تھا سب سے نیچا حصہ تھا' نل میں پانی آیا۔ اس نے مٹی کے پیالے میں بھر بھر کے پانی بالٹی میں ڈالا اور غسل خانے میں لے گئی۔ لیکن ابھی باتھ ٹب آدھا بھی نہیں بھرا تھا کہ نل میں سے غرغر کی آواز آئی اور پانی بند ہو گیا۔ ساڑھے چار بجے روشنی ہونے لگی۔ آنکھوں میں نیند بھرے اور الٹی سیدھی باتیں سوچتے ہوئے اس نے مجبوراً ناشتہ بنانا شروع کیا۔

اس کے شوہر نے اخبار بند نہیں کیا۔ شوہر نے اسے بتایا تھا کہ کام کرتے ہوئے' پیدل چلتے ہوئے' لوگوں کی نظروں میں پھنسے ہوئے' جب وہ اردگرد سے بے نیاز راستہ پر چلنے والوں کو دیکھتا ہے اور سڑک پر چلنے والی گاڑیوں کا دھواں پھانکتا ہے تو اس کا دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ ہر روز بلاناغہ جب وہ ٹھسا ٹھس بھری بسوں میں سفر کرتا ہے تو گندگی لے جانے والے ٹرک بار بار اس کے سامنے سے گذرتے ہیں۔ شن آئے جانتی تھی کہ اس کا شوہر کیا کہہ رہا ہے۔ وہ سوچتی تھی کہ گندگی کے ٹرک میں ہر روز کتنی ہی روحیں لادی جاتی ہیں اور انہیں کوڑے پر پھینکا جاتا ہے۔ مگر اس طرح کوئی ان کا ذکر نہیں کرتا۔

اس کے شوہر کی آنکھوں پر تھکن ایسے پھیل گئی جیسے بستر پر چادر بچھا دی گئی ہو۔ شوہر نے اخبار رکھ دیا۔ یوں لگا جیسے وہ ابھی بیہوش ہو کر گر پڑے گا۔

MashalBooks.org

''تم نے میرا ایک لفظ بھی نہیں سنا۔''

ایسے لگا کہ اس خاندان کا ہرفرد الگ الگ زبانیں بولتا ہے۔ وہ جو بھی کہتے ہیں وہ دوسروں تک نہیں پہنچتا۔

تم کہہ کیا رہی ہو؟'' اس کے شوہر نے کہا۔

''میں کہہ رہی ہوں ہم بونے ہیں۔'' شن آئے نے کہا تقریباً چیختے ہوئے۔

''ہم بونے کیسے ہوگئے؟'' برآمدے میں اس کی بیٹی کی آواز آئی۔

اس کے ساتھ ہی ٹیلی وژن کا احمقانہ شور بلند ہوا۔ پڑوس والے گھر نے ٹیلی وژن کی آواز اونچی کردی تھی۔ یہ بہرے تو نہیں ہوگئے ہیں؟ ہررات اسی وقت اس گھر کی عورت کپڑے دھونے سے پہلے اپنے بچوں کو آواز دیتی' نوکر کو بھی بلاتی سب بیٹھ جاتے۔ پہلے شوہر رونا شروع کرتا پھر عورت روتی اور آخر میں بچے سسکیاں لینے لگتے۔ جب وہ روتے نہیں تھے تو قہقہے لگاتے تھے' اور جب وہ روتے اور قہقہے نہیں لگاتے تھے تو گانے گاتے تھے۔

اس گھر میں جو بچے رہتے ہیں وہ بستر پر لیٹ کر ہفتہ وار رسالے پڑھتے رہتے۔ جو مضامین وہ پڑھتے ان میں جنسی مضامین بھی ہوتے ہیں۔

ٹیلی وژن سے سستے جذباتی گانے بکھرتے رہتے ہیں۔ خاندان کے دوفرد ابھی گھر نہیں آئے ہیں۔گھر کا مالک اور سب سے بڑی لڑکی، گھر کا مالک ٹیکس کے دفتر میں انسپکٹر ہے۔ اس گھر میں جس چیز کی کمی ہے وہ ہے روح۔ باقی چیزیں وہاں بہت ہیں۔

بدعنوانی' رشوت خوری' نوکرشاہی کام چوری۔ یہ وہ الفاظ تھے جو ایک زمانے میں روزانہ اخباروں میں چھپتے رہتے تھے۔ ان دنوں پچھلے گھر میں ٹی وی کی آواز کم ہوگئی تھی۔ انہی دنوں ان لوگوں نے اپنا ریفریجریٹر' واشنگ مشین' پیانو' ٹیپ ریکارڈر اور اس قسم کی دوسری چیزیں تہہ خانے میں رکھ دی تھیں اور پرانے کپڑے نکال کر پہن لیے تھے۔ اخبار اکثر ایک اعلی افسر کا بیان شائع کرتے تھے کہ جو بھی سرکاری ملازم بدعنوانی کا مرتکب پایا گیا اسے قانون کے مطابق سزادی جائے گی لیکن پچھلے گھر والوں کی بدعنوانی شاید سامنے نہیں آئی تھی۔ کیونکہ کچھ ہی عرصے بعد وہ پاک صاف بنا پھرتا تھا۔''اگر بدعنوانی کا مرتکب پایا گیا۔'' ایسے الفاظ تھے جو مذاق بن گئے تھے۔

بہرحال پچھلے گھر والے تمام الزاموں سے بچ گئے تھے' ٹیلی وژن پر گانے پھر شروع

ہو گئے تھے' اور گھر کا مالک اور بڑی لڑکی ابھی تک واپس نہیں آئے تھے۔ اس وقت وہ آدمی کہاں ہوگا اور کیا کر رہا ہوگا؟

بڑی لڑکی کہاں ہوگی اور وہ کیا کر رہی ہوگی؟

بڑی لڑکی نے زہر کھالیا تھا۔ خوش قسمتی سے گھر والوں کو جلد ہی پتہ چل گیا۔ اور اسے بچالیا گیا۔ ایک ڈاکٹر آیا' اس کے حلق میں ایک ٹیوب ڈالی اور اس کا پیٹ صاف کر دیا۔ ٹیکس انسپکٹر اور اس کی بیوی نے سکون کا سانس لیا۔ مگر ڈاکٹر نے سر ہلایا۔

''ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ اگر آپ اسے یہاں رکھیں گے تو وہ پھر یہی حرکت کرے گی۔''

''پھر ہم کیا کریں؟ گھر والی نے پوچھا وہ صدمے سے کانپ رہی تھیں۔

''اسے ہسپتال لے جاؤ''

''جی کیا؟''

''ہسپتال''

''آپ اپنے کلنک میں داخل نہیں کر سکتے؟''

''نہیں' میں نہیں کر سکتا۔ آپ کو اسے زچہ بچہ کے ہسپتال میں لے جانا پڑے گا۔''

اس وقت وہ لڑکی لمبا اسکرٹ پہنے ہوئے تھی''

دوسری صبح شن آئے نے اس لڑکی کو گھر سے نکلتے دیکھا اس نے بہت کھلی کھلی پتلون پہنی ہوئی تھی جس کے پائنچے ہوا میں لہرا رہے تھے۔

اگر سرکاری ملازموں کی تنخواہوں کو دیکھا جائے تو اس گھر کے مالک کی تنخواہ شن آئے کے شوہر کی تنخواہ سے خاصی کم تھی۔ شن آئے کا خاندان بھاری تنخواہ پر مشکل سے ہی گذارا کرتا تھا اور پچھلے گھر کا لمبا چوڑا خاندان کم تنخواہ کے باوجود عیش کے ساتھ زندگی گذارتا تھا۔ اس کی وضاحت کیسے کی جائے؟ خوش حال زندگی کا سن سن کر ہمارے کان پک گئے ہیں۔ لیکن پچھواڑے والے گھر کے لوگ خوب عیش کر رہے ہیں۔ وہاں غربت کا نام ونشان تک نہیں ہے۔ شن آئے نے اپنے آپ سے سوال کیا۔'' خدا کے لیے یہ بتاؤ کہ وہ گھر والے اچھے ہیں یا ہم ؟۔'' کون اچھا ہے اور کون برا؟ اور کیا کوئی بتا سکتا ہے کہ اس دنیا میں کہیں اچھائی بھی ہی؟۔

پریشان ہوکرشن آئے نے دونوں ہاتھوں سے اپنے کان بند کرلیے تا کہ پچھواڑے کے گھر سے آنے والی ٹی وی کی آواز بند ہوجائے۔

''ہائی نیونگ'' اس نے زور سے آواز دی کہ دوسرے کمرے میں اس کی بیٹی سن لے'' ریڈیو بندکردو''۔

''یہ ٹھیک ہے؟''

آواز آہستہ ہوگئی۔مگر اس کی بیٹی کے ریڈیو سے انگریزی گانے کی آواز اب بھی آرہی تھی۔

ادھر ٹیلی وژن پر بولنے والوں کی آوازیں بھی آرہی تھیں۔

''بالکل بند کردو''

''ماما' آج آپ کو کیا ہوا ہے؟''

اس کی بیٹی اس کے پاس آگئی۔ اس نے شب خوابی کا لباس پہن رکھا تھا۔ اس کے ہاتھ میں

ریاضی کی کاپی تھی۔

اگر تم پڑھ رہی ہوتو ریڈیو بند کردو۔''

''ماما یہ آپ اس لیے کہہ رہی ہیں کہ آپ جانتی نہیں ہیں۔''

''جانتی نہیں ہوں؟ تم کہہ رہی ہو کہ میں غلط ہوں؟۔''

''جی' آپ غلطی پر ہیں۔''

شن آئے کے دل کی دھڑکن جیسے رک گئی ہو۔'' اچھا تو مجھے بتاؤ' میں غلطی پر کیسے ہوں؟۔''

اب اس نے اپنی اور اپنی بیٹی کی عمر پر غور کیا۔ وہ دونوں ایک ہی دنیا میں رہتے تھے مگر ایک دوسرے کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ کیونکہ مختلف انداز میں سوچتے تھے۔ وہ اداس ہوگئی۔

اس کا شوہر سوگیا تھا۔ اس کے چہرے پر غصہ تھا۔ صبح تک وہ ٹھیک ہوجائے گا۔ اسے کیا پریشانی تھی کہ وہ کل رات بھر جاگتا رہا۔

''اتنا شور کیوں مچ رہا ہے؟۔''اس کے بیٹے نے آواز لگائی۔اس کا کمرہ بیٹی اور ماں باپ کے کمروں کے بیچ میں تھا۔

MashalBooks.org

شن آئے کی بیٹی بھی باہر آ گئی۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''ہم یہاں نہیں رہ سکتے۔ ذرا یہ شور شرابہ سنو۔ آگے سے بھی شور آ رہا ہے اور پیچھے سے بھی۔ ہم کب تک اسے برداشت کریں گے۔''

''گلی کے پار سے ٹیلی وژن کی جو آواز آتی تھی وہ بیچ کے کمرے میں زیادہ زور سے آتی تھی۔ اس شام شن آئے اس بات پر توجہ نہیں دے رہی تھی۔

''کم سے کم ہمیں خود تو شور نہیں مچانا چاہیے۔'' شن آئے نے کہا۔ ''پاپا' سو رہے ہیں۔''

''آپ کیا کہہ رہی ہیں' اس شور میں کون سو سکتا ہے۔''

''تم ابھی نہیں سمجھ سکتے کہ تھک جانے کا کیا مطلب ہوتا ہے۔''

اس کے بیٹے کے ہاتھ میں کالے رنگ کی کاپی تھی جو اس کی بیٹی کی کاپی سے بھی موٹی تھی۔

اس کا بیٹا بیٹی کے مقابلے میں بڑی کلاسوں میں تھا۔ حیرت کی بات تھی کہ طرح طرح کا علم ایک ترتیب کے ساتھ اس کے بیٹے کے دماغ میں کیسے جمع ہو گیا تھا۔ چند سال بعد تو اس کا منصب بڑھ جائے گا اور اس عمر کے دوسرے لڑکوں کے مقابلے میں اس کی آمدنی میں بھی اضافہ ہو جائے گا۔

لیکن شن آئے نے اپنے بیٹے کے مستقبل کے بارے میں سوچا تو اسے سینے پر دباؤ محسوس ہوا۔ کچھ عرصے سے وہ دیکھ رہی تھی کہ اس کے بیٹے کے لیے ہر چیز غلط ہے سوائے اس کے کہ جو وہ اسکول میں سیکھتا ہے۔ اسکول کے استاد پڑھاتے تھے کہ سب کچھ ٹھیک ہے۔ پورے معاشرے میں سوچنے کا یہی انداز چل رہا تھا۔ لیکن اس کے بیٹے کا خیال تھا کہ ایک لایقینی جھوٹ ہے جس میں بہت کچھ چھپا ہوا ہے۔

بیٹے نے باپ سے بہت اثر لیا تھا۔ اس نے اپنے باپ سے جو خیالات قبول کیے تھے وہ ان کا نتیجہ بھگت رہا تھا۔ وہ خیالات جو بے باک اور سچے تھے انہوں نے ہی اس کے بیٹے کی مصیبتوں میں اضافہ کی تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ جب وہ دنیا کا مقابلہ کرے گا تو اسے زبردست صدمے سے دوچار ہونا پڑھے گا۔

''تمہارے پاپا رات بھر نہیں سو سکے ہیں۔'' اس نے کہا گلی کے پار کاٹی دی اتنا ہی بلند

تھا جتنا پہلے ہوتا تھا۔

اس کی آنکھوں کے سامنے اس گھر کے مالک کا چہرہ آ گیا۔ وہ بیکری کا سامان بنانے والی ایک کمپنی کے ایڈورٹائزنگ شعبے میں کام کرتا تھا۔ شن آئے بھی ان لوگوں میں سے تھی جسے بسکٹوں کا ڈبہ ملا تھا۔ اس آدمی کی بیوی نے ہمسایوں میں بسکٹ بھیجے تھے کہ اس کے شوہر کو ترقی ملی تھی اور وہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہو گیا تھا۔

''یہ چھوٹا سا تحفہ آپ کو پسند آئے گا۔'' اس عورت نے کہا تھا۔ وہ اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہو گئے ہیں۔''

وہ سب کو یہ خبر دے رہی تھی۔

''اب حالات بہتر ہو رہے ہیں۔ جو لوگ ہماری خوش قسمتی کے بارے میں جانتے ہیں وہ

خواہ مخواہ کی باتیں بناتے ہیں کیونکہ ہم نے ان کے لیے کچھ نہیں کیا۔ اشتہاروں والے شعبے کا بجٹ اب کئی ارب وان ہو گیا ہے۔ جن لوگوں کے پاس ریڈیو اور ٹیلی وژن ہے وہ دوڑ ے دوڑے آ رہے ہیں۔ ایڈورٹائزنگ ایجنسیوں کے لوگ بھی آ رہے ہیں ہماری کمپنی صرف بسکٹ ہی نہیں بناتی۔ وہ کریم اور دودھ وغیرہ بھی بناتی ہے اسی وجہ سے اشتہاروں کے لیے اس کے پاس اتنی بھاری رقم ہے۔''

''ارب؟ واقعی یقین نہیں آتا۔ مگر یہ لوگ آپ کے گھر کیوں آتے ہیں؟''

عورت نے شن آئے کو گھورا اور پھر جلدی سے بولی۔'' وہ اشتہار بنوانے آتے ہیں۔ وہ ان کا کاروبار چاہتے ہیں بہت پیسے لے کر آتے ہیں۔ جو لوگ ہمیں جانتے ہیں انہیں اندازہ ہے کہ چھ مہینے کے اندر ہمارے یہاں انبار جمع کر لیں گے۔

''انبار کاہے کے؟''

''دولت کے''

''کتنے انبار؟''

اس طرح یہ کام شروع ہوا۔ گلی کے پار والے گھر میں خوب شور شرابہ ہونے لگا۔ صرف شور شرابہ ہی نہیں اس گھر میں روشنی بھی بہت ہو گئی اور وہاں سے نئی نئی خوشبوئیں بھی آنے لگیں۔ شن آئے کے صحن کی طرف ان کی جو کھڑکی تھی اس میں سے گوشت کھانے کی

خوشبوئیں آنے لگی تھیں۔ جب وہ اپنے سادہ سے کھانے کے لیے بیٹھتے تو صحن کے پار سے بھنے ہوئے گوشت کی خوشبو آنا شروع ہوجاتی۔ ان کے اپنے کھانے میں سبزی ترکاری ہی ہوتی تھی۔

آوازیں پھر سنائی دیں۔

''بچو، کھانا کھاؤ۔''

''نہیں یہ نہیں کھاتا۔''

''میں نے تمہارے لیے پسلیاں پکائی ہیں۔''

''کہہ دیا نا میں یہ نہیں کھاتا۔''

''اچھا پھر کھالینا۔ پوک سن، تم سب کے لیے اورنج جوس کیوں نہیں لائے۔''

پچھلے گھر والوں کی طرح یہ سامنے والے بھی شن آئے کے لیے دردسر بن گئے تھے۔

''آپ ہمارا نیا ٹیلی وژن دیکھیں گی؟۔'' اس عورت نے چند دن پہلے کہا تھا۔

اب وہی ٹی وی چل رہا تھا۔

''اگر مسئلہ سنگین ہو تو آپ کو اس وقت تک اس پر غور کرنا چاہیے جب تک وہ حل نہ ہو جائے۔'' شن آئے نے اپنے بیٹے سے کہا۔''اگر آپ پوری توجہ سے کوئی کام کریں تو آپ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ دوسرے گھر میں چلتے ہوئے ٹی وی سے آپ کو پریشان نہیں ہونا چاہیے۔ اگر آپ پریشان ہوں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ کی توجہ اپنے کام پر مرکوز نہیں ہے۔ آپ کا دماغ کہیں اور ہے۔تم نے یہ نہیں کہا تھا کہ تم ایسا کام کرنا چاہتے ہو جس سے کوئی فرق پڑے؟ پرانے زمانے کے بڑے گھسے پٹے خیالات کے ساتھ چمٹے نہیں رہتے تھے۔تم بھی یہی کہتے ہو۔ پھر بھی تم ان چھوٹی چھوٹی چیزوں سے پریشان ہوجاتے ہو۔ اگر تم پڑھ نہیں سکتے تو باہر جاؤ اور تازہ ہوا کھاؤ۔''

اس کا بیٹا کچھ نہیں بولا۔ اس کے چہرے پر دکھ کے تاثرات تھے۔

شن آئے اپنی بات کہہ چکی تھی اور اب اس کا دل دکھ رہا تھا۔ بیٹی بولی اس نے بیٹے کے کمرے کا دروازہ بند کردیا۔

اس کی بیٹی صحن میں چلی گئی تھی شن آئے نے دیکھا کہ بیٹی نل سے پانی لینے گئی ہے۔

''نل سے تو ہوا تک نہیں آرہی ہے۔'' اس کی بیٹی نے کہا۔

''ہاں ہوا بھی کیوں آئے گی۔''

شن آئے آگے بڑھی اور اس کی بیٹی نے اسے اپنی طرف بڑھتے دیکھا۔

''آپ جا کر سو جایئے۔''

''کیوں؟''

''پانی میں لے آؤں گی۔''

''آخر کیوں؟۔''

''بس میرا دل چاہ رہا ہے اور کیا؟''

''پانی رات کے دو بجے تک نہیں آئے گا۔''

''پھر بھی میں اس کے بعد سو جاؤں گی۔ ہر رات میں جلدی سو جاتی ہوں۔ اور مجھے اچھا نہیں لگتا کہ آپ رات بھر نل کے سامنے بیٹھی رہیں۔ دوسری مائیں آرام سے سو جاتی ہیں۔ اور آپ آدھی رات تک یہاں بیٹھی رہتی ہیں۔ وہ جلدی سو جاتی ہیں اور ان کے نوکر پانی بھرتے ہیں۔ ہمارے پیچھے اور آگے کے گھر والوں نے پانی کا اپنا انتظام کر لیا ہے۔ انہیں میونسپلٹی کے پانی کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مجھے یہ سوچ کر بہت تکلیف ہوتی ہے کہ ہر رات جب میں سو رہی ہوتی ہوں تو میری ماں پانی کے لیے جاگ رہی ہوتی ہیں۔ جیسے وہ صحرا میں بھٹک رہی ہوں۔ پلیز آج آپ جلدی سو جایئے۔ پانی میں بھر لوں گی۔''

''صبح کو تم کلاس روم میں سو رہی ہو گی۔''

شن آئے نے یہ کہہ تو دیا مگر خوشی سے اس کا سینہ پھول گیا۔ ہماری بیٹی بڑی ہو گئی ہے۔ اور ابھی میں یہ سوچ ہی رہی ہوں گی کہ وہ اتنی بڑی ہو جائے گی کہ وہ کہے گی۔ ''ماما' میں بیزار ہو گئی ہوں سب چیزوں سے۔''

''مگر میں ابھی تک وہی سوچ رہی ہوں جب تم نے کہا تھا کہ میں نہیں سمجھتی۔''

''میں نے یہ کہا تھا؟''

''ہاں' جب میں نے کہا تھا کہ پڑھتے وقت ریڈیو بند کر دیا کرو۔ تو تم نے کہا تھا آپ نہیں سمجھتیں۔''

آگے اور پیچھے والے گھروں کے ٹیلی وژن پر اشتہاروں کا شور تیز ہو گیا تھا۔

''میں تو بھول بھی گئی تھی۔'' اس کی بیٹی بولی۔ ''مگر ماما آپ سمجھنے کی کوشش کیا کیجیے۔''

MashalBooks.org

''کیا سمجھنے کی؟''

''میں جب پاپ گانے سنتی جاتی ہوں تو زیادہ اچھا پڑھتی ہوں۔''

''اچھا؟ میرے لیے یہ انوکھی بات ہے۔''

''میں سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے نہیں اچھا لگتا ہے۔''

''ایسا لگتا ہے کہ تم دونوں جس دنیا میں جی رہے ہو وہ بہت ہی چھوٹی ہوگئی ہے۔''

''آپ کا مطلب ہے اس دنیا سے جو آپ کے بچپن میں تھی؟''

''ہاں' تمہارے باپ اور میں تمہاری عمر کے تھے تو ہم گاؤں کے کھتیوں میں کام کرتے تھے۔ اور ہمیں بتایا گیا ہے کہ تمہارے دادا چین' کوریا' سائبیریا حتی کہ ہوائی میں بھی رہے تھے۔

اور اب تمہارے باپ پریشان رہتے ہیں۔''

''مگر کیوں؟''

''مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے دادا آخری عمر تک پریشان کیوں رہے؟''

''جیسے حالات ہوگئے تھے وہ ان سے خوش نہیں تھے۔ لاؤ وہ بالٹی مجھے دو۔'' شن آئے نے کہا ''تمہارے بچوں کے لیے ایسا کوئی ملک نہیں ہوگا جس کی حفاظت کی جائے۔''

''ماما آپ اپنے کمرے میں کیوں نہیں جاتیں۔'' اس کی بیٹی نے پھر کہا۔ ''پانی بھرنے کے بعد میں بھی سوجاؤں گی۔''

''چلو' ہم دونوں ہی پانی بھرلیں گے۔''

''لو' پانی آنے لگا۔''

شن آئے بیٹھ گئی۔ اس کے گھٹنے زمین سے لگ رہے تھے۔ اس نے پانی کے سیٹر کا فولادی ڈھکن اٹھایا پھر وہ اور بھی جھک گئی۔ ''اوہو' دیکھو تو میں کیسے بھول گئی تھی۔

بیٹی کو عجیب سا لگا کہ اس کی ماں کیا کہہ رہی ہے۔ ماں نے ڈھکن کے نیچے سے مچھلی کاٹنے والی چھری نکالی۔

''آج تیسرے پہر میں اسے استعمال کر رہی تھی اور یہاں بھول گئی۔''

''ماما' اس پر خون لگا ہے۔''

''ہاں ہاں' ٹھیک ہے۔ چھوٹا سا حادثہ ہوگیا تھا۔'' وہ بڑے سکون سے جواب دے رہی

تھی۔

بیٹی نے ماں کے چہرے کی طرف دیکھا۔

شن آئے کو بونا یاد آ گیا۔صبح کے وقت بونا پڑوس کی عورتوں کے پاس کھڑا تھا۔ اوزاروں کا تھیلا اس کے کاندھے پر تھا۔

''میرا اعتبار کیجیے۔'' بونا کہہ رہا تھا۔''یہ مجھے دیدیجیے' میں ٹھیک کرادوں گا۔''

پچھلے گھر والی عورت نے کہا تھا۔''مجھے تمہارے اوپر اعتبار نہیں ہے۔''

بونا خاموش رہا تھا۔

عورت نے بونے کو غور سے دیکھا۔''تمہاری عمر کیا ہوگی؟۔''

''باون سال۔''

''اچھا؟ سچی بات ہے؟'' اس نے پھر اس کا جائزہ لیا۔ بونا پھر بولا۔''مجھے کہیں کام نہیں مل رہا ہے۔ اور میرے بیٹے بھی کارخانے سے نکال دیے گئے ہیں۔ وہ بھی بیکار ہیں خدا کے لیے مجھے یہ کرنے دیجیے۔میں ایمانداری سے کروں گا۔''

لیکن دونوں عورتیں جو کسی دیو کی طرح اس کے سامنے کھڑی تھیں انکار میں سر ہلاتی ہیں۔ وہ بونا ان کے کندھوں تک بھی نہیں آ رہا تھا۔

اس وقت شن آئے اپنے باورچی خانے کے روشن دان سے دیکھ رہی تھی۔ بونا خاموش کھڑا تھا۔ اوزاروں کا تھیلا اسکے کاندھے سے لٹک رہا تھا۔

''بھائی صاحب شن آئے کے منہ سے اچانک نکلا۔'' آپ ہمارا کام کردیں گے؟'' اس نے یہ سوچے بغیر کہا تھا کہ بونا کیا کام کرتا ہے اور وہ اس سے کیا کام کرائے گی۔

''یہ جھوٹ بول رہا ہے۔'' بونے کے بولنے سے پہلے سامنے والے گھر کی عورت بول پڑی۔'' یہ کہہ رہا ہے کہ یہ نیا پائپ لگادے گا جس سے جلدی اور زیادہ پانی آئے گا۔آپ نے کبھی ایسی بات سنی ہے؟۔''

''اچھا تو تم کرالو اس سے کام۔ پھر دیکھنا کیا ہوتا ہے۔'' پچھلے مکان والی عورت نے جواب دیا۔

''بہت بہت شکریہ۔'' شن آئے نے کہا اور روشن دان بند کردیا۔

وہ باورچی خانے سے باہر صحن میں آ گئی۔ پانی کا نل دھوپ میں نہا رہا تھا۔ پانی کا قطرہ

تک نہیں تھا وہاں گھر میں بھی پانی نہیں تھا۔ وہ گھر کے باہر چلی گئی۔حیرت کی بات تھی کہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ بونے کا بھی نام ونشان تک نہیں تھا۔شن آئے گلی میں آگے بڑھی اور برابر والی اس چھوٹی سڑک کی طرف دیکھا جو بڑی سڑک سے مل جاتی تھی تو اسے بونا نظر آیا۔وہ گلی سے باہر جاچکا تھا اور وہ بڑی سڑک کی طرف مڑ رہا تھا۔ یہ سڑک ادھر جاتی تھی جدہر بسیں چلتی تھیں۔

شن آئے بڑی سڑک کی طرف بھاگی۔ بونا غائب ہوچکا تھا۔ اسے دکان سے ٹیپ ریکارڈر کی کان پھاڑ دینے والی آواز آئی۔وہ چلتی رہی حتی کہ وہ ایسی جگہ پہنچ گئی جہاں ایک ٹوٹا پھوٹا سائن بورڈ لگا تھا۔ بورڈ پر پانی کے نل کی تصویر تھی۔

''میں آپ کی کیا مدد کرسکتا ہوں محترمہ؟'' دکان میں بیٹھے آدمی نے پوچھا۔''آپ کنواں کھدوانا چاہتی ہیں؟۔''

''نہیں۔''

شن آئے نے دکان کے اندر جھانکا۔

''اندر آجایئے۔''

''ہمارے گھر میں سرکاری نل سے پانی نہیں آرہا ہے۔''

شن آئے دکان کے اندر ایسے داخل ہوئی جیسے کسی نے اسے پیچھے دھکا دیا ہو۔

''پھر تو آپ کو کنواں کھدوانا چاہیے۔'' وہ آدمی لوہے کے پائیوں کے ڈھیر کے پاس کھڑا تھا۔'' آپ کنواں کھدوالیں تو پھر آپ کو اپنا پانی ملنے لگے گا۔ہم ہر قسم کا کام کرتے ہیں۔آپ رہتی کہاں ہیں؟۔''

''انگوروں والی گلی میں''

''ہم نے وہاں بہت کام کیا ہے۔ٹیکس آفس میں جو صاحب کام کرتے ہیں ان کا کام بھی کیا ہے۔''

''یہ محترمہ ان کے ساتھ ہی رہتی ہیں۔'' ایک اور آدمی بولا۔ کچھ لوگ پائپوں کے پاس بیٹھے تاش کھیل رہے تھے۔

''پھر تو آپ ہمارے کام کو جانتی ہوں گی۔ ہم نے بسکٹ بنانے والی کمپنی کے صاحب کا کام بھی کیا ہے۔ آپ کسی وقت بھی نل کھولیں گی تو پانی آنے لگے گا۔ سرکاری پانی لینے کی

ضرورت ہی نہیں ہے۔

ابھی وہ آدمی باتیں ہی کررہا تھا کہ اس کا ٹوٹا ہوا دانت نظر آنے لگا۔ اس کے بازو پر ننگی عورت کی تصویر گدی ہوئی تھی۔ وہ اپنا ٹوٹا ہوا دانت دکھاتے ہوئے وہ پھر بولا۔

''آپ خرچ کی فکر نہ کیجیے۔عمر بھر آپ کو پانی ملتا رہے گا۔ آپ تجربہ کرکے دیکھیے۔ ہم نے عورتوں کی وگ بنانے والی فیکٹری کے مالک کا کام بھی کیا ہے۔ ان کا بہت بڑا حوض ہے جس میں وہ اپنا پانی بھرتے ہیں۔ کہنے کو تو یہ آسان معلوم ہوتا ہے مگر جب ہم بتاتے ہیں کہ وہ حوض آٹو میٹک پائپ سے بھرتا ہے تو لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔

''اگر ہم نیا پائپ لگوالیں تو اس سے پانی نہیں آئے گا؟''

''بالکل نہیں یہ ہو ہی نہیں سکتا۔''

شن آئے کو افسوس ہوا کہ وہ دکان میں آئی ہی کیوں تھی۔

''بس، میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی۔'' یہاں سے جلدی نکل لو۔ اس نے اپنے آپ سے کہا۔

''اے۔۔۔ میں تم سے بات کررہا ہوں۔''

اس آدمی نے غصے میں ایک پائپ اٹھایا۔ شن آئے کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اچانک اس آدمی کو کیا ہوگیا ہے۔ دکان کے باہر بونا آگیا تھا اور دکاندار اسے ڈانٹ رہا تھا۔ بونے نے اوزاروں کا تھیلا اپنے کاندھے پر ٹھیک کیا اور پہلے آہستہ آہستہ اور پھر تیز تیز چلنے لگا۔ شن آئے نے بھی دکاندار کو سامنے سے ہٹایا اور باہر بھاگی۔ دکاندار نے اپنا ٹوٹا ہوا دانت دکھاتے ہوئے کچھ کہا مگر شن آئے کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ بونا بڑی سڑک کی طرف جارہا تھا۔ شن آئے اس کی طرف بھاگ رہی تھی۔ وہ پیچھے نہیں دیکھ رہی تھی۔ دکان پر سے اس کا مالک چیخا۔ شن آئے دوڑتی رہی۔ اب دکاندار کی آواز نہیں آرہی تھی، بونا سامنے آنے والی گاڑی سے بچا۔ یہ گاڑی کھیتوں میں فصل کاٹنے والی تھی اور اس علاقے میں اس کا نظر آنا حیرت کی بات تھی۔ اس میں کوئلہ بھرا ہوا تھا۔

شن آئے بونے کے پاس پہنچ گئی۔ ''تو تم یہاں ہو۔''

بونے نے اپنے اردگرد دیکھا اور گلی میں گھس گیا۔ شن آئے اب وہاں کھڑی تھی جہاں پہلے بونا کھڑا تھا۔ اس نے دیکھا دکاندار اسے گھور رہا ہے۔

''وہ ابھی وہاں کھڑا ہے؟'' بونے نے گلی میں سے پوچھا۔

MashalBooks.org

''نہیں۔وہ دکان میں چلا گیا۔'' شن آئے نے کہا۔ بونے نے اوزاروں کا تھیلا زمین پر رکھا اور اپنے چہرے کا پسینہ پونچھا۔

''تم اس سے ڈرتے کیوں ہو؟'' شن آئے نے سوال کیا۔

''بونے نے خوف زدہ خرگوش کی طرح آنکھیں جھپکائیں۔ یہ کیوں ڈرتا ہے؟ شن آئے نے سوچا۔ دواؤں کی دکان کے سامنے بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ وہ پی سی او سے فون کرنا چاہتے تھے۔ وہ ان لوگوں کو دیکھ رہی تھی تو بونے نے جیب سے پیسٹری کا ٹکڑا نکالا اور منہ میں رکھ لیا۔

''تم ہمارا کام کرو گے؟'' شن آئے نے پوچھا۔

بونے کا منہ بند تھا اور وہ اسے دیکھ رہا تھا۔

شن آئے مڑی اور چلنے لگی۔اسے اپنے پیچھے بونے کے قدموں کی آواز آرہی تھی وہ اب بھی خاموش تھا۔

''معافی چاہتا ہوں۔'' آخر وہ بولا۔''میں سمجھا تھا کہ میری وجہ سے آپ کا اور آپ کی پڑوسی عورت کا جھگڑا ہوجائے گا۔اس لیے میں وہاں سے آگیا تھا۔''

بونے کے تھیلے میں کئی قسم کے پرانے دھرانے اوزار تھے۔اس کے لیے وہ تھیلا بہت بھاری تھا۔

''اسے نیچے کیوں نہیں رکھ دیتے۔'' شن آئے نے کہا۔

بونا کام شروع کرچکا تھا۔اس نے لوہے کا ڈھکن ہٹایا اور پانی کا میٹر دیکھا۔ پھراس نے ٹیپ نکال کر پیمائش کی۔ اس نے پانی کے نل اور پائپ کی اونچائی بھی ناپی۔

''دیکھئے۔ یہ جو ٹونٹی ہے' یہ آپ کی پانی کی لائن سے چھ فٹ کے قریب اونچی ہے۔اور یہ وہاں سے پانچ فٹ اونچی ہے جہاں پانی کی لائن میٹر سے مل رہی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ بلدیہ کے پاس ہر ایک کے لیے پانی نہیں ہے۔ پانی کا پریشر بھی کم ہے۔میں نیچی کرکے ٹونٹی لگادوں گا۔ اس طرح آپ کو دوسروں سے پہلے پانی مل جائے گا۔ کیونکہ ان کی ٹونٹیاں بھی اونچی ہیں۔ میں آپ سے جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' شن آئے بولی۔اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔

''ہم نئی ٹونٹی میٹر کے پیچھے لگادیں گے۔'' شن آئے نے کہا۔

MashalBooks.org

''ٹونٹی آگے نہیں لگا سکتا۔ یہ بے ایمانی ہوگی۔ ایسے ہی جیسے چوری۔ آپ رات بھر جاگنے سے بچ جائیں گی۔ یہ عارضی انتظام ہے اس کے بعد ایسا زمانہ آجائے گا جب سب کو پانی ملنے لگے گا۔''

بونے نے اپنے پرانے دھرانے اوزار نکالے اور کام شروع کر دیا۔

شن آئے کا دل اب بھی زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ بونا جھکا تو لگا جیسے وہ سر کے بل کھڑا ہو گیا ہے۔ اس نے پانی کی لائن کاٹ دی۔ اس کے اوزار اتنے استعمال ہو چکے تھے کہ وہ بے کار معلوم ہو رہے تھے۔ ان سے کام کرنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ مگر اسے ایک آسانی تھی۔ چونکہ اس کا قد چھوٹا تھا اس لیے وہ پانی کے میٹر کے سوراخ میں آسانی سے گھس سکتا تھا۔

شن آئے بھی میٹر کے سامنے بیٹھ گئی اور اس کے ساتھ باتیں کرنے لگی۔

''تم کہاں رہتے ہو؟'' اس نے بڑے اخلاق سے سوال کیا۔

''ادھر اینٹوں کے بھٹے کے قریب'' بونا بولا۔ ''بھٹے کا دھواں یہاں سے بھی نظر آتا ہے۔ وہاں بہت سے مکان ہیں ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے۔ ان پر بڑے بڑے نمبر لگے ہیں۔ وہاں گندے پانی کا جوہڑ بھی ہے کبھی کبھی وہ گندا پانی باہر بھی پھیل جاتا ہے۔ مگر ہم گذارا کر ہی رہے ہیں۔ وہاں بچوں کا قد بڑا نہیں ہوتا۔ اس لیے وہ چھوٹے دکھائی دیتے ہیں۔ مگر وہ پیارے بچے ہیں۔ میری بیوی سوروں کو نہانے کے لیے جوہڑ پر لے جاتی ہے۔

''تم سور بھی پالتے ہو؟''

''ہمارے پڑوسی پالتے ہیں۔''

''اگر ہمارے بچوں کو فیکٹری سے نہ نکال دیا جاتا تو میں پالنے کے لیے کچھ سور لے آتا۔''

''کتنے بچے ہیں تمہارے؟''

''تین''۔ یہ کہہ کر بونا کچھ ٹھٹکا۔ ''وہ بونے نہیں۔''

''یہ تم نے کیوں کہا؟''

''مجھے دیکھ لو نا۔''

''دیکھو۔'' شن آئے بولی۔ ''مجھے تم جیسے آدمی پسند ہیں۔ میں تو سوچتی ہوں کہ اگر تم

جیسے ہمارے پڑوسی ہوتے تو کتنا اچھا ہوتا۔''

شن آئے کے حلق میں جیسے کچھ پھنس گیا۔ بونا جھکا اور کام کرنے لگا۔''بچوں کو فیکٹری میں کام مل گیا تو میں پہلا کام یہ کروں گا کہ سور خریدوں گا۔ آپ ہماری طرف کیوں نہیں آتیں؟۔''

بونا کام کررہا تھا تو شن آئے نے اس کے اوزاروں پر ہاتھ پھیرا۔ان اوزاروں میں پائپ کٹر تھا' منکی رینچ تھا' سوکٹر رینچ تھا' پیچ کش اور لوہا کاٹنے والی آری تھی۔ اس کے علاوہ لوہے کے ٹکڑے تھے۔ وہ سب اس کے قد سے ملتے تھے۔ جب وہ سوتا ہوگا تو یہ اوزار جو اس کے قد سے ملتے تھے اینٹوں کے بھٹے کے سائے میں رکھے رہتے ہوں گے۔ اس کے خاندان کے لوگ بھی خاموشی سے وہاں پڑے رہتے ہوں گے۔ ہوائیں تیز چلتی ہوں گی تو جوہڑ سے پانی کی آوازیں دیواروں کے اوپر سے ہوتی ہوئی بونے کے گھر میں آجاتی ہوں گی۔ وہ سب سوئے رہتے ہوں گے۔ لیکن وہ سب سوتے میں لرزتے ہوں گے کیونکہ اینٹوں کا بھٹہ ان کے اوپر تھا اور اینٹوں کے ڈھیر ہوا سے ہلتے ہوں گے۔بونے کے دروازے پر ہی خطرہ موجود تھا۔ اس خطرے کی کئی شکلیں تھیں۔ یہ دنیا بونے کے لیے محفوظ نہیں ہے۔ اس کے بعد جو ہوا کیا اس کی وجہ یہی تھی؟۔

بونے نے کام مکمل کیا اور ایک ایک کرکے اپنے اوزار تھیلے میں رکھ لیے تو دکان والا آدمی آ گیا۔آدھے دانت والا آدمی' وہ آدمی جس کے بازو پر ننگی عورت کی تصویر گدی ہوئی تھی۔ یقین تو نہیں آیا مگر اس نے ٹھوکر مار کر دروازہ کھول لیا تھا۔ اس نے آتے ہی بونے پر تھپڑوں کی بارش شروع کردی۔ بونا حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس آدمی نے پہلے بونے کے ایک گال پر تھپڑ برسائے پھر دوسرے گال پر تھپڑ مارنا شروع کردیے۔ بونا دہرا ہوگیا۔ اس کی ناک سے خون بہنے لگا تھا۔سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ کیا ہورہا ہے۔شن آئے نے آگے بڑھ کر بونے کو اپنے بازوؤں میں لے لیا۔ غصے میں اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ بڑی مشکل سے وہ چیخی۔''یہ کیا کررہے ہو تم؟'' کیا ہوگیا ہے تمہیں؟'' اس آدمی نے کہنی سے شن آئے کو دھکا دیا۔ وہ زمین پر گر گئی اس کے ساتھ ہی بونا بھی گر گیا۔ آدمی نے ایک ہاتھ سے بونے کو اٹھایا۔ اور اس کے سینے پر گھونسا مارا پھر دونوں ہاتھوں سے بونے کو اوپر اٹھالیا۔ اس وقت بونا سوکھی لکڑی کی طرح اس کے ہاتھوں میں جھول رہا تھا۔مگر وہ زندہ

MashalBooks.org

تھا اور کانپ رہا تھا۔ آدمی نے کسی کپڑے کی طرح بونے کو زمین پر پھینک دیا۔ اس نے بونے کے پیٹ پر پاؤں رکھ دیا تم یہاں کیا کر رہے ہو۔تمہارے پاس کوئی جادو ہے کہ تم پانی نکال دوگے۔ ان گھروں میں کنویں کی ضرورت ہے اور تم خواہ مخواہ انہیں دھوکا دے رہے ہو۔ تمہاری مرمت ہونا چاہیے۔ سمجھے ... سمجھے ...'' وہ بونے کے پیٹ پر پاؤں مار رہا تھا۔ بونے کا برا حال تھا۔اس کا چہرہ خونم ہو رہا تھا۔ اور یہ سب پلک جھپکتے ہو گیا تھا۔ یہ تو اسے مار ڈالے گا۔ شن آئے نے سوچا اب وہ اس کی پسلیوں پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔ بونے نے کئی بار کروٹیں سی لیں پھر وہ گڑی مڑی کیڑے کی طرح ہو کر پڑ گیا۔اسے بچانا چاہیے۔ شن آئے نے سوچا۔ یہ سوچ کر وہ بھاگی۔ چھلانگ لگا کر برآمدے پر چڑھی اور باورچی خانے میں پہنچ گئی۔ اس نے بڑی چھری اور مچھلی کاٹنے والی چھری اٹھائی۔ بڑی چھری پر کئی مرتبہ دھار رکھوائی جا چکی تھی۔ اور مچھلی والی چھری 32 سینٹی میٹر لمبی اور بہت ہی خوف ناک تھی۔ اس نے دونوں چھریاں اٹھالیں۔ دہشت اور غصے سے اس کے دانت بج رہے تھے۔ وہ اس آدمی کو قتل کر دینا چاہتی تھی۔ ایک لمحے کے اندر ہی شن آئے برآمدے میں واپس پہنچی اور صحن میں چھلانگ لگادی۔''میں مار ڈالوں گی۔ مار ڈالوں گی تجھے۔'' اور اس نے مچھلی والی چھری اس آدمی پر چلادی۔ وہ آدمی چیخا اور اس نے بونے کو چھوڑ دیا۔ اگر چھری اس آدمی کی کوکھ میں لگ جاتی تو وہ زندہ ہی نہ رہتا مگر اس کی خوش قسمتی کہ چھری اس کے بازو پر لگی تھی آدمی نے اپنا بازو پکڑا اور پیچھے ہٹ گیا۔ بازو سے خون نکل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر خوف نظر آرہا تھا۔ جب شن آئے چیخی تھی ''میں تجھے مار ڈالوں گی'' تو اس نے سمجھ لیا تھا کہ شن آئے کے سر پر خون سوار ہو گیا ہے۔ اس نے شن آئے کو مکا دکھایا۔ مگر یہ اس کی آخری کوشش تھی اس کے بعد وہ بھاگ گیا۔ شن آئے نے جلدی سے کنڈی لگالی۔ چھریاں اس کے ہاتھ سے گر گئی تھیں۔ بونا کھڑا ہو گیا تھا اور اسے دیکھ رہا تھا۔ دونوں خاموش تھے۔ شن آئے کو ڈربوں میں بند مرغیاں یاد آگئیں۔ اس نے دیکھا تھا کہ ان مرغیوں کی تعداد بڑھانے کے لیے انہیں مصنوعی روشنی میں رکھا جاتا ہے۔ وہ مرغیاں جس آزمائش سے گذرتی ہیں اسی آزمائش سے بونا اور وہ خود گذر رہی تھی۔ مگر اس وقت اس کے ذہن میں جو آرہا تھا وہ یہ تھا کہ انڈے دینے والی مرغیوں کے برعکس اس پر اور بونے پر ایک تجربہ کیا جارہا ہے۔ یہ تجربہ کہ وہ کس طرح اپنا حیاتیاتی تسلسل برقرار رکھ سکتے ہیں اور ان کے جسم پر تشدد سہنے کی کتنی علامات

ظاہر ہوتی ہیں۔ پڑوس کی عورت خون میں لتھڑے ہوئے بونے اور شن آئے کو دیکھ رہی تھی جس کے نیم مردہ ہاتھوں میں چھریاں لٹک رہی تھیں۔ سامنے والی عورت اپنی کھڑکی سے جھانک رہی تھی۔ جیسے ہی ان کی نظریں ملیں وہ عورتیں جلدی سے پیچھے ہٹ گئیں۔

''تم ٹھیک تو ہو؟ بولو، چوٹیں تو بہت آئی ہیں۔'' شن آئے نے بونے سے کہا۔

''میں ٹھیک ہوں۔'' بونا بولا۔

خون میں لتھڑا ہوا اس کا چہرہ سوج گیا تھا۔ اس نے اپنے زخمی ہونٹ مسکرانے کے لیے کھولے۔ شن آئے لرز گئی۔ اتنے چھوٹے سے جسم میں اتنی طاقت کہاں چھپی ہوئی ہے کہ وہ اتنی بڑی تکلیف برداشت کر گیا۔ اب تک وہ اور اس کا خاندان اپنے گندے علاقے، تکلیف دہ زندگی، معمولی خوراک اور جسمانی تکالیف کا مقابلہ کرتا رہا ہے۔ وہ تمام آزمائشیں سہتا رہا ہے جو مختلف شکلوں میں اس کے سامنے آتی رہی ہیں۔

بونے نے اپنے اوزار پھر تھیلے میں رکھ لیے۔ اگر پڑوس کی عورتیں ادھر نہ دیکھ رہی ہوتیں تو شن آئے زور زور سے رونا شروع کر دیتی۔

''بھائی صاحب'' شن آئے نے کہا۔ ہم بھی بونے ہیں۔ ہم نے کبھی اس پر غور نہیں کیا۔ مگر ہم آپ جیسے ہی ہیں۔ اس نے خون آلود چھری نل کی نئی ٹونٹی کے نیچے رکھ دی۔ بونا جا چکا تھا۔

اور اب اس کی بیٹی خون آلود چھری دیکھ کر پریشان ہوگئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ تھوڑی دیر پہلے وہاں کیا ہو چکا ہے۔ شن آئے نے وضاحت کرنے کی کوشش کی مگر وہ اتنی کم عمر تھی کہ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔ یہ بہت ہی پیچیدہ معاملہ تھا اسکول جانے والی لڑکی کیسے سمجھ سکتی تھی۔ لڑکی نے چھری اٹھالی تھی۔

شن آئے نے بیٹی کے ہاتھ سے چھری لی اور ایک طرف رکھ دی۔ ''بالٹی اٹھا کے لاؤ۔'' شن آئے نے بیٹی سے کہا۔

''مگر ابھی تو گیارہ ہی بجے ہیں۔'' اس کی بیٹی بولی۔ ''میں نے کہا تھا کہ پانی میں بھر لوں گی آپ جا کر سو جائیں۔''

''نہیں، آج سے ہمیں جلدی پانی ملا کرے گا۔''

''پانی کے محکمے سے کوئی آیا تھا؟''

MashalBooks.org

''وہ صرف پانی کا بل وصول کرنے آتے ہیں۔ ویسے نہیں آتے۔''

''پھر کیا ہوا؟''

''ذرا ٹھہرو، ابھی پتہ چل جائے گا۔''

''شن آئے نے گہری سانس لی۔ اس نے بونے کے زخمی چہرے کا سوچا۔''

''ماما، ہوا کیا؟۔''

''اصل میں ہم نے نئی ٹونٹی لگوالی ہے۔ اب ہمیں اس پرانی چیز کی ضرورت نہیں ہے جو زمین سے باہر نکلی رہتی تھی۔ اب ہم نئی ٹونٹی سے کام لیں گے۔''

''اچھا... تو ہمیں خوب پانی ملے گا؟''

''تمہارا کیا خیال ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

جب اس نے کہا تھا کہ پانی جلدی مل جایا کرے گا تو ہماری پڑوسنوں کو یقین نہیں آیا تھا۔

''کس نے کہا تھا؟''

''ایک آدمی تھا''

''کوئی اچھا آدمی تھا؟''

''ہاں، اچھا آدمی تھا۔''

ایک بار پھر شن آئے اکڑوں بیٹھی اور جھک گئی اس طرح اس نے اپنی بیٹی سے بالٹی لی اور نئی ٹونٹی کے نیچے رکھ دی۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ لڑھک نہ جائے لرزتے ہاتھوں سے اس نے ٹونٹی کھولی ٹونٹی سے غرغر کی آواز آئی اس نے پوری ٹونٹی کھول دی۔

اب وہ آنے والے پانی کی آواز سن رہی تھی۔

اور پھر بالٹی میں پانی گرنے لگا۔

''وہ ٹھیک کہتا تھا۔ پانی آ گیا۔''

پڑوس کے دونوں گھروں کے ٹیلی وژن لمبی ہوتی رات سے بے خبر تھے۔ اس کی بیٹی اس کے ساتھ میں بیٹھ گئی اور زور سے کچھ بولی۔ مگر شن آئے کے کان صرف پانی کی آواز سن رہے تھے۔

MashalBooks.org

41

☆☆☆

MashalBooks.org

MashalBooks.org

خلائی سفر

یون ہونے الماری سے ایک ایک کتاب نکالی۔اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ لڑکے لڑکیوں کے سامنے اتنے لجلجے کیوں بن جاتے ہیں اور لڑکیاں بھی لڑکوں کے سامنے ایسی ہی ہوجاتی ہیں۔ اسے تو جب بھی ان لڑکیوں کا خیال آتا ہے جن کے ساتھ وہ سویا ہے تو اسے قے آنے لگتی ہے۔یون ہو کو وہ لڑکیاں پسند نہیں تھیں۔ اسی لیے اس کی کوئی خوش گوار یاد نہیں تھی۔ ہر تعلق کا خاتمہ ایک ہی طرح ہوا۔ اس کا جی چاہتا تھا وہ خوب روئے۔ ہوسکتا ہے لڑکیاں یون ہو کو کمزور لڑکے کے طور پر یاد کرتی ہوں۔لیکن یون ہو اس کی پرواہ نہیں کرتا تھا۔

جو بھی کتاب وہ کھولتا اس میں سے پھپھوندی کی بو آتی۔ ہر کتاب موٹی اور بھاری تھی۔ اس کے بازو دکھنے لگے۔مگر یون ہو جانتا تھا کہ یہ تو ابتدا ہے۔ پستول ان سینکڑوں کتابوں میں کہیں آخری کتاب کے نیچے ہوگا۔ یون ہو نے سیڑھی ہٹائی اور دوسری الماری چھاننا شروع کردی۔ یکلخت اس کی آنکھوں کے سامنے چی سوپ کا چہرہ آ گیا۔ جب سے چی سوپ کو نکالا گیا تھا یون ہو یونہی بھٹک رہا تھا۔ یون ہو کے باپ کو اس کا احساس نہیں تھا۔

یون ہو کو چی سوپ پسند تھا۔ چی سوپ کا دنیا میں کوئی نہیں تھا۔نہ گھر نہ در، نہ ماں باپ، نہ بھائی، نہ اسکول نہ دوست ایسے انسان کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ وہ بالکل ہی بے فکر ہوگا۔مگر چی سوپ بے فکر نہیں تھا۔اس کی بھی ایک وجہ تھی۔لیکن یون ہو شروع میں کچھ نہیں جانتا تھا۔ یہ یون ہو کہ باپ تھے جو ایسے آدمی کو گھر لائے تھے۔وہ ایک بھکاری کو

لے آئے تھے۔ یون ہو اور اس کی بڑی بہن کا یہی خیال تھا۔ چی سوپ جب کار سے اترا تھا تو اس کی شکل دیکھ کر ہنسی آ گئی تھی۔ جون کی دھوپ بہت تیز تھی مگر کار سے جو انسان اترا اس نے جاڑوں کے گرم کپڑے پہن رکھے تھے۔ یہ کپڑے بہت پرانے جنہیں پہننا کوئی بھی پسند نہ کرے۔''

''ٹیلی فون''

''میں گھر پر نہیں ہوں۔''

''تمہاری بہن ہیں''

''کہہ دو میں گھر پر نہیں ہوں۔''

''افوہ انہیں معلوم ہے تم گھر پر ہو۔ تم وہیں سے فون اٹھالو۔''

اب یون ہو کے لیے اور کوئی چارہ نہیں تھا۔ وہ سیڑھی سے اتر آیا۔

''کیا بات ہے؟''

''ٹیسٹ کیسا رہا؟۔''

''تم کیا جاننا چاہتی ہو؟''

''افواہ' میں جانتی ہوں اچھا ہی ہوا ہو۔ کالج میں داخلے کا ٹیسٹ ہے نا۔ میرا خیال ہے مجھے دیر ہو جائے گی۔ ماما سے کوئی بہانہ بنا دینا۔''

''تم کہاں ہو؟''

''خدا حافظ۔''

''تم کس اچکے کے ساتھ ہو؟''

''کیا کہا تم نے؟''۔

یون ہو پھر سیڑھی پر چڑھ گیا اور پستول تلاش کرنا شروع کر دیا۔

بابا کا تو دماغ چل گیا ہے۔ اس کی بہن نے کہا تھا ''اس بھکاری کو کہاں سے اٹھالائے ہیں وہ؟ اب یہ تمہیں پڑھائے گا گھر میں۔ اس کے زیادہ قریب نہ جانا۔ بدبو' آتی ہوگی اس سے۔ اور ہوشیار رہنا' اس کے کپڑوں میں جوئیں بھی ہوں گی۔ ذرا اس کا بھاری بھرکم تھیلا تو دیکھو۔ پتہ نہیں کیا کیا بھرا ہے اس میں۔''

''میں اس کی مدد کرنے جاتا ہوں۔''

MashalBooks.org

''اوہو' ایسا نہ کرنا۔''

''مجھے تو وہ اچھا لگ رہا ہے۔''

''کیا ...؟''

''مجھے تو وہ ٹھیک لگ رہا ہے۔آخر بابا میرے لیے اچھا استاد لے آئے ہیں۔''

''تمہارا تو دماغ خراب ہوگیا ہے۔تم دونوں پاگل ہو۔''

''چی سوپ کو نکلوانے میں یون ہو کی بہن کا بڑا ہاتھ تھا۔ پہلے دن سے ہی وہ اس کے خلاف ہوگئی تھی۔ اسے چی سوپ کی کوئی چیز بھی پسند نہیں تھی۔وہ خوبصورت نہیں تھا اور نہ جسمانی طور پر اس میں کوئی کشش تھی۔ اس کے علاوہ اس کے خیالات بھی بہت ہی پیچیدہ اور اونچے تھے۔اگر وہ اسے سمجھاتا تو اس کی سمجھ میں آئے۔مگر اس نے شروع سے ہی یون ہو کی بہن کو نظر انداز کیا۔وہ خوش شکل تھی بلکہ قد قاٹھ میں خوبصورت بھی تھی۔ لمبے اور دبلے پاؤں' سفید بازو' بھرا ہوا سینہ' اور بڑی بڑی کالی آنکھیں۔ اچھے لباس میں وہ ایسی لگتی تھی کہ کوئی بھی اسے دیکھ کر اس کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوجاتا۔لیکن چی سوپ کو پرواہ تک نہیں تھی۔

چی سوپ نے ایک بار بھی اسے عورت سمجھ کر نہیں دیکھا۔اور نہ اس نے چی سوپ کو مرد کی حیثیت سے دیکھا۔خاص بات یہ تھی کہ یون ہو چی سوپ کو پسند کرتا تھا۔ چی سوپ یون ہو کو صرف وہی پڑھاتا تھا جو وہ پڑھنا چاہتا تھا۔ چی سوپ ایک کتاب پڑھتا تھا جس کا نام تھا۔''آج سے دس ہزار سال بعد کی دنیا'' روزانہ وہ یہ کتاب پڑھتا تھا۔ اور اکیلے میں پڑھتا تھا۔یون ہو کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ دس ہزار سال بعد اس دنیا کا کیا ہوگا۔ اس کا مسئلہ کالج میں داخلے کا امتحان تھا جو چند ماہ بعد ہونے والا تھا۔ یہ امتحان بہت سخت تھا۔تمام مضامین مشکل تھے۔

یون ہو چاہتا تھا کہ ان مضامین کی خوب تیاری کرلے تاکہ وہ اسے یونیورسٹی کے سوشل سائنس کے شعبے میں داخلہ مل جائے۔ پورے ملک سے ڈھائی لاکھ طلبہ کالج جانا چاہتے تھے اور تمام یونیورسٹیوں میں ساٹھ ہزار کے قریب طلبہ کے لیے ہی گنجائش تھی۔ اس حساب سے اگر دیکھا جائے تو چار میں سے ایک کو ہی داخلہ مل سکتا تھا۔لیکن اگر زیادہ غور کیا

جائے تو حالات خاصے مشکل تھے۔

یونیورسٹی کے سوشل سائنس کے شعبے میں پانچ سو تیس طلبہ داخل ہو سکتے تھے۔ بہترین طالب علم دن رات محنت کر رہے تھے۔ یون ہو کو پانچ سو طلبہ سے مقابلہ کرنا تھا۔ اس کے باپ کی خواہش تھی کہ وہ اس مقابلے میں حصہ لے۔ شروع میں لگتا تھا کہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ظاہر ہے چی سوپ جو موجود تھا۔ یون ہو جب پڑھ رہا ہوتا تو چی سوپ ''دس ہزار سال بعد کی دنیا والی کتاب پڑھتا رہتا۔ یون ہو کو چی سوپ پر پورا بھروسہ تھا۔ چی سوپ کو اے یونیورسٹی لا کالج کے آخری سال میں وہاں سے نکال دیا گیا تھا۔ یون ہو کو اس کی وجہ معلوم نہیں تھی۔

''مجھے بتایئے اس بارے میں''

''کس بارے میں؟''

''آپ کو کیا ہوا تھا''

''میں نے انہیں اپنی رائے بتائی تھی۔ اور کسی نے پیچھے سے میرے لوہے کا پائپ مارا۔ میں بیہوش ہو گیا۔

''کیا مطلب؟''

ان دنوں بہت سی ایسی باتیں تھیں جو یون ہو نہیں جانتا تھا۔ ان دنوں کا یون ہو یعنی ایک سال پہلے کا یون ہو کسی بچے سے مختلف نہیں تھا۔ چی سوپ یون ہو کے دادا کے ایک دوست کا پوتا تھا۔ دونوں کے دادا مر چکے تھے۔ چی سوپ کے دادا دس سال سے زیادہ اپنے خاندانی گھر سے دور رہے تھے۔ وہاں ان کے حالات بہت برے تھے۔ وہ جو اور باجرہ کھا کر گذارا کرتے تھے۔ وہ سنگل پلائی کے سوتی کپڑے کی فوجی وردی پہنتے تھے جو گھاس کوٹ کر بنائے ہوئے رنگ سے رنگی ہوئی تھی۔ ہر روز وہ انسانوں کو مرتا دیکھتے تھے۔ انہوں نے جاپانی سپاہی مارے تھے۔ انہوں نے دس سال یخ بستہ موسم میں جو مار دھاڑ کی زندگی گذاری تھی اس سے انہیں کیا حاصل ہوا؟ کچھ نہیں۔ وہ اپنے گھر لوٹ آئے۔

''بیٹے۔'' ان کی ماں نے کہا تھا۔''ملٹری پولیس آ رہی ہے۔ وہ تمہیں لینے آ رہے ہیں''۔

MashalBooks.org

''ماما' مجھے یہاں رہنے دو۔''

''اچھا۔ میں بھی بہت تھک گئی ہوں۔''

وہ پہلی مرتبہ تھی جب انہیں گرفتار کیا گیا۔ انہوں نے پہلا کام یہ کیا کہ انہیں زبردستی پانی پلاتے رہے۔ ان کا پیٹ پھول گیا۔ اور بڑے ڈرم کی طرح نظر آنے لگا۔ ان کی سانس رکنے لگی اور وہ گر گئے۔ سارا دن وہ طرح طرح سے ان پر تشدد کرتے رہے۔ وہ خون میں نہا گئے تھے۔ ان کی ہڈیاں ٹوٹ گئی تھیں۔ انہیں تشدد والی کوٹھری سے باہر نکالا گیا تو ان کے منہ سے پانی کے فوارے نکل رہے تھے۔ انہوں نے ان کی ٹوٹی ٹانگوں پر زنجیر باندھی اور ایک کوٹھری میں ڈال دیا۔ یہی نہیں بلکہ گارڈز نے اکٹھے ہوکر انہیں پھر مارا پیٹا۔ انہوں نے کوٹھری میں کیڑے مکوڑے چھوڑ دیے جو ان کے ننگے بدن پر چڑھ گئے۔

ملٹری پولیس مختلف تھی۔ وہ ان کے خاندانی گھر میں زبردستی گھس گئی اور اندھا دھند گولیاں چلانا شروع کردیں۔ ان حالات میں وہ اپنے بیٹے کو صحیح تعلیم بھی نہیں دلا سکے۔ چی سوپ جو ان کے بیٹے کا بیٹا تھا نہیں جانتا تھا کہ اس کے دادا کیا چاہتے تھے۔ یون ہو اسے پسند کرتا تھا۔

''میں ڈوڈو چڑیا ہوں۔'' چی سوپ نے کہا تھا۔

یون ہو نے یہ نام کبھی نہیں سنا تھا۔ ''یہ کیسی چڑیا ہوتی ہے؟''

''یہ چڑیا بحرہند کے جزیرہ ماریشس میں ہوتی تھی۔ اسے اپنے پر استعمال کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ اس لیے اس کی نسل ہی خراب ہوتی چلی گئی۔ آخر میں وہ اڑنا ہی بھول گئی تھی۔ پھر آخری چڑیا تک لوگوں نے پکڑلی۔ اب وہ نسل ہی ختم ہوگئی۔''

چی سوپ ایسا آدمی نہیں تھا جو یون ہو سے کوئی بے معنی لفظ کہے۔ جب یون ہو اسکول میں تھا تو چی سوپ گندے نالے کے قریب جھونپڑی میں رہتا تھا۔ یون ہو کے مکان کی تیسری منزل سے نالے کے پاس یہ جھونپڑیاں نظر آتی تھیں۔ ان کے ساتھ ہی اینٹوں کے بھٹے کا دھواں اٹھ رہا ہوتا تھا۔ چی سوپ کہتا تھا کہ وہاں اس کی ملاقات خلائی مخلوق سے ہوتی تھی۔ یون ہو یہ سن کر ہنسا تھا۔ چی سوپ آسانی سے ہار ماننے والا نہیں تھا۔ وہ یون ہو کو باہر لے گیا اور کہا کہ وہ اس مخلوق اور اس کے خاندانوں سے اسے ملائے گا۔

MashalBooks.org

آسمان پر بڑا سا چاند نکلا ہوا تھا' کئی گھروں میں چھوٹے بچے رو رہے تھے۔ وہاں عجیب سی بو آ رہی تھی۔ کوئی آدمی نالے میں کشتی چلا رہا تھا۔ چھ مرتبہ یون ہو کو نشے میں دھت پڑے ہوئے آدمیوں کے اوپر سے گذرنا پڑا۔ نالے کے کنارے بونے کا خاندان رہتا تھا۔ ان کے چھوٹے سے صحن کے ساتھ نالے کی لہریں ٹکراتی تھیں۔ بونا صحن میں بیٹھا اپنے اوزار صاف کر رہا تھا۔ پائپ کٹر' منکی رینچ' ساکٹ رینچ' پیچ کش' ہتھوڑا' ٹونٹیاں' کیلیں اور پیچ' ٹی جوائنٹس' ٹی ہوائنٹس' یو جوائنٹس' یہ اس کے اوزار تھے۔ اور کچھ نہیں تھا۔

وہ اوزار چاندنی میں بونے کی طرح ہی نظر آ رہے تھے۔ ریڈیو خراب ہو گیا تھا اور اس کا بیٹا ہائی اسکول مواصلاتی لیکچر اس پر سننے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھولوں کی ننھی منی کیاری کے ساتھ کھڑی اسکی بیٹی گٹار بجا رہا تھی جس کا ایک تار ٹوٹا ہوا تھا۔ کیاری میں پینزی کے پھول کھلے ہوئے تھے۔ بونا اور اس کے بچے جو چیز بھی استعمال کرتے تھے وہ کباڑیوں کی دکان سے خریدی گئی تھیں۔

بونے کی بیوی دست کاریوں کی فیکٹری میں گڑیا بنانے کا کام کرتی تھیں۔ دن بھر وہ گڑیوں کے کپڑے سیتی اور گڑیوں کو پہناتی تھی۔ وہ ایک سو گڑیوں کے ایک سو کپڑے سیتی تھی۔ پھر گھر آ کر وہ کھانا پکاتی۔ وہ ڈیڑھ کپ جو پانی میں صاف کرتی' چولہے پر رکھتی اور ابالتی پھر آلو کے چھ ٹکڑے ان پر رکھ کر سب کو کھلاتی۔ بونا اور اس کا خاندان برآمدے میں شام کا کھانا کھاتا تھا۔ چی سوپ نے برآمدے کے کنارے سے کاغذ کا ایک ٹکڑا اٹھایا۔ یہ ٹکڑا اس نے یون ہو کو دیا۔ یون ہو نے ایک ایک لفظ پر غور کرتے ہوئے اسے پڑھا۔ ''تعمیرات کے نئے علاقے میں آبادی کا انہدام۔''

بونا اور اس کے گھر والے کچھ نہ بولے۔ بچے روتے رہے۔ ہوا میں وہ عجیب بدبو پھیلی رہی۔ اس رات یون ہو نے کتابیں نہیں پڑھیں۔ چی سوپ نے بھی اپنی کتاب نہیں پڑھی۔ پہلی بار اس نے چاند پر موجود زندگی کے بارے میں باتیں کیں۔ اس نے کہا چاند کی دنیا پاکیزہ دنیا ہے۔ اس کی دنیا پاکیزہ نہیں ہے۔ یون ہو نے چی سوپ کو وہ بتایا جو اس نے کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر انسان نے چاند کو رہنے کے قابل بنا بھی لیا تو جو لوگ وہاں جائیں گے انہیں بنجر زمین ہی ملے گی۔ ماحول اکتا دینے والا ہوگا اور زہرہ کی زندگی سخت

تکلیف دہ ہوگی کہ آپ جب تک تکلیف دہ اسپیس سوٹ نہیں پہنیں گے اس وقت تک اپنے اڈے سے باہر ہی نہیں جاسکیں گے۔ اس سوٹ میں ذرا سا بھی سوراخ ہوا نہیں کہ آپ کی زندگی ختم۔ اسی طرح اگر آپ نے گھڑی دیکھنے میں ذرا سی بھی غلطی کی تو آپ گئے۔ گھڑی خراب ہوئی تو آپ اپنی آکسیجن کا اندازہ نہیں لگا سکیں گے اور مرجائیں گے رات تین سوچون دن کی ہوگی۔ یا یوں سمجھ لیجیے کہ وہ زمین کے چودہ دن کی ہوگی۔۔۔'' لیکن۔۔۔'' چی سوپ نے سر جھٹکتے ہوئے کہا تھا اس وقت بہت سی ایسی باتیں تھیں جو یون ہو نہیں جانتا تھا۔ اس لیے وہ اپنی توجہ صرف سائنسی حقائق تک ہی رکھتا۔ چی سوپ نے مسکراتے ہوئے خلا میں فلکیاتی مشاہدات پر بات جاری رکھی۔

اس نے کہا کہ چاند پر جو رصدگاہ بنائی جائے گی اس میں کام کرنے والے بہت خوش ہوں گے۔ اس کے نزدیک چاند ایک سنہری دنیا ہے۔ وہ ایک الگ ہی دنیا ہے۔ دنیا میں جو واقعات پیش آئے ہیں وہ بہت ہولناک ہیں۔'' اس کی کتاب کے مطابق دنیا میں جو زمانے گذرے ہیں وہ سب بے کار رہے ہیں۔ عہد اور وعدے توڑے گئے' دعائیں قبول نہیں ہوئیں' آنسو یونہی بہتے رہے' امنگیں اور آرزوئیں دبادی گئیں اور کوئی توقع پوری نہیں ہوئی۔ سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ لوگ اپنے خیالات کی وجہ سے تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ چی سوپ ڈوڈو چڑیا کے بارے میں اور بھی باتیں کرنا چاہتا تھا مگر وہ خاموش ہوگیا۔ اس رات یون ہو نے خواب دیکھا کہ ایک خلائی انسان اس کی کھڑکی کے نیچے آیا ہے اور کھڑکی کا شیشہ کھٹ کھٹا رہا ہے۔ اس نے یہ بھی دیکھا کہ بونا اینٹوں کے بھٹے کی چمنی پر چڑھ گیا ہے۔ اور کاغذ کے ہوائی جہاز بنا کر اڑا رہا ہے۔ دوسرے دن کلاس میں اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آرہا تھا۔

یون ہو آخری سیڑھی پر رک گیا۔ اس نے چی سوپ کو جاتے نہیں دیکھا تھا۔ اس نے ڈرائیور کو کار کی پچھلی سیٹ سے خون صاف کرتے دیکھا تھا۔ اس نے نوکر کو دیکھا تھا کہ وہ صدر دروازے کے باہر راستے پر پڑے خون کے دھبے دھو رہا ہے۔

''چڑیل'' اس نے سیڑھی پر سے ہی کہا۔

''اچھا ہوا'' اس کی بہن بولی۔ وہ پائپ کے ذریعہ راستے پر پڑا ہوا خون دھوتے

ہوئے دیکھ رہی تھی۔'' یہ تمہارے لیے اچھا ہوا۔۔۔ بابا گھر آئے اور انہوں نے اس سے جان چھڑائی۔''

''کیسے؟''

''کیسے؟'' اس کی بہن نے کہا۔''اس نے تمہاری پڑھائی خراب کردی تھی۔''

''کس نے خراب کی تم کیا جانتی ہو جو ایسی باتیں کررہی ہو۔''

''چپ رہو تم کچھ نہیں جانتے۔ خوامخواہ تم اپنے آپ کو بڑا سمجھ رہے ہو۔ تمہیں تو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ وہ جیل میں بھی رہ چکا ہے۔''

''اس سے میری پڑھائی کا کیا تعلق ہے۔''

''یہ خون دیکھ رہے ہو؟۔''

''یہ تم دیکھو چڑیل۔''

''افوہ ...''

''اب اس کے بارے میں بات نہ کرنا۔ تمہیں تو ہر وقت لڑکوں کی ہی پڑی رہتی ہے ان سے تعلقات کی قیمت تم جانتی ہی کیا ہو۔ ہر وقت بک بک کرنے والی۔''

اس سال یون ہو کالج کے ٹیسٹ میں بری طرح ناکام ہوگیا۔ جس یونیورسٹی کے لیے اس کے باپ اصرار کرتے تھے وہ شروع سے ہی ٹھیک نہیں تھی۔ چی سوپ کو نکالنے کے بعد اس کے باپ یون ہو کو پڑھانے کے لیے کئی اور ماہر استاد لائے۔ ان میں سے ہر ایک اپنی کار میں آتا اور یون ہو کو پڑھا کر دوسرے طالب علموں کو پڑھانے چلا جاتا۔ یون ہو کے باپ سمجھتے تھے کہ اگر وہ انگریزی، ریاضی، اور کورین ادب کے پڑھانے والے استادوں کو دو لاکھ ''وون'' (کوریا کی کرنسی) ماہانہ یا مجموعی طور پر چھ لاکھ وون دیدیں تو یون ہو کا گریڈ اچھا ہوجائے گا۔ اس کے باپ وکیل تھے اس لیے یہ بات ان کے لحاظ سے عجیب سی تھی۔ وہ اپنی کتابوں میں چھپا کر پستول رکھا کرتے تھے۔ ان کے پرسنل سیکریٹری نے خونم خون چی سوپ کو اٹھا کر کار میں ڈالا تھا۔ کسی کو بھی معلوم نہیں تھا کہ ڈرائیور اسے کہاں لے گیا اور کوئی یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ بلدیہ نے جب بونے کا گھر گرانا شروع کیا تو چی سوپ وہاں کیا کررہا تھا۔ بونے کے گھر کی شمالی دیوار پہلے گرائی گئی تھی۔ چی سوپ خون میں لت پت وہاں سے

آیا تھا۔ یون ہو نے ماہر استادوں سے پڑھا پھر بھی وہ فیل ہوگیا۔ بہر حال پڑھنے والا تو وہی تھا نا۔ اس کی امید بھی یونیورسٹی کے شعبہ تاریخ سے لگی ہوئی تھی۔ اس کے باپ نے اس کی امید بڑھانے کے لیے اس کی پیٹھ پر تھپکی دی تھی۔ اور کہا تھا کہ مرد کو ناامید نہیں ہونا چاہیے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ناکامی مستقبل کی کامیابیوں کے لیے کھاد کا کام دیتی ہے۔

یون ہو تیسری منزل سے بھاپ کی سرسراہٹ سن رہا تھا تو اس نے برف سے ڈھکے ہوئے میدان کو دیکھا۔ بونے کا پڑوس غائب ہو چکا تھا یون ہو نے سیڑھی ہٹائی اور دوسری الماری کی کتابیں کھکھوڑنا شروع کر دیں۔ ''چڑیل۔'' اس نے کہا۔ اس نے سوچا کہ اس کی بہن اس وقت کیا حرکت کر رہی ہوگی۔ وکیل کا پستول اسے نہیں مل رہا تھا۔ یون ہو کو خیال آیا کہ اب وہ بچہ نہیں ہے۔ اب وہ کالج میں داخلے کا امتحان دے رہا ہے۔ اس کے باپ نے اسے ان لوگوں کے حلقے میں شامل کرادیا ہے۔ جہاں صرف دعوت نامے کے ذریعہ ہی داخل ہوا جاسکتا ہے۔ دن میں وہ گروپ طلبہ سے ٹھسا ٹھس بھرے ہوئے اسکول جاتے اور رات کو سیجونگ چوک پر ہان دریا کے کنارے وسیع و عریض پینٹ ہاؤس کی دسویں منزل کے ایک فلیٹ میں پڑھائی کرتے۔ دنیا میں ایسی کوئی بھی بات نہیں تھی جو انگویو نہ جانتا ہو۔ ایک دن وہ ننھے شیطان کی طرح یون ہو کے پاس آیا۔

''ہمارے ساتھ شامل ہوگے؟'' انگویو نے پوچھا۔

''کاہے میں شامل ہونا ہے۔''

''ایک کلب میں جہاں ہم جانوروں کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں۔ ہمارے پاس دوسو رنگین سلائیڈ ہیں۔''

''جانوروں کے بارے میں؟ میں نے کبھی نہیں سنا۔''

''کلب میں شامل ہوجاؤ۔ خود دیکھ لو گے۔''

''میں سوچوں گا۔ تم نے ڈوڈو چڑیا کے بارے میں کچھ سنا ہے؟''

''وہاں لڑکیاں بھی ہوں گی۔''

''ڈوڈو چڑیا کے بارے میں کچھ نہیں سنا؟''

''اوہو ... ہم جہاں اکٹھے ہوتے ہیں وہاں پرندے نہیں ہوتے۔'' انگویو اپنے اطوار

وعادات میں چی سوپ کے بالکل برعکس تھا۔ اتوار کی رات کو کلب کا جو اجلاس ہوتا اس میں وہ بہت شیخیاں بگھارتا تھا۔ وہ انگویو کی پڑھائی کے بارے میں معلوم کرنے کے لیے اس کے ماں باپ مہینے میں دوبار پوسان سے ہوائی جہاز میں سیول آتے تھے۔لڑکے جو حرکتیں کرتے تھے نوکر کو بالکل معلوم نہیں ہوتا تھا۔لڑکے ہال کے آخر میں ایک کمرے میں چلے جاتے۔ اس دن یون ہو نے ایک لڑکے کو دیکھا کہ اس نے ایک چھوٹا سا ڈبہ اٹھایااور اپنی ناک اس کے اندر کردی۔ کچھ سونگھا اور پھر چت لیٹ گیا۔انگویو نے پروجیکٹر لگایا اور چلانا شروع کردیا۔لڑکوں نے سانس روک لی۔ ڈبے میں گلو تھی۔ ایک اور لڑکے نے ڈبہ اٹھایا اور اپنی ناک اس کے اندر کردی۔

ان گویو نے غلط نہیں کہا تھا اس کے پاس رنگین سلائیڈ تھیں۔ وہ ڈنمارک کی بنی ہوئی تھیں۔

بہت ہی سنسنی خیز۔مگر یون ہو آخر تک نہیں دیکھ سکا۔ وہ ڈرائنگ روم میں گیا اور اپنا بیگ اٹھایا ایک لڑکی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ یون ہو نے لفٹ میں پہلی بار اون ہوئی کو دیکھا۔ وہ کلب کی سب سے پاکیزہ اور معصوم لڑکی تھی۔

''میں سمجھ گیا۔'' یون ہو نے کہا۔

''کیا سمجھ گئے؟۔''

''میں جانتا ہوں تم کیوں فیل ہوئیں۔''

''اچھا؟ کیوں؟۔''

''ایک خلائی مخلوق آئی اور تمہاری جوابی کاپیاں اٹھا کر لے گئی۔''

''اچھا ...ایسا ہوا؟۔'' اون ہوئی بولی وہ مسکرائی بھی نہیں۔

''مگر وہ میری کاپیاں کیوں لے گئی؟۔''

یون ہو خاموش رہا۔لفٹ سے اتر کر وہ کار کی طرف جانے لگی تو یون ہو نے کہا۔

''خلائی مخلوق ...''۔

اون ہوئی ٹھہر گئی۔

''...اسے پہلے ہی معلوم تھا کہ میں فیل ہوگیا ہوں۔''

MashalBooks.org

اون ہوئی نے ایک لمحے کو کچھ سوچا اور پہلی مرتبہ مسکرائی۔ وہ اپنی کار کی طرف گئی۔ یون ہونے سوچا کہ کاش چی سوپ سے اون ہوئی کے بارے میں بات کرسکتا۔ وہ بہت ہی خوبصورت تھی۔ یون ہونے محسوس کیا کہ وہ دسویں منزل کے کمرے میں اون ہوئی کو دیکھنے ہی جاتا ہے۔ ورنہ وہ وہاں جانا چھوڑ دیتا۔ وہاں جو لوگ پڑھانے آتے تھے۔ وہ خوب کمائی کررہے ہیں۔ ہر سنیچر کی رات کو کالج کے استاد وہاں آتے تھے۔ وہ کالج میں داخلے کے ان امیدواروں کو پڑھاتے تھے جو ایک بار فیل ہوگئے تھے۔ وہ اندازہ لگاتے تھے کہ آئندہ امتحان میں کس قسم کے سوال آئیں گے۔ اوروہ انہی کی تیاری کراتے۔ یون ہونے ایک سال وہاں گذرا۔ چی سوپ وہاں نہیں تھا۔ وہاں صرف اون ہوئی ہی تھی۔

یون ہو کا دماغ کام نہیں کررہا تھا۔ اس لیے وہ سیڑھی سے اتر آیا وہ نچلی منزل پر گیا۔

''آنٹی..'' اس نے ملازمہ کو آواز دی۔'' پوک سن کہیں گئی ہوئی ہے؟''

''اس کی ماں گاؤں سے آئی تھی۔ کہہ گئی ہے کہ دس بجے تک آجائے گی۔''

''اچھا ...تو آپ کیوں نہیں جاتیں۔ آپ کے بچے آپ کو یاد نہیں کرتے؟''

''کوئی بات نہیں میں پھر چلی جاؤں گی۔''

''اب کیوں نہیں چلی جاتیں۔ بہن نے کہا ہے کہ وہ دیر سے آئے گی۔ اور بابا کا پتہ نہیں وہ دیر سے آتے ہیں یا ہوٹل میں ہی ٹھہر جائیں گے۔ آج کل انہیں بہت کام ہے ہر روز ان کی میٹنگ ہوتی ہے۔ آپ نے ٹی وی خبریں نہیں دیکھیں؟۔

''تم اکیلے رہ لوگے؟''

انگویو وہاں تھا۔ انگویو بہت شریر تھا۔ وہ سب کچھ جانتا تھا اتوار کی سہ پہر کو وہ نیم تاریک ہوٹل گیا۔ وہاں کان پھاڑنے والے گانے بجتے رہتے تھے۔ یون ہو انگویو کے لیے معمہ بن گیا تھا۔ اس لیے وہ اسے خوش کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ دوسرے لڑکے لڑکیوں کی طرح انگو یو بھی موسیقی پر جھوم رہا تھا۔ یون ہونے میز کے نیچے سے سامنے بیٹھی لڑکی کا گھٹنا چھوا۔ لڑکیاں اور لڑکے ایک دوسرے کے ساتھ گھٹنے ملا رہے تھے۔ یون ہو وہاں زیادہ نہیں بیٹھا۔ سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی نے اسے شراب کی پیش کش کی۔ انگویو نے اس لڑکی کو اپنی طرف کھینچا اور اس کے کان میں کچھ کہا۔ یون ہوکھڑا ہوگیا۔ لڑکی اس کے پیچھے آئی اور

اپنا بازو اس کے بازو میں دے دیا۔ وہ اور قریب آ گئی یون ہو اس رات اس لڑکی کے ساتھ سویا۔ اگر چی سوپ وہاں ہوتا تو وہ اس بارے میں اس سے بات کرتا۔ بونے کی لڑکی ٹوٹے ہوئے تاروالا اپنا گٹار پھولوں کی کیاری کے پاس بجایا کرتی تھی۔اور وہ کیاری ہتھیلی کے برابر تھی۔ یون ہو ایک چھوٹے سے اداس ہوٹل میں گیا۔ وہ اسی ہوٹل میں دوسری لڑکیوں کے ساتھ بھی سوتا تھا۔انگویو نے سوچا کہ اس نے یون ہو کو رام کرلیا ہے۔

''میں ڈرتی ہوں کہ کہیں خلائی مخلوق پھر نہ آجائے۔'' اڈن ہوئی کو یون ہو کے اندر پیدا ہونے والی تبدیلیوں کا اندازہ ہوگیا تھا۔'' میرا خیال ہے وہ مخلوق میری جوابی کاپیاں پھر چوری کرلے گی۔

''چھوڑو اسے۔'' یون ہو نے کہا تھا۔''تم جانتی ہو میں کیا کرتا رہا ہوں جانتی ہو؟''

''ہوں کہا؟''

''تمہارے لیے سب ٹھیک ہوجائے گا۔''

''سچی بات بتاؤ۔''

''میری انگلیاں گنو۔میں اتنی لڑکیوں کے ساتھ سوچکا ہوں۔''

''میں جانتی ہوں۔''

تم نے ڈوڈو چڑیا کا کبھی سنا ہے؟۔ وہ اپنے پر استعمال نہیں کرتی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے اڑنے کی طاقت ختم ہوگئی۔ پھر وہ اڑ نہ سکی اور اس کی نسل ہی ختم ہوگئی۔ میں وہی ڈوڈو چڑیا ہوں۔ اچھی بات تو نہیں ہے مگر تم بھی وہی ہو۔''

''میرے سوال کا جواب دو۔کیا تم سمجھتے ہو کہ خلائی مخلوق میری جوابی کاپیاں چوری کرلے گی؟۔''

''میں نے کہا نا۔تمہیں کچھ نہیں ہوگا۔''

''تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟''

میں کسی کی تلاش میں ہوں۔ اپنے ہیونگ چی سوپ اور اس کے دوست بونے کے لیے۔'' تم نہیں جانتی میں کیا چاہتا ہوں۔''

''ٹھیک کہتے ہو۔میں کچھ نہیں جانتی۔''

MashalBooks.org

یون ہو پھر سیڑھی پر چڑھ گیا اور کتابیں نکالنے لگا۔اس کا دماغ ایک ہی کام پر لگا ہوا تھا۔ اس نے اون ہوئی کا سوچا اور اسے اپنے دل پر بوجھ سا محسوس ہوا۔ جب اس نے اون ہوئی کو بتایا تھا کہ وہ لڑکیوں کے ساتھ کیا کرتا رہا ہے تو اس نے آنسو بھری آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔ جو بات وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا وہ یہ تھی کہ جب وہ کسی لڑکی کو چھوتا تو اسے روتی ہوئی یاد آجاتی۔ رنگین سلائیڈ دیکھتے ہوئے بھی اسے وہ یاد آتی تھی۔ اس کے باوجود اون ہوئی کے ساتھ وہ کچھ نہیں کرسکا۔ جب بھی وہ اس کے ساتھ کوئی احمقانہ حرکت کرنے کی سوچتا تو اسے اون ہوئی کے باپ کی حیثیت اور اپنے باپ پر پڑنے والے اثرات کا خیال آجاتا۔اگر اون ہوئی اتنی حقیقت پسند ہوتی تو یون ہو اسے معاف کردیتا۔ یون ہو کے باپ کچھ نہیں جانتے تھے۔ چی سوپ کے نکالے جانے کے بعد سے یون ہو غلط راستے پر پڑ گیا تھا۔ کالج میں داخلے کے ٹیسٹ میں چند دن رہ گئے تھے تو اس کے ماہر استادوں نے اس کا آخری ٹیسٹ لیا تھا۔ داخلے ٹیسٹ پر سب کی توجہ تھی۔ کیونکہ اس ٹیسٹ کے بعد ہی کالج میں داخلہ ملتا تھا اور یہ فیصلہ ہوتا تھا کہ طالب علم کس یونیورسٹی میں جائے گا۔اے یونیورسٹی یا کسی بھی یونیورسٹی میں داخلے کے لیے اس ٹیسٹ کے تیس فیصد مارکس مل جاتے تھے۔ ٹیسٹ کے لیے انگویو اور یون ہو ایک ہی کمرے میں بیٹھے تھے۔ وہ ایک دوسرے کے قریب تھے۔

''یہ نہ سوچنا کہ میں برالڑکا ہوں۔'' انگویو بولا یہ پہلی بار تھی کہ وہ سنجیدگی کے ساتھ بات کررہا تھا۔''میں جانتا ہوں' تمہارے اون ہوئی کے درمیان کیا چل رہا ہے۔''

''پھر؟''

''تم جانتے ہو میں بھی اون ہوئی کو پسند کرتا ہوں۔ جانتے ہونا؟''

''پھر؟''

''ابھی تک تمہاری سمجھ میں نہیں آئی میری بات۔ اور یہ بات کہ میں اسے پسند کرتا ہوں تم دونوں کے لیے کوئی معنی رکھتی ہے ٹھیک؟''۔

''تم اس کا جواب چاہتے ہو؟''

''ابھی میری بات پوری نہیں ہوئی۔ اگر تم میری مدد کرو تو میں اون ہوئی سے الگ ہوجاؤں

گا۔''

''کیسے؟۔''

''طریقہ یہ ہوگا۔ تم اپنے جوابوں کی کاپی مجھ سے نہ چھپانا۔صحیح جوابوں پر نشان لگا دینا۔کا' نا' تایارا۔سمجھے؟۔بس میں یہ مدد چاہتا ہوں۔''

یون ہو کیا کہہ سکتا تھا۔بونے کا بیٹا ریڈیو لگا رہا تھا اس نے یہ نیلامی والے بازار سے خریدا تھا۔

ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔یون ہو سیڑھی سے اترا۔ پہلے وہ جھکا پھر ریسیور اٹھالیا۔ اس نے سوچا وہ شاید اس کے باپ کی سیکریٹری ہوگی جو بتا رہی ہوگی کہ اس کے باپ مصروف ہیں۔ اور رات ہوٹل میں گذاریں گے۔اس کا یہ خیال صحیح نہیں تھا۔ ٹیلی فون پر اون ہوئی تھی۔کوئی گرم گرم سی چیز سینے سے اٹھی اور اس کے حلق میں پھنس گئی۔

''ہیلو۔'' اون ہوئی نے کہا۔''ہیلو۔'' یون ہو نے ریسیور رکھ دیا۔ وہ کرسی میں گر گیا۔ ابھی آدھی کتابیں دیکھنا رہ گئی تھی۔اس کے باپ نے لوگوں پر رعب ڈالنے کے لیے کتابیں رکھی تھیں۔ جلدی سے وہ پستول تلاش کر لینا چاہیے۔ یون ہو نے سوچا ٹیلی فون کی گھنٹی پھر بجی یون ہو نے نظر انداز کر دیا۔ اس نے سیڑھی ایک طرف رکھی۔جتنی بھی کتابیں ہاتھ آسکتی تھیں اس نے غصے میں اٹھالیں۔ ان میں سے ایک کتاب میں پستول رکھا تھا۔ وہ کتاب عالمی تاریخ کی کتابوں کے درمیان رکھی تھی۔اس کے باپ نے بلیڈ سے ورق کاٹ کر کتاب میں جگہ بنائی تھی اور اس میں پستول چھپایا تھا۔ وہ بہت ہی چھوٹا سا پستول تھا۔یون ہو نے دیکھا کہ گولیاں بھری ہوئی ہیں۔ابھی میں اس کی ایسی تیسی کرتا ہوں۔

اس نے بکھری ہوئی کتابیں ان کی جگہ پر رکھیں اور روشنی بجھادی۔ وہ ڈرائنگ روم سے باہر آیا ہی تھا کہ دروازے کی گھنٹی بجی۔یون ہو ٹھٹھک گیا۔گھنٹی بجے جا رہی تھی۔اسے بہر حال دیکھنا تھا کہ کون ہے۔اسے رونا آرہا تھا۔اون ہوئی بہت ہی خوبصورت تھی۔ پچھلے سال بھی داخلے کے امتحان کے دن برف پڑی تھی۔برف اون ہوئی کے بالوں پر اور کوٹ پر پڑی تھی۔ یون ہو نے اپنی جیب میں رکھے ہوئے پستول کو چھو کر دیکھا۔

''میں تمہیں پانچ منٹ دیتا ہوں۔ بیٹھ جاؤ۔۔۔پھر چلی جانا۔''

یون ہو نے کہا۔

''یہ تمہارا کمرہ ہے؟۔'' اون ہوئی نے پوچھا۔اچھا۔۔۔اس کی ماں نہیں ہیں۔عورتوں والی حس نے اسے بتایا۔ وہ یون ہو کے پاس آئی۔ وہ کھڑکی سے باہر دیکھ رہا تھا۔

''فکر نہ کرو، میں اکیلی ہوں۔'' اس نے کہا۔

''تمہارے پانچ منٹ ختم ہوگئے۔''

''تمہارا ٹیسٹ کیسا رہا؟''

''خاموش رہو اون ہوئی۔ چلی جاؤ یہاں سے۔''

''وہ سب انگویو کے فلیٹ میں چلے گئے ہیں۔ میں جانتی تھی کہ تم نہیں گئے ہوگے۔ اور میں اس وقت تک نہیں جاؤں گی۔ جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے تم مجھ سے کیوں بھاگتے ہو۔''

''چلی جاؤ''

''میں نہیں جاؤں گی۔''

''اگر تم نہ گئیں تو میں تمہیں مار ڈالوں گا۔''

''تمہارا جو جی چاہے کرو۔''

''میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔'' یون ہو نے کہا اور پستول نکال لیا۔ اس نے پستول اون ہوئی کے سینے پر رکھ دیا۔

''اچھا۔۔۔اون ہوئی نے مری ہوئی آواز میں کہا۔

''تم نہیں جانتیں یون ہو بولا۔'' انگویو جو چاہتا تھا میں نے وہی کیا۔

''انگویو کیا چاہتا تھا؟''

''تمہیں''

''ایسی باتیں نہ کرو''

''اس نے کہا تھا اگر میں امتحان میں اس کی مدد کروں تو وہ تمہیں چھوڑ دے گا۔ آج میں نے وہ کیا۔''

اون ہوئی چند لمحے کچھ نہ بولی پھر کہا ''پستول رکھ دو۔۔۔خدا کے لیے پستول رکھ دو۔''

اون ہوئی کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ یون ہو نے ہاتھ نیچے کر لیا۔

MashalBooks.org

''پانچ منٹ ہوگئے ہیں اب چلی جاؤ اور خلائی مخلوق کی فکر نہ کرو۔ تمہارا امتحان اچھا ہوگا۔ میں نے سب چھوڑ دیا ہے۔ انگویو بھی کالج نہیں جائے گا۔ میں نے اپنی کاپی پر اس کا نام اور اس کا رجسٹریشن نمبر لکھ دیا ہے۔

''اچھا؟۔۔۔تم نے یہ کیا۔اب کیا ہوگا؟۔''

''تم Kist کیوں نہیں چلی جاتیں اور کمپوٹر سے سوال کیوں نہیں کرتی۔''

''تو تم دونوں فیل ہو جاؤ گے؟''

یون ہو راکھ کے ڈھیر کی طرح گر گیا۔ اس نے پستول اون ہوئی کی طرف بڑھایا۔ اون ہوئی نے وہ لے لیا۔

''میرے گولی مار دو''۔ یون ہو بولا۔'' اگر تم نہ آجاتیں تو اب تک کام تمام ہو چکا ہوتا۔ اب تمہارے ہاتھ میں ہے۔ مگر فکر نہ کرو۔ میں مروں گا نہیں۔ میں چاند پر چلا جاؤں گا۔ وہاں میرے لیے بہت کام ہیں۔ یہاں میں وہ کام نہیں کر سکا۔ چی سوپ کی کتابوں میں یہی لکھا ہے۔ وقت ضائع کیا گیا ہے۔ عہد اور وعدے توڑے گئے ہیں دعائیں قبول نہیں ہوئی ہیں۔ مجھے وہاں جانا ہے تا کہ میں وہاں وہ چیزیں تلاش کروں جو یہاں غائب ہو چکی ہیں۔ اب میں زیادہ انتظار نہیں کر سکتا۔ چلاؤ گولی مجھے مار دو۔''

یون ہو کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے اون ہوئی کو نشانہ باندھتے دیکھا۔

''میں تم سے ایک وعدہ لینا چاہتی ہوں۔'' اون ہوئی بولی۔'' اگر تمہیں خلائی مخلوق ملے تو اس سے کہنا میری کاپیاں چوری نہ کرے۔''

اون ہوئی کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ رہے تھے یون ہو بالکل بے سد پڑا تھا۔

''چلاؤ گولی'' وہ بولا۔

پستول پکڑے پکڑے اون ہوئی نے اپنے کوٹ کے بٹن کھولے پھر باقی کپڑے اتارے۔ اس نے پستول گرا دیا۔ اب وہ بالکل ننگی تھی۔ ایک ماں کی طرح وہ یون ہو کے قریب گئی اور آنسوؤں سے بھرا اس کا چہرہ اپنی بانہوں میں لے لیا۔ یون ہو کو نہیں معلوم تھا کہ چی سوپ نے اس دن کیا کیا تھا جب وہ بونے کے گھر گیا تھا۔ بونے اور اس کے گھر والوں نے اپنے چھوٹے صحن میں کھانا کھایا تھا۔ وہ خاموشی سے کھا رہے تھے۔ یون ہو سوچ

رہا تھا کہ پچھلے دوسال میں اس سے کیا غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ اسے اس سوال کا جواب نہیں ملا۔

☆☆☆

MashalBooks.org

وعدہ

لوگ میرے باپ کو بونا کہتے تھے۔ ان کا خیال صحیح تھا۔ باپ واقعی بونے تھے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ باپ کے بارے میں ان کا یہ خیال صحیح تھا۔ باقی تمام باتوں کے بارے میں ان کے خیالات غلط تھے۔ اس دائمی حقیقت پر ہم مہنگی سے مہنگی شرط لگا سکتے تھے۔ یہاں ہم سے مراد ہے باپ، ماں، میرا بھائی یونگ ہو بہن یونگ ہوئی اور میں خود۔ جب میں تمام کہتا ہوں تو اس کا مطلب ہوتا ہے ہم پانچوں۔ جو لوگ جنت میں رہتے ہیں انہیں جہنم کے بارے میں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن ہم پانچوں جہنم میں رہتے تھے اور جنت کا سوچتے تھے۔ اور کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا کہ ہم جنت کے بارے میں نہ سوچتے ہوں۔ کیونکہ ہمارا ہر دن ناقابل برداشت تھا۔ ہماری زندگی ایک جنگ تھی۔ اور اس جنگ میں ہم ہی ہارتے تھے۔ پھر بھی ماں مقابلہ کر رہی تھی۔ البتہ اس دن جو ہوا وہ ان کے لیے بھی ناقابل برداشت تھا۔

''محلے کا صدر یہ لایا ہے۔'' میں نے کہا:

ماں چھوٹے سے برآمدے کے ایک سرے پر بیٹھی ناشتہ کر رہی تھی۔

''کیا ہے؟'' انہوں نے پوچھا۔

''موت کا پروانہ''

''اچھا۔۔تو آ گیا؟'' ماں نے کہا ''وہ تو ہم سے کہہ رہے تھے کہ مکان گرا دیا جائے گا۔ ہم جانتے تھے کہ ہمیں یہ بھگتنا ہی پڑے گا۔ جیسے ہم دوسری چیزیں بھگت رہے ہیں۔

ماں نے ناشتہ چھوڑ دیا۔ میں نے ان کے ناشتے کی ٹرے کو دیکھا چاولوں کے ساتھ ابلے ہوئے جو سویا بین کا لیپ چند سوکھی ہوئی کالی مرچیں' آلو کے ٹکڑے اور سوئے ساس۔ میں نے آہستہ آہستہ نوٹس پڑھا۔ ماں برآمدے کے کونے میں بیٹھی تھی۔ انہوں نے ایک لفظ بھی نہیں بولا۔ اینٹوں کے بھٹے کی اونچی چمنی کا سایہ ہماری سیمنٹ کی دیوار پر پڑ رہا تھا۔ پڑوسی باہر نکل آئے تھے اور کسی بات کے لیے چیخ رہے تھے۔ محلے کا صدر ان کے درمیان سے راستہ بناتا ہوا آگے بڑھا اور گندے پانی کے نالے کی طرف چلا۔ ماں آدھا کھایا ہوا ناشتہ باورچی خانے میں لے گئیں۔ وہاں وہ اکڑوں بیٹھ گئیں۔ انہوں نے ہاتھ اٹھایا اور فرش پر مکا مارا۔ پھر اپنے سینے پر مارا۔

میں بلدیہ کے دفتر گیا۔ وہ ہمارے محلے کے لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ وہ سب اپنی اپنی باتیں کر رہے تھے۔ اور چیخ رہے تھے۔ شاید ایک وہی ایسے تھے جو خاموشی سے سن رہے تھے باقی سب ایک ساتھ بول رہے تھے۔ لیکن اس کا فائدہ کوئی نہیں تھا۔ چیخنے چلانے سے تو اس طرح کے مسئلے حل نہیں ہوتے۔

باہر بورڈ پر ایک نوٹس لگا تھا۔ اس پر ہدایات لکھی تھیں کہ فلیٹ لینے کا کیا طریقہ ہے' فلیٹ کا قبضہ چھوڑنے کا کیا طریقہ ہے۔ اور دوبارہ بحالی کے لیے معاوضہ لینے کا اصول کیا ہے۔ دفتر کے ارد گرد کا ماحول سبزی منڈی جیسا تھا۔ فلیٹوں میں رہنے والے اور پراپرٹی ڈیلر ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ وہاں میں اپنے باپ' چھوٹے بھائی اور اپنی بہن سے ملا۔ میرے باپ مہریں بنانے والے کی دکان کے باہر بیٹھے تھے۔ یونگ ہوئی اس نوٹس بورڈ کی طرف جاری تھی جہاں سے میں ابھی آیا تھا۔ یونگ ہوئی اس کالی کار کے سامنے کھڑی تھی جو گلی کے موڑ پر کھڑی تھی۔ وہ صبح ہی صبح اپنے اپنے کام پر چلے گئے تھے مگر جب گھر گرائے جانے کا سنا تو وہاں سے آ گئے تھے۔ ایسے موقع پر کون کام کر سکتا ہے؟ میں باپ کے پاس گیا اور ان کے اوزاروں کا تھیلا ان سے لے لیا۔ میرا بھائی آیا اور تھیلا اس نے لے کر اپنے کاندھے سے لٹکا لیا۔ میں نے احتجاج کیے بغیر تھیلا دے دیا۔ اسی اثناء میں یونگ ہوئی ہمارے پاس آئی۔

MashalBooks.org

اس کا چہرہ سرخ ہورہا تھا۔کئی پراپرٹی ڈیلر ہمیں گھیرے کھڑے تھے اور ہمارے مالکانہ حقوق خریدنا چاہتے تھے۔ باپ کتاب پڑھ رہے تھے۔ یہ وہ کام تھا جو ہم نے انہیں پہلے کبھی کرتے نہیں دیکھا تھا۔کتاب کے سرورق پر کاغذ چڑھا ہوا تھا اس لیے معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کیا کتاب تھی۔یونگ ہوئی جھکی اور باپ کا ہاتھ تھام لیا۔ باپ نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا اور کھڑے ہوگئے۔''دیکھو دیکھو بونا۔''انہوں نے کہا جنہوں نے اسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

ماں چھری سے گھر کے دروازے پر لگی ہوئی پلیٹ پر سے نمبر کھرچ رہی تھیں۔ اور پلیٹ کی کیلیں نکال رہی تھیں۔ المونیم کی پلیٹ پر ہمارے غیر قانونی گھر کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اگر انہوں نے اسے ہٹایا نہیں تو ہم مشکل میں پڑ جائیں گے۔ وہ یہ نمبر اپنے پاس سنبھال کر رکھنا چاہتی تھیں۔

ماں نے خاموشی سے اس پلیٹ کو دیکھا جو ان کی ہتھیلی پر رکھی ہوئی تھی۔ یونگ ہوئی نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔''

''اگر تم سب کی ملازمت ختم نہ ہوگئی ہوتی تو مجھے پریشانی نہ ہوتی۔'' ماں نے کہا۔آج سے بیس دن بعد کوئی معجزہ ہی ہوسکتا ہے۔ اس وقت تو ہم یہی کرسکتے ہیں کہ ایک ایک کرکے معاملات طے کریں۔''

''آپ گھر کے مالکانہ حقوق فروخت کرنے کی بات کررہی ہیں۔؟'' یونگ ہوئی نے پوچھا۔

''فروخت کرنا؟تم کیا کہہ رہی ہو؟۔'' یونگ ہو چیخا۔

''کسی فلیٹ میں جانے کے لیے رقم کی ضرورت ہوگی۔''

''ہم کسی فلیٹ میں نہیں جارہے ہیں۔''

''پھر ہم کیا کریں گے؟''

''ہم یہیں رہیں گے۔ یہ ہمارا گھر ہے۔''

یونگ ہو سیڑھیوں پر چڑھا اور باپ کے اوزاروں کا تھیلا برآمدے میں رکھ دیا۔

''کوئی آدمی ایک مہینے پہلے اس بارے میں بات کررہا تھا۔'' باپ نے کہا۔انہوں نے ابھی ابھی مکان گرائے جانے والا نوٹس پڑھا تھا جو ماں نے انہیں دیا تھا۔

MashalBooks.org

''بلدیہ نے ہمارے لیے وہ فلیٹ بنائے ہیں۔اس لیے کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔''

''وہ ہمارے لیے نہیں ہیں۔'' یونگ ہو بولا۔

''وہاں جانے کے لیے ہمیں بہت پیسے چاہئیں'' یونگ ہوئی نے کہا۔ وہ پینزی کے پھولوں
کی کیاری کے پاس کھڑی تھی۔''ہمارے پاس جانے کو کوئی جگہ نہیں ہے۔کیا خیال ہے تمہارا بڑے بھائی۔'' اس نے پوچھا۔

''میں یہ برداشت نہیں کروں گا کہ کوئی سور کا بچہ ہمارا گھر گرادے۔'' یونگ ہو بولا''چاہے کچھ بھی ہوجائے۔''

''خاموش رہو۔'' میں نے کہا''وہ قانون کے مطابق کررہے ہیں۔''

باپ نے جو کہا تھا وہ ٹھیک تھا۔ ہم کر بھی کیا کر سکتے تھے۔

یونگ ہوئی نے' جو کیاری کے پاس کھڑی تھی' منہ پھیر لیا۔ وہ رورہی تھی۔ وہ بڑی جلدی رونے لگتی تھی' وہ بچپن سے ہی ایسی تھی۔

''مت رو یونگ ہوئی'' میں اس سے کہتا تھا۔

''آنسو آئے جارہے ہیں۔''

''روکنے کی کوشش کرو۔''

''ہوں۔''

مگر وہ نہیں روک سکتی تھی۔ ہم گندے نالے کے پاس تھے اور وہ روئے جارہی تھی۔ میں نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ یونگ ہوئی کو گھاس کی خوشبو آئی۔گندے نالے پار والی گلی سے گوشت بھوننے کی خوشبو آرہی تھی۔ میں جانتا تھا کہ وہ کاہے کی خوشبو ہے پھر بھی میں نے ماں سے پوچھا۔''یہ کاہے کی خوشبو ہے؟''

ماں کچھ کہے بغیر چلی جاتی تھیں۔

میں نے پھر پوچھا۔''یہ کاہے کی خوشبو ہے؟''

ماں نے میرا ہاتھ پکڑا اور تیز تیز چلنا شروع کردیا۔''کہیں گوشت پک رہا ہے۔کسی دن ہم بھی پکائیں گے۔''

MashalBooks.org

''کب؟''

''چلو جلدی چلو۔'' ماں نے کہا۔''تم خوب دل لگا کے پڑھو۔ پھر تمہارا اچھا سا گھر ہوگا اور ہر روز گوشت پکے گا۔''

''یہ جھوٹ ہے۔'' میں نے کہا۔''بابا اچھے آدمی نہیں ہیں۔''

''میرے باپ برے آدمی ہیں۔''

''تمہارے تھپڑ پڑیں گے۔ تمہارے باپ بہت اچھے آدمی ہیں۔''مجھے ایسے کپڑے چاہئیں جن میں دوسرے بچوں کی طرح جیبیں ہوں۔''

''اچھا تو جلدی چلو۔''

''ماما' آپ ہمارے کپڑوں میں جیبیں کیوں نہیں لگاتیں؟۔ کیا اس لیے کہ آپ کے پاس پیسے نہیں ہیں یا کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے جو جیب میں رکھی جاسکے؟۔''

''اپنے باپ کے بارے میں ایک لفظ بھی اور کہا تو تھپڑ پڑیں گے تمہارے۔ سمجھے؟''

''بابا' برے آدمی بھی نہیں ہیں۔ برے آدمیوں کے پاس تو بہت پیسہ ہوتا ہے۔''

''معلوم ہے۔ یہ تم ہزار بار کہہ چکے ہو۔ مگر میں نہیں مانتی۔''

''ممی'' یونگ ہوئی بولی وہ باورچی خانے کے دروازے پر کھڑی تھی۔''بڑے بھائی آپ کی بات نہیں سنتے۔ وہ گوشت کی خوشبو سونگھنے باہر چلے جاتے ہیں۔ میں تو باہر نہیں جاتی۔''

ماں کچھ نہ بولیں۔ میں نے یونگ ہوئی کی طرف دیکھ کر منہ چڑایا۔

''دیکھو دیکھو ممی۔ یہ مجھے مارنے آرہے ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ یہ گوشت کی بو سونگھنے گھر سے باہر جاتے ہیں۔''

یونگ ہوئی کا رونا نہیں رک ہا تھا۔ میں نے اس کے منہ پر سے ہاتھ اٹھالیا۔ اسے گھاس والی جگہ پر لے جانا ہی غلط تھا۔ اسے مارنے پر مجھے افسوس ہوا۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگ گیا تھا۔ ان دنوں ہمارے کپڑوں میں جیب نہیں ہوتی تھی۔

ماما نے مکان گرائے جانے کا نوٹس برآمدے کے سرے پر رکھا اور کتاب پڑھنے لگے۔ ہمیں بابا سے کوئی امید نہیں تھی۔ انہوں نے سال بھر میں بہت کچھ دیکھا تھا۔ انہوں نے تکلیف بھی بہت اٹھائی تھی۔ یہ تکلیفیں اٹھانے والے بابا اکیلے نہیں تھے۔ ان کے باپ' ان کے دادا' ان کے پردادا اوران کے پردادا کے پردادا ان سے بھی زیادہ تکلیفیں اٹھاتے رہے

تھے۔اور یہ نسلوں سے یہ ایسا ہی چلا آ رہا تھا۔ ایک بار پریس میں مجھے کسی جائیداد کی ایک عجیب دستاویز کمپوز کرنے کا موقع ملا تھا خاص طور سے دستاویز کا ایک حصہ کمپوز کرتے ہوئے میرا ہاتھ جلدی جلدی چلنے لگا تھا۔کیونکہ ہسپتال میں گھریلو نوکرانی کم ای ڈوک کے غلام کوم ڈونگ پیدا ہوا۔ غلام کوم ڈونگ کی بیوی کے غلام ٹوک سن کس سال میں پیدا ہوا۔ غلام کوم ڈونگ کی بیوی کے غلام چوسے شنی سال میں پیدا ہوا' غلام کوم ڈونگ کی بیوی کے غلام یونگ سوک کیوسال میں پیدا ہوا۔ غلام کم کوم کی بیوی کے غلام کوم سائی موجا سال میں پیدا ہوا۔ پہلے تو میری سمجھ میں نہیں آیا کہ یہ میں کیا کمپوز کر رہا ہوں۔مگر جب میں دوسری پلیٹ کمپوز کرنے لگا تو مجھے خیال آیا کہ یہ میں غلاموں کی خرید وفروخت کی دستاویز کمپوز کر رہا ہوں۔ وہ کتاب میں نے دس دن میں کمپوز کی۔ اس عرصے میں میں نے بابا کو کچھ نہیں بتایا۔ ماں سے میں نے کچھ نہیں کہا۔ میں جانتا تھا کہ میری ماں کی ماں ان کی دادی اور پردادی کتنے غریب لوگ تھے اور وہ کیا کرتے تھے۔وہ سب بہت ہی نچلے طبقے سے تھے۔ماں کا حال بھی اس سے مختلف نہیں تھا۔انہوں نے ایک دن بھی سکون کی زندگی نہیں گذاری۔ساری عمر محنت ہی کی۔ ہمارے بزرگ جسمانی محنت ہی کرتے رہے۔وہ مالکوں کی ایک نسل سے دوسری نسل کو ورثے میں ملتے تھے۔ان کی خرید وفروخت ہوتی تھی اور وہ ایک سے دوسرے کو منتقل ہوتے رہتے تھے۔

ایک دن ماں نے مجھ سے کہا۔''تم بچے تکلیف اٹھا رہے ہو محض میری وجہ سے۔تمہارے باپ کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔''

یہ بات انہوں نے مجھ سے کہی کیونکہ میں سب سے بڑا تھا۔ یہ وہ بات تھی جو انہوں نے اپنی ماں سے سنی تھی اور اب وہ مجھے سنا رہی تھیں۔ صدیوں سے ہمارے بزرگ اپنے بچوں کو یہ بات سنا رہے تھے۔مگر میں تو پہلے سے ہی جانتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ میرے باپ غلاموں کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

میرے دادا کے باپ کے زمانے میں غلامی کا نظام ختم ہوا تھا۔شروع میں میرے پردادا کو اس کا علم نہیں ہوا تھا۔شروع میں میرے پردادا کو اس کا علم نہیں ہوا تھا۔آخر جب انہیں یہ علم ہوا تو معلوم ہے انہوں نے کیا کہا تھا؟''خدا کے لیے ہمیں گھر سے نہ نکالیے۔'' دادا کا معاملہ اور تھا۔ انہوں نے اپنے آپ کو پرانے نظام سے الگ کرنے کی کوشش کی۔دادا کے

بوڑھے مالک نے انہیں ایک گھر اور زمین دی۔مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔دادا اپنے باپ سے زیادہ مختلف نہیں تھے۔ اگرچہ پردادا کی نسل کو اپنے پرکھوں کا تجربہ حاصل تھا۔لیکن دادا کی نسل کو اس تجربے سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ دادا کے پاس تعلیم تھی اور نہ تجربہ کہ وہ اس سے فائدہ اٹھاتے۔ ۔انہوں نے گھر اور زمین دونوں ہی کھودیں۔

''کیا دادا بھی بونے تھے؟'' یونگ ہو نے ایک بار پوچھا تھا۔

میں نے اس کے سر پر تھپڑ مارا۔

یونگ ہو کچھ بڑا ہوا تو اس نے کہا۔''ہم پہلے کی طرح یہ باتیں چھپی ہوئی کیوں نہیں رہنے دیتے۔ یہ فضول بات نہیں ہے۔؟ میرا مطلب ہے کچھ بھی تو نہیں بدلا ہے۔''

میں خاموش رہا۔

یونگ ہوئی نے رومال نکالا اور آنکھیں پونچھیں۔بابا کتاب پڑھتے رہے۔میری ماں ہیونگ ہوئی کی ماں سے باتیں کررہی تھیں جو ہمارے پچھواڑے رہتی تھیں۔

''کتنے میں فروخت کیا؟''

''ہمیں ایک لاکھ ستر ہزار ملے۔''

''میرا خیال ہے وہ اس الاؤنس سے زیادہ ہے جو بلدیہ ہمیں یہاں سے جانے پر دے گی۔''

''بیس ہزار اور بہرحال تم لوگ بھی کسی فلیٹ میں نہیں جارہے ہو۔''

''خیال تو یہی ہے۔''

''کہتے ہیں اگر آپ فلیٹ خریدیں گے تو آپ کو پانچ لاکھ اسی ہزار دینا پڑیں گے۔اور اگر پٹے پر لیں گے تو تین لاکھ خرچ ہوں گے۔''

''اسی لیے ہر ایک اپنے مالکانہ حقوق بیچ رہا ہے۔''

''ہاں۔اور آپ لوگوں کو آخری وقت کا انتظار نہیں کرنا چاہیے۔''

ماں کے چہرے پر دکھ کے آثار تھے۔

''ہم جانے کو تیار ہیں ہم کل جاسکتے ہیں۔'' ہونگ کی ماں نے کہا۔''اگر آپ ہمیں رقم دے دیں۔ ہمارے گھر کے لیے چند ہتھوڑے ہی کافی ہیں۔''

یونگ ہوئی کی آنکھوں میں پھر آنسو آگئے۔ بڑا ہونے کے بعد بھی وہ ایسی ہی رہی۔

MashalBooks.org

لڑکیاں جلدی رونے لگتی ہیں۔ میں یونگ ہوئی کے پاس گیا۔ اس نے سیمنٹ کے اس چھجے کی طرف اشارہ کیا جہاں ہمارا مٹی کا برتن رکھا ہوا تھا۔ اس پر سیمنٹ سے لکھا ہوا تھا۔ ''یونگ ہوئی یونگ سو کو پسند کرتی ہے۔'' یہ اس وقت سے وہاں رکھا تھا جب یہ گھر گرا نہیں تھا۔ یونگ ہوئی مسکرائی۔ وہ ہمارا سب سے اچھا زمانہ تھا۔ ماں گڑھے سے پتھر اٹھا کر لائی تھیں۔ اس سے انہوں نے سیڑھیاں بنائی تھیں۔ اور اس پر سیمنٹ لگا یا تھا۔ ہم بہت چھوٹے تھے اور بھاری کام نہیں کر سکتے تھے۔ پھر بھی ہم نے بہت کچھ کیا تھا۔ کئی دن ہم اسکول نہیں گئے تھے۔ ہر دن ہمارے لیے تفریح کا دن تھا۔ دن میں کئی بار ایسے لوگ آتے تھے جنہیں ہم نے پہلے نہیں دیکھا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب گندے کپڑے پہننے والے بچے بھی رونا بھول گئے تھے۔ حتی کہ چیخنے چلانے والے مالکوں کے کتے بھی نہیں بھونکتے تھے۔ پورا علاقہ پرسکون ہوگیا تھا۔ اچانک خاموشی چھا گئی تھی۔ آخر یہ ہوا کیا تھا۔ مجھے آس پڑوس کی حالت پر شرمندگی ہوتی تھی۔ وہ میرے باپ کو سلام کرتے تھے اور ان کے سامنے جھک جاتے تھے۔ میرے باپ کو ان سے ہاتھ ملانے کے لیے اپنے پنجوں پر کھڑا ہونا پڑتا تھا۔ مگر ہمیں اس کی پرواہ نہیں تھی۔ ہمیں تو اپنے بونے باپ دیو لگتے تھے۔

''دیکھا؟'' میں نے کہا تھا۔

''ہاں۔'' یونگ ہوئی بولی

جس آدمی نے بابا کو سلام کیا تھا اس نے کہا کہ وہ گندے نالے کے پل پر سب کچھ بنالیں گے' گلیاں بھی تیار کرلیں گے اور آس پاس کے گھر والوں کی آرائش بھی کر دیں گے۔ اس پر سب نے تالیاں بجائیں۔ بڑوں کو دیکھ کر ہم نے بھی تالیاں بجائیں۔ پہلے آدمی کی بات سن کر ایک اور آدمی نے ابھی ایسی ہی بات کی اور کہا کہ وہ محلے کے افسر کو منالے گا۔ اس نے کہا کہ یہ کام وہ قوم کے نام پر کرے گا۔ اس پر پھر تمام بڑوں نے تالیاں بجائیں۔ ان کی دیکھا دیکھی ہم نے بھی تالیاں بجائیں۔ میرے دماغ پر ان دونوں کی باتوں کا تاثر اب تک ہے۔ مگر مجھے وہ اچھے نہیں لگے تھے۔ انہوں نے ایسے خیالی منصوبے بنائے تھے۔ وہ جھوٹ بول رہے تھے۔ ہمیں منصوبوں کی ضرورت نہیں تھی۔ بہت سے لوگ پہلے بھی کئی منصوبے بنا چکے تھے۔ مگر کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ اور اگر ان لوگوں کے کچھ حاصل بھی کرلیا تھا تب بھی ہمارے لیے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمیں تو ایسے لوگوں کی ضرورت تھی جو

ہماری تکلیفیں سمجھیں اور انہیں دور کرنا اپنی ذمہ داری بنائیں۔

''وہ تو لاکھوں میں ایک ہے۔'' ماں نے کہا

''کون؟'' یونگ ہو نے پوچھا۔

''ہیونگ ہوئی کی ماں۔ انہوں نے نے ہمیں ایک لاکھ پچاس ہزار دیے ہیں تا کہ ہم کرایہ دار کی پیشگی رقم واپس کرسکیں۔''

''یونگ ہوئی کی ماں۔'' ہونگ ہوئی کی ماں نے پچھواڑے کی دیوار پر سے کہا۔'' میں نے جو کہا ہے وہ غلط نہ سمجھنا۔''

''نہیں نہیں۔ بالکل نہیں۔'' ماں نے کہا۔''اور تم اطمینان رکھو ہم ایک ایک پائی واپس کردیں گے۔''

''آپ جانتی ہیں یہ پیسہ کہاں سے آتا ہے۔''

''ہاں ہاں' میں جانتی ہوں۔ مجھے تمہاری یونگ ہوئی کا خیال آتا ہے تو میرا دل بھر آتا ہے۔''

''یونگ ہوئی روئی۔'' ہونگ ہوئی پکارا کرتا تھا۔''ادھر آؤ۔ ہمارے گھر آؤ۔

''تمہیں اپنا نیا گھر اچھا لگا؟''

''ہوں۔۔۔''

''تم نے چھجے پر جو لکھا ہے جب تک تم اسے نہیں مٹاؤ گے اس وقت تک میں نہیں آؤں گی۔''

''میں تو نہیں مٹاتا۔''

''کیوں؟''

''اب تو سیمنٹ سخت ہوگیا ہے۔''

''پھر میں نہیں آوں گی۔''

''میں کہہ سکتا ہوں کہ ہیونگ ہوئی غمزہ ہوگیا۔مگر پھر بھی ہیونگ ہوئی سے میری ملاقات ہوئی۔ ان دنوں گندے نالے کے ساتھ بہت درخت تھے۔ ہم وہاں بیٹھتے تھے تو درختوں کے پتوں میں سے پرنٹنگ پریسوں کی روشنیاں نظر آتی تھیں۔ وہاں لوگ رات رات بھر کام کرتے تھے۔

MashalBooks.org

''اگر تم مجھ سے ایک وعدہ کرو تو میں تمہیں یہ کرنے دوں گی'' یونگ ہوئی نے کہا۔

''کیسا وعدہ؟۔'' میں نے کہا

''تم اس پرنٹنگ پریس میں کام نہیں کرو گے۔''

''پاگل ہوئی ہو؟ میں وہاں بالکل کام نہیں کروں گا۔''

''سچ؟۔وعدہ؟''

''ہاں وعدہ۔''

''اچھا چلو تم مجھے ہاتھ لگالو''

یونگ ہوئی نے اپنا سینہ آگے کر دیا۔وہ بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔

''تم پہلے لڑکے ہو۔'' یونگ ہوئی بولی۔''کسی نے میرے سینے کو ہاتھ نہیں لگایا۔''

میں نے اپنا بایاں ہاتھ اس کے کاندھوں پر ڈال رکھا تھا اور دائیں ہاتھ سے اسے چھوا تھا۔اس کے سینے کا ابھار گرم تھا۔

''کسی کو بتانا نہیں'' اس نے کھسر پھسر کی۔ میں نے اپنے کان پر اس کی سانس محسوس کی۔

''نہیں بتادوں گا''۔

''اگر تم نے کسی کو نہیں بتایا تو یا تم جب چاہو گے میں یہ کرنے دوں گی۔''

''سچی؟''

''سچی۔''

''میں اور بھی کہیں چھوسکتا ہوں؟''

''ایسا لگتا تھا جیسے یونگ ہوئی میں جان ہی نہیں ہے۔ وہ ہمیشہ ہی ایسی رہتی تھی۔کبھی کبھی تو لگتا جیسے وہ سن ہوگئی ہے۔

''کیا ہوا؟۔'' میں پریشان ہوجاتا۔''کیا طبیعت خراب ہے؟۔''

''پھر کیا ہوا؟۔''

''ہم گھر میں جو کھانا کھاتے ہیں وہ مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

''کیوں؟۔''

''میں بیزار ہوگئی ہوں اس سے۔''

''نہیں کھاؤ گی تو مرجاؤ گی۔''

''میں مرنا چاہتی ہوں۔''

''یونگ ہوئی میں اس بیہودہ پرنٹنگ پریس میں نوکری نہیں کروں گا۔ میں پڑھوں گا اور کسی بڑی کمپنی میں نوکری کروں گا۔''

''مجھے بھوک لگ رہی ہے۔'' یونگ ہوئی نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔

''کیا کھاؤ گی؟۔'' میں نے پوچھا تھا۔

''اس نے میرے ہاتھ پکڑ لیے تھے پھر اس نے اپنی پسند کی چیزیں بتانا شروع کیں تو ایک ایک کر کے میری انگلیاں گننے لگی تھی۔'' نارنگی سوڈا' انگور' گوشت نوڈلز' پیسٹری' سیب' انڈے' گوشت' جو کے بغیر چاول اور چھلیا۔

اس نے میری ایک انگلی گننے سے چھوڑ دی۔ اس وقت یونگ ہوئی کو یہ سب چیزیں چاہیے تھیں۔ بعد میں وہ ایک چائے خانے میں ویٹرس بنی' بس کنڈیکٹر بنی اور اس نے چائے کے کارخانے میں بھی کام کیا پھر جب وہ واپس آئی تھی۔ زرد ہورہی تھی۔ یہ اس کی آخری نوکری تھی۔ماں کہتی ہیں کہ اس کے بعد جب بھی وہ گھر آئی اس کا پیٹ پھولا ہوا تھا' آخر میں اس کی موت خودکشی روکنے والے مرکز میں ہوئی۔ یہ مرکز زہرخوانی کی وارداتوں کے لیے تھا۔''نہیں ممی ممی'' زہر کھانے کے بعد وہ یہی چیختی تھی۔ اس وقت وہ اپنے بچپن کی یادوں میں ہی کھوئی رہتی ہوگی۔ وہ مری تو اس کے سیونگ اکاؤنٹ میں ایک لاکھ نوے ہزار ''وون'' تھے۔

''یہ ایک لاکھ نوے ہزار ہیں'' اس کی ماں نے کہا تھا۔''تم پہلا کام یہ کرو کہ اپنے کرایہ داروں کو نکالو۔''

میری ماں نے وہ رقم لے لی۔''یہ جانتے ہوئے کہ یہاں کوئی بھی نہیں آئے گا کہ یہ گھر مسمار کیا جارہا ہے۔''

''میرا مطلب یہی ہے۔لوگ جو الٹی سیدھی باتیں کررہے ہیں ان کا منہ بند کرو۔وہ جانا چاہتے ہیں تو جانے دو۔''

''مگر میں یہ رقم کیسے لے سکتی ہوں۔''

''یونگ ہوئی تمہیں پسند کرتی تھی۔'' یونگ ہوئی نے مجھ سے کہا۔''تم خود بھی جانتے

ہو۔ ہے نا؟''

یونگ ہوئی اپنا گٹار بجانے لگی۔ اینٹوں کے بھٹے کی دھواں اگلنے والی چمنی پر چاند نظر آ رہا تھا۔ میرا ریڈیو کام نہیں کر رہا تھا۔ میں ہائی اسکول کے کارسپانڈنس کورس کے لیے کئی لیکچر چھوڑ چکا تھا۔

میں نے یونگ ہوئی سے جو وعدہ کیا تھا اسے پورا نہیں کیا۔ میں نے مڈل اسکول سے ہی پڑھنا چھوڑ دیا۔ میرے ماں باپ چاہتے تھے کہ میں آگے پڑھوں مگر ان کے پاس وسائل ہی نہیں تھے۔ غور سے دیکھنے پر میرے ماں باپ دوسرے لوگوں سے زیادہ بوڑھے نظر آتے تھے۔ یہ بات ہمارے خاندان کے لوگوں کے سوا اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ میرے باپ کا قد تین فٹ تین انچ تھا۔ اور وزن ان کا ستر پاؤنڈ تھا۔ ان کی جسمانی خرابی کی وجہ سے لوگوں کو اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ وہ بوڑھے ہیں۔ بوڑھا ہونے کے احساس سے وہ بے دلی اور مایوسی کا شکار ہوگئے تھے۔ ان کے دانت خراب ہوگئے تھے۔ اور کئی کئی رات وہ سوتے ہی نہیں تھے۔ ان کی نظر بھی خراب ہوگئی تھی اور سر کے بال کم ہوگئے تھے۔ وہ کسی مسئلے پر فیصلہ بھی نہیں کر پاتے تھے اور ان کی قوت ارادی بھی کمزور ہوگئی تھی۔ اپنی زندگی میں انہوں نے کئی کام کیے تھے۔ انہوں نے بانڈ فروخت کیے' چھریاں تیز کیں اونچی عمارتوں کی کھڑکیاں صاف کیں' واٹر پمپ لگائے اور پانی کے پائپ ٹھیک کیے۔ پھر ایک دن انہوں نے اعلان کیا کہ اب وہ کوئی اور کام کریں گے۔ اب وہ سرکس میں کام کریں گے۔ وہ اپنے ساتھ ایک کبڑے آدمی کو لائے۔ انہوں نے مختلف کرتب دکھانے کی باتیں کیں۔ انہوں نے کہا کہ پہلے وہ کبڑے کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کریں گے۔ ماں نے اس پر احتجاج کیا۔ ہمیں بھی اس پر اعتراض تھا۔ ہمارے باپ مایوس ہوکر بیٹھ گئے۔ کبڑا آدمی وہاں بیٹھا خالی خالی آنکھوں سے ہمیں دیکھتا رہا۔ جب وہ ہمارے ہاں سے گیا تو اس کے گال آنسوؤں سے بھیگ گئے تھے۔ پیچھے سے وہ بہت ہی غمزدہ نظر آتا تھا۔ باپ کے خواب بکھر گئے تھے۔ انہوں نے اپنا بھاری تھیلا کاندھے پر اٹھایا اور کام کی تلاش میں نکل گئے۔ یہ وہی شام تھی جب وہ واقعہ ہوا۔

''بچو۔'' ماں نے ہمیں آواز دی۔ ''تمہارے باپ کی آواز میں کوئی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔''

''کیا ہوا؟'' میں نے بابا سے پوچھا۔ انہوں نے جواب نہیں دیا۔

''میں دواؤں کی دکان پر جارہی ہوں۔'' ماں نے کہا۔ وہ باہر چلی گئیں۔

''مجھے پھٹکری دے دو۔'' ان کی آواز بدلی ہوئی تھی۔

''وہ منہ میں اپنی زبان گھمارہے تھے اس سے عجیب آواز نکل رہی تھی۔ ماں کچھ گولیاں لے کر آ گئیں۔ انہوں نے بتایا کہ پھٹکری نہیں ملی۔

''دکان پر پھٹکری نہیں تھی۔ مگر یہ اس سے اچھی چیز ہے۔ یہ گولی چوس لو۔ لے لو یہ گولی۔''

''بابا نے خاموشی سے وہ دوالی اور ایک گولی منہ میں رکھ لی۔ وہ سوئے تو انہوں نے اپنی زبان کاٹ لی۔

''تمہارے باپ بہت تھک گئے ہیں۔'' ماں نے کہا۔''اب ان سے زیادہ امید نہ رکھو۔ اب تم تینوں کو ہی کام کرنا ہوگا۔''

ماں رونے لگیں۔ وہ پریس کے جلد سازی کے شعبے میں کام کرتی تھیں۔ ربر کا انگشتانہ چڑھا کر وہ چھپے ہوئے کاغذ تہہ کرتی تھیں۔ مجھے ڈر لگا۔ میں پرنٹنگ پریس میں کام کرنے چلا گیا۔ مجھے معلوم ہوگیا تھا کہ محنت کے بغیر کچھ نہیں ملتا۔ یونگ یوئی مجھ سے نہیں ملتی تھی۔ وہ مجھ سے بچتی تھی چند مہینے کے اندر ہی یونگ ہو اور یونگ ہوئی نے اسکول چھوڑ دیا۔ ہمیں اس سے زیادہ فائدہ ہوا۔ کسی نے ہمیں تکلیف نہیں پہنچائی۔ ہمیں غیر متوقع طور پر مدد مل گئی۔ جیسے جنوبی افریقہ کے قدیم باشندوں کا ایک مختلف انسانی نسل کے طور پر تحفظ کیا جاتا تھا ویسے ہی ہمیں بھی تحفظ مل گیا۔ ہمیں ایک خاص علاقے میں محفوظ کرلیا گیا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ ہم اس علاقے سے باہر قدم نہیں نکال سکتے۔ پرنٹنگ پریس میں مشین مین کے اسسٹنٹ کے طور پر کام کرنے کے بعد مجھے ٹائپ سیٹنگ کا کام مل گیا۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا تھا کہ ہم دونوں ایک ہی جگہ کام کریں۔ یونگ ہو کا بھی یہی خیال تھا۔ اس لیے پریس میں کام کرنے سے پہلے اس نے کئی اور کام کرنے کی کوشش کی۔ اس نے لوہار کا کام کیا پھر فرنیچر کے کارخانے میں کام کیا۔ میں وہاں اسے دیکھنے گیا۔ وہ مشینوں کے شور اور برادے کے غبار میں کھڑا تھا۔ میں نے اس سے کہا یہ کام چھوڑ دو؛ شور تو پریس میں بھی ہوتا تھا مگر وہاں برادے کا غبار نہیں ہوتا تھا۔ پھر ہم دونوں پریس میں آ گئے۔ ہم اپنا خون پسینہ ایک کررہے

تھے۔ یونگ ہوئی بڑی سڑک کے موڑ پر ایک بیکری میں کام کرتی تھی۔ہمیں خوشی تھی کہ وہ صاف ستھرے ماحول میں کام کرتی ہے۔ یونگ ہوئی نیلے رنگ کی یونیفارم پہنتی تھی۔ بیکری کی پچھلی کھڑکی سے میں اور یونگ ہوا سے کام کرتے دیکھتے تھے۔ وہ خوبصورت تھی۔ کسی کو یقین نہیں آتا تھا کہ یونگ ہوئی ایک بونے کی بیٹی ہے۔ہم نے سوچا کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے ہمیں تعلیم حاصل کرنا چاہیے۔اگر ہم تعلیم حاصل کرلیں گے تو اس علاقے سے باہر جاسکیں گے۔دنیا میں دوقسم کے انسان ہیں۔ایک وہ جو پڑھے لکھے ہیں۔اور دوسرے وہ جو پڑھے لکھے نہیں ہیں۔ ہمارا معاشرہ بہت ہی پسماندہ ہے۔ہم نے اسکول میں جو پڑھا ہے۔ معاشرہ اس کے بالکل برعکس کام کرتا ہے۔ مجھے جو بھی کتاب ملتی وہ پڑھ لیتا۔ میں ٹائپ اسسٹنٹ سے ترقی کرکے جب ٹائپ سیٹنگ کا کام کرنے لگا تو جس کتاب کا کام میں کررہا ہوتا اسے ضرور پڑھتا۔ اگر مجھے محسوس ہوتا کہ میرے بھائی اور بہن کو بھی وہ کتاب اچھی لگے گی تو اس کے پروف میں گھر لے جاتا۔ میں جو پڑھتا یونگ ہوا اور یونگ ہوئی بڑے غور سے سنتے۔ وہ پوری توجہ سے وہ کاغذ پڑھتے۔ اس کے لیے مجھے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ میں نے اسکول میں داخلے کا امتحان پاس کرلیا تھا اور ہائی اسکول کارسپانڈنس کورس کررہا تھا۔

خزاں کی ایک رات بابا مجھے چھوٹی سی کشتی میں بٹھا کر گندے نالے کی سیر کرنے لے گئے۔ وہ خاموشی سے چپو چلاتے رہے۔

''واپس آجاؤ'' یونگ ہوئی کنارے سے چلائی۔''یہ کشتی ٹھیک نہیں ہے۔''

بابا پھر بھی کشتی چلاتے رہے۔ہمیں دور سے یونگ ہوئی کا ہیولا سا نظر آرہا تھا جو ہاتھ ہلا ہلا کر ہمیں بلا رہی تھی۔ تالاب کی سطح پر ستارے چمک رہے تھے۔ کشتی میں سوراخ تھا۔ یونگ ہوئی کو بابا کی فکر تھی۔ میں تیرنا جانتا تھا۔ تالاب کے بیچ میں چپو رکھ دیئے۔ کشتی میں پانی ہمارے ٹخنوں تک آگیا تھا۔ میں نے ایک جوتا اتارا اور پانی نکالنے لگا۔ بابا نے وہ جوتا میرے ہاتھ سے لے لیا۔وہ مسکرا رہے تھے۔

''یونگ سو۔''انہوں نے کہا۔''وہ کبڑا یاد ہے جو کل آیا تھا؟''

''کب؟۔''

''کل''

میں نے دوسرا جوتا اتارا پانی نکالنے لگا۔ بابا نے پھر مجھے روک دیا۔

''میں سمجھا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' میں نے کہا

''بیوقوف بننے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا؟'' میں نے احترام کے ساتھ سوال کیا۔

''وہ ایسے واقعے کا ذکر کررہے تھے جو کل نہیں بلکہ ساڑھے تین سال پہلے پیش آیا تھا۔ اس وقت میں نے پہلی مرتبہ کبڑے کو دیکھا تھا۔ بابا پھر بھی بولتے رہے۔

''ہم ساتھ ساتھ کام کرتے تھے۔ ہم نے بڑے سے پہیے پر سیدھا کھڑا ہونا سیکھ لیا تھا۔''

''بابا' آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ یہ آپ نے کب کیا تھا''

''تم میرے سب سے بڑے بیٹے ہو۔اگر تم ہی میرا یقین نہ کرو گے تو تمہارے بھائی اور بہن کیسے یقین کریں گے۔''

''میرا خیال ہے بابا کو بھی اس کا پتہ نہیں ہے۔''

''بیٹے'' بابا نے کہا۔''تم ہی میرے بیٹے ہو جیسے یہ معلوم ہونا چاہیے۔تمہاری ماں بیمار ہیں۔کل جو کبڑا یہاں آیا تھا وہ پھر آئے گا۔میری بات مت کاٹو۔تمہارا کیا خیال ہے پانی کی لائن لگانے اور پمپ نصب کرنے میں کتنا وقت لگے گا مجھے؟اب میں رسی کے ذریعہ اونچی عمارتوں سے نہیں اتر سکتا۔اب میں یہ کام نہیں کرسکتا۔''

''ٹھیک ہے بابا اب اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ہم جو کام کررہے ہیں۔''

''تم تینوں سے کس نے کہا ہے کہ کام کرو۔'' بابا نے کہا۔''تمہیں تو اسکول جانا چاہیے۔ تمہارا کام تو یہ ہے۔''

''اچھا بابا۔'' میں نے کہا۔''میرا جوتا مجھے دیدیجیے۔''

بابا نے مجھے گھورا اور جوتا واپس کردیا۔ میں نے پانی نکالنا شروع کردیا۔

''کل کبڑا اس لیے آیا تھا کہ وہ میری مدد کرنا چاہتا ہے۔ وہ کل پھر آئے گا۔تم کہتے ہو اس سے تم کبھی نہیں ملے؟ جھوٹ نہ بولو۔میں نے اور اس نے ساتھ ساتھ کام کیا ہے۔ یاد ہے؟ تم مجھے پڑھانے کی کوشش نہ کرو۔''

''وہ آدمی کب آیا تھا؟۔''

MashalBooks.org

''کل''

''یہ چپو مجھے دیدیجیے۔''

''بابا نے چپو مجھے دے دیا۔ میں کیا کہتا۔ساڑھے تین سال پہلے ہم کبڑے سے ملے تھے' کل نہیں۔مگر بابا میری بات نہیں مان رہے تھے۔ میں احتیاط سے چپو چلاتا رہا۔کنارے پر پہنچنے تک کشتی قریب قریب ڈوب ہی چکی تھی۔ میں نے بابا کو بازوں میں لیا اور جل کھمبیوں میں سے باہر نکلنے لگے۔ہم دونوں ہی بھیگ گئے تھے۔ بابا کانپ رہے تھے۔ میں نے انہیں ماما کے حوالے کردیا۔اس دنیا میں ان کے سوا اور کوئی نہیں تھا جو ان کی دیکھ بھال کرسکتا تھا۔

''بابا کو کچھ ہوگیا ہے۔'' میں نے کہا

''بکواس بند کرو''۔ماں بولیں ''تمہاری سمجھ میں کب آئے گا۔ وہ تھک گئے ہیں۔اس لیے ایسے ہوگئے ہیں۔''

بابا نے جاڑے کمرے کے اندر ہی گذارے میں نے کشتی نکالی اور کھونٹے سے باندھ دی۔دن بہت ٹھنڈے ہوگئے تھے۔ برف سے چشمے کا پانی جم گیا۔

شام کو ہیونگ ہوئی کی ماں پھر آئیں۔''یونگ ہوئی کی ماں'' وہ بولیں ''تھوڑا انتظار کرو۔ جائیدادوں کی قیمتیں بڑھ رہی ہیں۔آج صبح وہ قیمت ایک لاکھ ستر ہزار تھی پھر بڑھ کر ایک لاکھ پچاسی ہزار ہوگئی۔جلدی کرنا حماقت ہے۔ دیکھوتو ہمیں کتنا نقصان ہوگیا۔''

''کیا؟''

''پندرہ ہزار''

ماں نے المونیم کی جو نمبر پلیٹ اکھاڑی تھی وہ کاغذ میں لپیٹ لی۔ اسے انہوں نے بلدیہ کے نوٹس کے ساتھ الماری میں رکھ دیا۔

''یونگ ہوئی۔'' ماں نے پکارا۔''تمہارے باپ کہاں گئے ؟''

''مجھے نہیں پتہ''

''یونگ ہو''

''بابا ابھی ابھی کہیں چلے گئے ہیں۔انہوں نے کچھ نہیں بتایا۔''

''یونگ ہوئی۔تمہارا بڑا بھائی کہاں ہے؟''

MashalBooks.org

''اندر''

''معلوم نہیں وہ کہاں گئے؟'' ماں پریشان ہورہی تھیں۔''پھر دیکھو تمہارے باپ کہاں گئے؟''

''میں وہ کتاب پڑھ رہا تھا جو بابا پڑھتے پڑھتے چھوڑ گئے تھے۔ کتاب کا نام تھا۔''آج سے دس ہزار سال بعد کی دنیا۔'' یونگ ہوئی دن بھر پھولوں کے پاس بیٹھی ٹوٹے تار والا اپنا گٹار بجاتی رہی تھی۔ یہ گٹار ہم نے آخری منڈلی سے خریدا تھا۔ میں وہاں ہائی اسکول کے کارسپانڈنس کورس کے لیے ریڈیو خریدنے گیا تھا۔ وہ بھی میرے ساتھ چلی گئی تھی۔ مجھے بیکار ریڈیو مل گیا تھا۔ یونگ ہوئی کو ایک گٹار ملا تھا جو گرد وغبار میں اٹا ہوا پڑا تھا۔ وہ جھکی اور اس کے تار چھیڑے۔ اس کا چہرہ بالوں میں چھپا ہوا تھا اور وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس نے گٹار سے جو سر نکالے وہ اس کی اس حالت سے مناسبت رکھتے تھے۔ میں اچھا ریڈیو نہیں خرید سکتا تھا اس لیے ایک سستا سا ریڈیو لے لیا اور اس گٹار کی طرف اشارہ کیا جو یونگ ہوئی کے ہاتھ میں تھا۔ ریڈیو ٹوٹ گیا اور گٹار کا ایک تار بھی ٹوٹ گیا۔ مجھے نہیں معلوم بابا کے دماغ میں کیا تھا۔ انہوں نے کتاب ''آج سے دس ہزار سال بعد کی دنیا'' اس نوجوان سے پڑھنے کو لی تھی جو گندے نالے کے پار رہائشی علاقے میں رہتا تھا۔ اس کا نام تھا چی سوپ وہ اس صاف ستھرے علاقے کی ایک تین منزلہ عمارت میں رہتا تھا۔ اس عمارت کے مالک نے چی سوپ کو بچے پڑھانے کے لیے رکھا تھا۔ وہ اور بابا آپس میں باتیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے سنا کہ چی سوپ کہہ رہا تھا۔ ہمیں اس دنیا سے کوئی توقع نہیں رکھنا چاہیے۔

''کیوں؟''

''کیونکہ لوگ ایک ہی چیز پسند کرتے ہیں اور وہ ہے خودغرضی'' چی سوپ کہہ رہا تھا۔''ایک بھی ایسا آدمی نہیں ہے جو یہ جانتا ہو کہ دوسروں کے لیے آنسو بہانا کتنی اہمیت رکھتا ہے۔'' جہاں ایسے آدمی ہوں وہ مردہ لوگوں کی دنیا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔''

''کیا آپ نے زندگی بھر کام نہیں کیا ہے؟''

''کام؟ ہاں کام ہی کیا ہے اور محنت سے کام کیا ہے ہمارے گھر کے ہر آدمی نے انتھک کام

کیا ہے۔''

''اور آپ نے کبھی غلط کام نہیں کیا کبھی قانون کی خلاف ورزی نہیں کی؟۔''

''نہیں۔''

''اس کا مطلب ہے آپ نے کبھی دعا نہیں مانگی۔ یا پھر دل سے دعا نہیں مانگی۔''

''میں نے دعا مانگی ہے۔''

''مگر اپنے آپ کو دیکھو۔ تمہیں کیا ملا؟ تمہارے ساتھ کتنا برا سلوک کیا گیا ہے۔ اب تم اس
مردہ زمین کو چھوڑ دو۔''

''زمین چھوڑ دوں؟ پھر کہاں جاؤں؟''

''چاند پر''

''بچو''

ماما کی آواز زیادہ بلند تھی۔ میں نے کتاب رکھ دی اور باہر بھاگا۔ یونگ ہوا اور یونگ ہوئی کھڑے کچھ دیکھ رہے تھے۔ میں گندے نالے کے کنارے پر گیا اور آسمان کی طرف دیکھا۔ اینٹوں کے بھٹے کے ساتھ اینٹوں کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ اور بابا اس کے اوپر کھڑے تھے۔ ان سے تھوڑا ہی اوپر چاند تھا۔ انہوں نے آسمانی بجلی سے بچانے والی سلاخ پکڑ لی اور اپنا ایک پاؤں اوپر اٹھالیا۔ اس حالت میں انہوں نے کاغذ کا جہاز اڑا دیا۔

2

میں گندے نالے کے کنارے گھاس پر بیٹھا تھا۔ اوس نے مجھے بھگو دیا تھا۔ ذرا سی حرکت سے پودوں کے پتوں اور گھاس پر پڑے ہوئے اوس کے قطرے میرے اوپر گرتے تھے۔ میں ساری رات وہاں اوندھا لیٹا رہا۔ مجھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ اندھیرا کم ہونے لگا۔ میرے حلق میں گولا سا بننے لگا۔ یہ گولا کہ میں نے آخری رات ''اپنے گھر'' میں نہیں گذاری۔ پورا محلّہ گہری نیند سو رہا تھا۔ لیکن اس کے لیے زیادہ انتظار کرنا بے کار تھا۔ یہ افواہ احمقانہ تھی کہ خلائی مخلوق یونگ ہوئی کو اڑن طشتری میں بٹھا کر لے اڑی ہے۔ شروع ہی سے میں نے اس پر اعتبار نہیں کیا تھا۔

''بچو''۔ ماں نے کہا تھا۔ ''ہمیں بھی بے کار نہیں بیٹھنا چاہیے۔''

MashalBooks.org

''میں کیا کرسکتا ہوں؟'' میں نے کہا تھا''میں تو پہلے ہی اسے تلاش کرتا رہا ہوں۔''

مائی کی دکان جب گرائی گئی تھی تو میں اس کے پاس گیا تھا۔

''اسے تلاش کرنے کی کوشش نہ کرو۔''

''تم نے سچ مچ اسے دیکھا ہے؟۔''

''میں یہی کہہ رہا ہوں۔''

اسے ہچکیاں آرہی تھیں اور اس کی بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

''آپ ہی ہیں جس نے یونگ ہوئی کو دیکھا تھا۔ مہربانی کرکے آپ اس کی تفصیل بتاسکتے ہیں؟۔''

''تمہارے باپ جانتے ہیں۔''

''نہیں۔ وہ نہیں جانتے۔''

''یہ کیسے ہوسکتا ہے؟تمہارے باپ نے اشارہ کیا تھا اور اڑن طشتری آگئی تھی۔''

اب اس سے زیادہ میں اور کیا پوچھتا۔ پھر بھی میں وہاں کھڑا رہا۔

''وہ بہت بڑی طشتری نظر آرہی تھی۔ خلائی مخلوق اس کے نیچے سے نکلی اور یونگ ہوئی کو اندر لے گئی۔ بس یہی ہوا۔ اسے اڑن طشری کہتے ہیں۔''

اس پر پھر ہچکیوں کا دورہ پڑ گیا۔

''اب اور کچھ نہ کہیے۔'' میں نے کہا

''تم اسے تلاش کرنے کیوں نہیں جاتے۔ جاؤ' اور دیکھو تمہاری بہن کہاں ہے۔ وہ کسی جگہ نہیں ہے۔ مجھے پیاس لگ رہی تھی اس لیے میں اٹھ گیا تھا۔ اس وقت اور کوئی نہیں اٹھا تھا۔انہوں نے یونگ ہوئی کو لیا اور اڑ گئے۔ بس یوں۔ ان کے بہت بڑے بڑے سر تھے اور پتلی پتلی ٹانگیں تھیں۔''

''خدا حافظ''۔

''میں ابھی نہیں جارہا ہوں۔'' اس نے کہا۔''میں انہیں پی لوں گا پھر جاؤں گا۔'' اس نے چھ کھڑکیوں اور دوہرے پیتل کے ان دروازوں کی طرف اشارہ کیا جو فرش پر پڑے تھے۔ پہلے یہ اس کا گھر تھا ایک دن پہلے اس نے چھت سے ٹائلز اکھیڑ کر انہیں بیچ دیا تھا۔ اس کے علاوہ پانی کی ٹونٹی اور مٹی اور مسالے کے دو برتن بھی بیچ دیے تھے۔ ان سے اسے جو

رقم ملی تھی وہ شراب میں اڑا دی تھی۔ ہمارے محلے کے دوتہائی سے زیادہ لوگوں نے اپنے گھر توڑ دیے تھے اور وہاں سے چلے گئے تھے۔

میں گھاس پر سے اٹھا۔ستاروں کی روشنی مدہم پڑ گئی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ آسمان روشن ہونے لگا۔ میں نے بچوں کے رونے کی آواز سنی۔ میں نے اپنے جوتوں کے تسمے پھر کسے جو پہلے ہی کسے ہوئے تھے اور کئی بار چھلانگیں لگائیں۔ میرا بڑا بھائی سامنے کے دروازے سے باہر آیا اور نالے کی طرف چلا گیا اس کے کاندھے جھکے ہوئے تھے۔

''ڈٹ کے کھڑے رہو بڑے بھائی۔'' میں اس سے کہا کرتا تھا۔

''ڈٹ جانے سے کام نہیں چلے گا۔'' وہ کہتا تھا۔

''حوصلہ چاہیے۔''

''دوپہر کے کھانے کے وقت وہ مجھ سے ملنے آیا۔اس نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔ ہم مشین روم میں چلے گئے اور باتیں کرنے لگے۔

''میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں کس طرح یہ بات کہوں مگر یہ ایک قسم کی لڑائی ہے۔'' میرا بڑا بھائی اسی طرح باتیں کرتا تھا۔''ہمیں لڑنا ہے۔لڑائی ہمیشہ سچ اور جھوٹ کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ سوچنا ہے کہ ہم کس کے ساتھ ہیں۔''

''میں جانتا ہوں''

بڑے بھائی نے کھانا نہیں کھایا تھا۔ہمیں کھانے کے لیے تیس منٹ ملتے تھے۔ ہم ایک ہی جگہ کام کرتے تھے مگر ہماری زندگیاں الگ الگ تھیں۔کارخانے میں ہر آدمی الگ الگ ہی کام کرتا تھا۔ ہر ایک تنہا تھا۔ کمپنی کے افسر ہماری کارکردگی دیکھتے تھے اور اس سے ہمارے کام کا اندازہ لگاتے تھے۔انہوں نے کہا تھا کہ کھانے کے تیس منٹ میں سے دس منٹ میں کھانا کھاؤ اور باقی بیس منٹ گیند کھیلو۔ہم کارکن چھوٹے سے صحن میں نکل آتے اور گیند پر ٹھوکریں لگاتے رہتے۔ وہ لوگ ہمیں ایک دوسرے سے علیحدہ رکھتے تھے' ملنے جلنے کی اجازت نہیں تھی۔ ہم پسینہ ہی بہاتے رہتے تھے۔ ہمارے لیے آرام کرنے کا کوئی وقت نہیں تھا۔ہم شور اور گھٹن سے بھرے ہوئے ماحول میں کام کرتے تھے۔ وہ ہمیں جان سے مارنا نہیں چاہتے تھے اور ہم بھی معمولی تنخواہ کے لیے ہی خون پسینہ ایک کرتے تھے۔ ہر وقت ہمارے اعصاب تنے رہتے تھے۔ ہماری عمر تو بڑھ رہی تھی مگر ہمارے قد وہیں ٹھہرے ہوئے

تھے۔ ہمارے اور کمپنی کے مفادات میں ہمیشہ ٹکراؤ رہتا تھا۔ کمپنی کا صدر ہمیشہ کساد بازاری کا ذکر کرتا رہتا تھا۔ وہ اور اس کا عملہ اس لفظ کا سہارا لے کر ہمارا استحصال کرتا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر تم محنت سے کام کروگے تو ہم سب اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔ مگر ہمارے لیے اس کے کوئی معنی نہیں تھے۔ ہمیں تو کیفے ٹیریا میں اچھے کھانے چاہیے تھے۔ حالات کبھی تبدیل نہیں ہوئے' بلکہ اور بھی خراب ہی ہوگئے۔ ہمیں سال میں جو دو ترقیاں ملتی تھیں وہ ایک ہی رہ گئی۔ رات کی شفٹ کا الاؤنس کم کردیا گیا۔ کارکنوں کی تعداد بھی کم کردی گئی اور کام کے اوقات بڑھادیے گئے۔ جس دن ہمیں تنخواہ ملتی اس دن ہم اپنی جیب پر نظر رکھتے۔ ہم اپنے ساتھیوں پر بھروسہ نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی کارکن کام کی زیادتی کی شکایت کرتا تو اسے نکال دیا جاتا۔ ادھر پریس میں نئی مشینیں آرہی تھیں۔ روٹری مشین آگئی' پھر کاغذ کی فولڈنگ مشین آئی۔ اس کے بعد آفسٹ روٹری مشین آگئی۔ کمپنی کے صدر نے تقریر کی اور کہا کہ کمپنی سخت بحران میں گھری ہوئی ہے۔ اگر وہ اپنی مدمقابل کمپنیوں سے پیچھے رہ گئے تو انہیں پریس بند کرنا پڑجائے گا۔ یہ وہ الفاظ تھے جن سے ہم کارکن بہت ڈرتے تھے۔ اور صدر یہ خوب جانتے تھے۔

اس کا خیال ہی ہمیں ڈرادیتا تھا۔ اگر اتنا بڑا پرنٹنگ پریس بند ہوگیا تو بہت سے کارکنوں کے لیے اور کوئی جگہ نہیں تھی جہاں انہیں کام مل جاتا۔ چھوٹے پریس کم تعداد میں کارکن رکھتے تھے۔ اگر میں یہاں سے نکال دیا گیا تو مجھے کہیں کام نہیں ملے گا۔ میں بے کار ہی پھروں گا۔ میں نیا کام تلاش کروں گا مگر وہاں مجھے اس کام کی عادت ڈالنا پڑے گی۔ وہ چھوٹی جگہ ہوگی تو کام بھی اچھا نہیں ہوگا اور تنخواہ بھی یہاں سے کم ہوگی۔ بڑا خوف ناک خیال تھا۔ اکثر کارکن اپنی نوجوانی میں یہاں آتے ہیں اور اپنی زندگی کے تین چار قیمتی سال یہاں گذارتے ہیں۔ یہی جوانی کے اچھے سال ہوتے ہیں۔ تجربہ حاصل کرنے کے سوا یہاں اور کوئی اچھی بات نہیں تھی۔ کوئی بھی بے روزگار نہیں ہونا چاہتا تھا۔ کارکنوں نے ان حالات کو قبول کرلیا تھا۔ کوئی ایسا نہیں تھا جو انہیں سوتے میں جگاتا۔ کمپنی کے صدر کے لیے اس سے اچھی اور کیا بات ہوسکتی تھی۔ اس کے خاندان کے پاس مشین تھی جس سے وہ اپنے لان کی گھاس کاٹتے تھے۔ اس کے لان میں خوبصورت پودے اور درخت تھے۔ وہ درخت دھوپ میں پلتے تھے اور بڑے ہوتے رہتے تھے۔ ان درختوں کی دیکھ بھال جنرل ٹری کلنک کا ڈاکٹر

کرتا تھا۔ ایک بار میں اس کلینک کے پاس سے گذرا تھا۔ وہاں موٹا موٹا لکھا تھا۔''معزز شہریو! کیا آپ کے درخت صحت مند ہیں؟

اس کے نیچے لکھا تھا۔'' کیڑے مکوڑوں کا خاتمہ، شاخوں کی کٹائی اور چھٹائی اور پیڑوں کی دیکھ بھال۔'' ہمارے گھر میں پیٹر نہیں ہیں اور میں صحت مند نہیں ہوں۔ میرے ساتھ کھڑے ہوئے آدمی نے کہا۔ ہم اتنی زور سے ہنسے کہ پسلیوں میں درد ہونے لگا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ہم کیوں ہنس رہے ہیں۔ قریب قریب روزانہ ہی میرے ساتھی کی ناک سے خون نکلتا تھا۔ بھائی نے قمیص اتاری اور میری پیٹھ پر رکھ دی۔ اس کی پتلون کے پائنچے بھی اوس میں بھیگ گئے تھے۔

میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔''اس آدمی کے سوا اور کسی نے یونگ ہوئی کو نہیں دیکھا۔ وہ یہی کہتا ہے کہ اڑن طشتری آئی تھی۔''

''تو تم رات بھر یہاں رہے؟ کیا دیکھا تم نے؟۔''

''کیا تمہارا خیال ہے میں نے اس کی باتوں کا اعتبار کرلیا؟''

''نہیں''

''سمجھ میں نہیں آرہا ہے اسے کہاں تلاش کروں؟''

''چلو، گھر چلو۔''

''بھائی، تمہارا کیا خیال ہے یونگ ہوئی کیوں چلی گئی؟۔''

''تم دونوں کی وجہ سے۔'' ماں نے کہا تھا۔''وہ اس لیے چلی گئی کہ تم دونوں بے کار پھرتے رہتے تھے۔ ہمارے پاس نہ گھر ہے نہ پیسہ دوسرے نوجوان سوچ سمجھ کر کام کرتے ہیں۔ دیکھو، وہ ابھی تک نوکر ہیں۔ تم دونوں نے ایسی حرکت کیوں کی کہ تمہیں نوکری سے نکال دیا گیا۔

''یونگ ہوئی ہمیشہ کہتی تھی وہ کہیں جارہی ہے۔ میں نے سوچا ہی نہیں کہاں جارہی ہے۔''

''شاید وہ یہ حالات برداشت نہ کرسکی۔''

اس نے برا سا منہ بنایا۔''میرا بھائی ہمیشہ گہری سوچوں میں رہتا تھا۔ اور وہ بہت کچھ جانتا تھا۔ اگر میرے باپ بونے نہ ہوتے تو میرا بھائی بہت بڑا اسکالر ہوتا۔ ذرا سے فارغ

وقت میں بھی وہ کتاب پڑھتا رہتا تھا۔ اسکول سے نکالے جانے ک بعد وہ اور بھی کتابیں پڑھنے لگا تھا۔ اس کے اسی شوق کی وجہ سے ہی اسے پریس میں چھپنے والی نئی کتابیں لاکر دیتا تھا۔ وہ مشکل سے مشکل کتاب بھی تحمل کے ساتھ پڑھ لیتا تھا۔ اگر اس کے پاس پیسہ ہوتا تو کتابوں کی دکان سے کتاب خرید لاتا۔ کتابیں ہی اسے خوشی دیتی تھیں۔ اس کے چہرے پر ہمیشہ افسردگی چھائی رہتی تھی۔ وہ اپنی کاپی میں کتابوں سے ایسی چیزیں نقل کرتا رہتا تھا جو میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔

''تشدد کیا ہے؟۔ تشدد صرف گولی مارنا' مکے مارنا یا ڈنڈے مارنا ہی نہیں ہے۔ شہر کے کسی کونے میں بھوک سے بلکنے والے بچے کو نظر انداز کرنا بھی تشدد ہے۔''

''وہ قوم ترقی نہیں کرسکتی جہاں مخالفت کرنے والے نہ ہوں۔ کون اتنا بہادر ہے جو تشدد کی بنیاد پر امن قائم کرے؟''

''سترھویں صدی کے سویڈش وزراعظم ایکسل اوکسن نے اپنے بیٹے سے کہا۔''کیا تم نے غور کیا کہ یہ دنیا دانش مندانہ طریقے پر چلائی جارہی ہے؟ اس کے بعد سے ہمارے حالات کچھ بھی تو نہیں بدلے ہیں۔''

''اگر لیڈر خوش حال ہوں تو عام لوگوں کی تکلیفیں سب بھول جاتے ہیں۔ وہ جو قربانیوں کی بات کرتے ہیں وہ منافقت ہے میرا خیال ہے کہ پرانے زمانے کا استحصال آج کے مقابلے میں اتنا خطرناک نہیں تھا۔''

''شیکسپئر کے ڈرامے ہیملٹ اور موتزارٹ کی موسیقی پر رونے والوں کے دل اپنے پڑوسی کی آہوں اور کراہوں پر بالکل نہیں پسیجتے۔''

''ہم نے ایک نسل کے بعد دوسری نسل اور ایک صدی کے بعد دوسری صدی آتے جاتے دیکھی ہے۔ لیکن ہم نے کچھ بھی تو نہیں سیکھا۔ کیونکہ ہم ساری دنیا سے الگ تھلگ رہے' ہم نے دنیا کو کچھ نہیں دیا' اسے کچھ نہیں سکھایا۔ انسانی فکروخیال میں ہمارا کوئی حصہ نہیں ہے۔ دوسروں کے افکار سے ہم نے بے کار خیالات اور سطحی فکر ہی حاصل کی ہے۔''

''حکومت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو کچھ دیا جائے تاکہ وہ معاشرے کی روایات قبول کریں اور مصروف رہیں۔ اور انہیں خالی خول اور بے مصرف زندگی گذارنے سے روکا جائے۔''

MashalBooks.org

میرے لیے میرا بھائی ایک معمہ تھا۔ جب میں کتاب پڑھ کر اسے سناتا تو اس کے چہرے کے تاثرات ایسے ہوتے جیسے وہ بہت تکلیف میں ہے۔ یہ تاثرات ایک دکھ اٹھانے والے باوقار انسان کے ہوتے تھے۔ میرا بھائی میری جہالت اور سادہ لوحی پر مجھے حقارت سے دیکھتا تھا۔

''اس سے آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟'' میں نے سوال کیا۔

''یونگ ہو۔'' میرے باپ نے کہا۔''میں چاہتا ہوں تم بھی اپنے بھائی کی طرح کتابیں پڑھا کرو۔''

''اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم مصروف رہیں۔ میرا بھائی بولا۔''کتابوں سے مجھے اپنے آپ کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔''

''اب میں سمجھا۔'' میں نے کہا۔''تم آئیڈیلسٹ ہو۔ آدرش وادی۔''

یہ کہہ کر مجھے خوشی ہوئی۔ میں اپنے بھائی کو بتانا چاہتا تھا کہ میں بھی اس کی طرح بڑا ہوگیا ہوں۔ میں بتانا چاہتا تھا کہ میں دوسرے لڑکوں اور لڑکیوں کی طرح نہیں ہوں۔ میں اتنا بڑا ہوگیا ہوں کہ مشکل الفاظ بول سکوں۔ میں نے اس کا آدرش وادی کا گمبھیر چہرہ غور سے دیکھا۔ میری توقع صحیح نہیں تھی۔ میرا بھائی غصے میں تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس وقت غصے میں کیوں ہے۔ پھر میں نے سوچا میں ہی بیوقوف ہوں۔ ہم بونے آدمی کے بچے ہیں۔ میرا بھائی وہاں سے چلا گیا۔ اس کے کاندھے جھکے ہوئے تھے۔ میں نے ایک پتھر اٹھایا اور گندے نالے میں پھینک دیا۔ پانی میں بلبلے اٹھے۔ میں نے اپنے گھر کے سامنے سے نالے میں پتھر پھینکتا رہا۔

''یونگ ہو'' میری ماں نے آواز دی۔ بس کرو بلدیہ کے دفتر جاؤ اور دیکھو کیا ہو رہا ہے۔

''میں جاؤں نہ جاؤں اس سے کیا فرق پڑے گا۔ ایک گھنٹہ پہلے دولاکھ بیس ہزار وان نرخ تھا۔ آپ سمجھتی ہیں اب قیمت بڑھ گئی ہوگی؟''

''تم جا کر دیکھو تو ان سے کہو ہم دولاکھ پچاس ہزار میں بیچ دیں گے۔''میں نے ایک اور پتھر اٹھایا اور نالے کی طرف اچھال دیا۔ بلدیہ کے دفتر کے باہر لوگوں کا ہجوم تھا۔ وہاں چند کاریں بھی تھیں۔ دو قسم کے لوگ تھے وہاں۔ ایک وہ جو مالکانہ حقوق فروخت کرنا چاہتے

تھے۔اور دوسرے وہ جو خرید رہے تھے۔فروخت کرنے والے،جن کے چہروں پر گھبراہٹ تھی، پراپرٹی ڈیلروں کے منہ دیکھ رہے تھے۔سب غریب لوگ تھے جنہیں پورا کھانا بھی نہیں ملتا تھا۔ ان کے چہروں سے آنسوؤں کی بوآتی تھی۔میں وہ بو سونگھ رہا تھا۔کسی نے میرا بازو پکڑا۔ وہ یونگ ہوئی تھی۔ وہ دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔دھوپ سے اس کا چہرہ تمتمارہا تھا۔ وہ جام شل سے آئی تھی۔ بلدیہ کے دفتر کے قریب جو فلیٹ تھے ان کی قیمت بھی دولاکھ بیس ہزار تھی۔ میں نے سوچا یہاں ٹھہرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔

''بھائی۔'' یونگ ہوئی بولی''ماں سے کہو قیمت کم ہونے سے پہلے ہمیں بیچ دینا چاہیے۔''

''میں خرید لوں گی'' ایک عورت بولی''میں پراپرٹی ڈیلر نہیں ہوں۔ میں اپنے لیے خرید رہی ہوں، تم اس کے مالکانہ حقوق دیدو گے نا؟''

''ہاں ہاں، بالکل۔'' میں نے کہا۔''ہمارے پاس نمبر پلیٹ ہے۔''

''تمہاری نمبر پلیٹ کس شکل کی ہے؟۔''

''وہ المونیم کی چھوٹی سی پلیٹ ہے۔'' اس پر لکھا ہے غیر منظور شدہ ڈھانچہ اور اس پر نمبر ہیں۔''

''تو پھر وہ''بغیر پلیٹ کے'' کیا مطلب ہے؟ کیا وہ سستا ہوتا ہے؟''

''بغیر پلیٹ کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پر نمبر پلیٹ نہیں ہے کئی سال پہلے جب اس کچی آبادی کا سروے کیا گیا تو پتہ چلا کہ بہت سے مکان نجی اراضی پر بنالیے گئے ہیں۔ کچھ مکانوں کا تو سروے کرلیا گیا تھا کچھ رہ گئے تھے۔''

عورت پسینہ پسینہ ہورہی تھی۔ اس نے رومال سے پسینہ پونچھا اور نوٹس بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔اس پر غیر منظور شدہ مکانوں کے مالکانہ حقوق کی منتقلی کا فارم چسپاں تھا۔ اس کے نیچے لکھا تھا۔

''ٹرانسفر فارم،ایک نقل خریدار کی منظور شدہ مہر، ایک نقل، خریداری کے معاہدے کی دونقلیں، ضامن کا

حلف نامہ،ایک نقل۔'' عورت نے پڑھا۔

''خریداری کی دستاویز کی ایک نقل ہی کافی ہوگی'' میں نے کہا۔''اور ہم مسمار کرنے کی تاریخ سے پہلے کی تاریخ لکھ دیں گے۔''

''اس سے کوئی گڑ بڑ تو نہیں ہوگی''

نہیں بالکل نہیں۔ کیونکہ مکان کا انتقال تو آپ کے نام ہوگا۔اور فلیٹ پر آپ کا قبضہ ہوگا۔

''یہ قانون کے خلاف تو نہیں ہے؟'' عورت پریشان کھڑی پسینہ پونچھ رہی تھی۔

''آپ بلدیہ کے دفتر میں متعلقہ لوگوں سے پوچھ سکتی ہیں۔''میں نے کہا۔'' ان سے پوچھ لو' وہ غیر قانونی کام کیوں کر رہے ہیں؟

''دولاکھ بیس ہزار ہیں۔آپ دس ہزار کم کر سکتے ہیں؟۔''

''محترمہ' ہمارا گھر مسمار کیا جارہا ہے۔ اگر ہم اسے دوبارہ بنائیں تو ہمیں کم سے کم تیرہ لاکھ وان کی ضرورت ہوگی۔ ہمارے باپ نے پوری زندگی لگا کر یہ مکان بنایا ہے۔ ہماری طرف سے اس کی قیمت دولاکھ بیس ہزار ہے۔ اگر ہم اس میں سے ایک لاکھ پچاس ہزار نکال دیں جو ہمارے کرایہ داروں کی سیکیورٹی ہے اور جو انہیں واپس کرنا ہے' تو ہمیں ستر ہزار ہی بچیں گے۔''

''یعنی' آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ دولاکھ دس ہزار آپ کو منظور نہیں ہیں۔

میں کچھ نہیں بولا۔عورت چلی گئی۔ یونگ ہوئی نے میری پیٹھ پر گھونسا مارا۔تھوڑی دیر بعد پھر مارا۔ وہ بلیو جین پہنے ہوئی تھی۔ اس پر وہ اچھی لگ رہی تھی۔ یونگ ہوئی کی طرف مُڑے بغیر میں آگے چل دیا۔

''بیچنے سے پہلے انتظار کرو۔'' کار میں بیٹھے ایک آدمی نے کہا۔''میں خرید لوں گا۔''

''کتنے میں؟۔''

''تم کتنے مانگ رہے ہو؟''

''دولاکھ پچاس ہزار۔''

''ٹھیک ہے۔ میں شام کو آؤں گا۔ اور اگر تمہارے پڑوس میں اور بھی لوگ اپنے مکان بیچ رہے ہیں تو ان سے بھی کہنا وہ میرا انتظار کریں۔''

''تھوڑا انتظار کریں؟'' میرے باپ بولے۔''یہاں ایسے لوگ ہیں جو سچ بول کر قبر میں چلے جاتے ہیں۔ بچو تمہارے ساتھ یہی ہو رہا ہے۔''

میرا بڑا بھائی اور میں گندے نالے کے پل پر کھڑے تھے۔ ہمارے باپ ریلنگ پر بیٹھے شراب پی رہے تھے۔ میں انتظار کر رہا تھا کہ وہ کب شراب ختم کریں۔ پل کے آخری سرے پر لش بیٹھا تھا۔ وہ نشے میں دھت تھا۔ اور خراٹے لے رہا تھا۔ میرے باپ اس سے بھی کم شراب پی کر دھت ہو جاتے تھے۔ رات ہو گئی تھی اور ہمسائے میں لوگوں نے بتی بجھا دی تھی اور سونے کے لیے لیٹ گئے تھے۔ دو گھروں میں روشنی تھی ایک ہمارے اور ایک لش کے گھر میں۔ مجھے ڈر تھا کہ میرے باپ کہیں شراب پی پی کر مر ہی نہ جائیں۔ بڑے بھائی نے ان سے بوتل نہیں لی تھی۔ میں نے اس دن کا تصور کیا جب میرے باپ کی آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند ہو جائیں گی۔ موت ہر چیز کو ختم کر دیتی ہے۔ پہاڑی کے چرچ کا پادری عجیب آدمی تھا۔ وہ انسان کی شرافت' اس کے دکھ اور پھر نجات کی باتیں کرتا تھا۔ اس نے کہا مرنے کے بعد انسان ایک اور قسم کی زندگی شروع کرتا ہے۔ لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔ میرے باپ کے لیے کوئی شرافت' اور نجات نہیں تھی۔ صرف دکھ ہی دکھ تھے۔ ایک بار میں نے غلاموں کی خرید و فروخت کی دستاویز دیکھی تھی۔ یہ دستاویز میرے بھائی نے پریس میں ٹائپ سیٹ کی تھی۔ ظاہر ہے اکیلے ہی دکھ اٹھانے والے نہیں تھے۔ میرے باپ اور ماں کو امید تھی کہ ہم سب بچے نئی زندگی شروع کریں گے۔ مگر ہم اپنی پہلی جنگ تو ہار چکے تھے۔

میں نے اس دن کا تصور کیا جب آخری بار میری آنکھیں بند ہو جائیں گی۔ میں نے اپنے باپ کے بارے میں کوئی اندازہ نہیں لگایا۔ میرے باپ' ان کے باپ اور ان کے دادا پردادا سب اپنے زمانے کی پیداوار تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ میرا جسم میرے باپ سے بھی چھوٹا ہو گیا ہے۔ ہمیشہ کے لیے جب میری آنکھیں بند ہوں گی تو میں چھوٹا سا مسخرہ ہی ہوں گا۔

کسی نے بھی ہمیں کوئی کام نہیں دیا۔ لوگ ہمیں پرنٹنگ پریس میں گھسنے ہی نہیں دیتے تھے۔ کمپنی کا صدر اور اس کا عملہ کانفرنس روم کی کھڑکی میں کھڑا ہمیں دیکھ رہا تھا۔ ہمیں کام سے نکال دیا گیا تھا۔

MashalBooks.org

''تم دوبارہ ان سے بات کیوں نہیں کرتے'' میرے باپ نے کہا۔''تم بتا رہے ہو کہ صرف تم ہی رہ گئے ہو۔تم سب نے مل کر کام بند کیا تھا اور صدر سے بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔مگر باقی لوگوں نے تم سے دغا کی اور صرف تم دونوں ہی باہر رہ گئے۔ یہی کہہ رہے ہو نا تم؟''

''بس بہت ہوگئی بابا۔'' میں نے کہا

''بہت اچھا کیا'' بابا نے بوتل اٹھائی اور پھر گھونٹ بھرا۔''تم نے بھی اچھا کیا اور ان نوجوانوں نے بھی اچھا کیا۔''

''ہم گھر جا رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے جاؤ۔اپنی ماں کو یہاں بھیج دینا۔''

''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' یہ ماں تھیں۔ وہ جس سے ٹھوکر کھاتے کھاتے بچی تھیں۔''خوب' تم دونوں اپنے باپ کا خیال نہیں رکھ سکتے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' ماما نے خالی بوتل پل کے نیچے پھینک دی۔

''یہ لڑکے بھی خوب ہیں۔ یہ صدر سے ملے اور اس سے کہا کہ اگر کمپنی کو ترقی کرنا ہے تو انہیں اپنے ہی گلے کاٹنا پڑیں گے۔مزدوروں کو مجبور نہیں کیا جائے گا کہ وہ ایسا کام کریں جو صدر خود بھی نہیں کرنا چاہیں گے۔لڑکو' کیا تم سمجھتے ہو کہ تمہاری ماں کی سمجھ میں یہ بات آجائے گی؟۔''

''ماما' ایسے نہیں ہوا۔'' میں نے کہا۔''ہم کسی سے بھی نہیں ملے۔ ہم جو منصوبہ بنا رہے تھے اس کی خبر باہر نکل گئی اور ہمیں نوکری سے نکال دیا گیا۔''

''ایک ہی بات ہے''۔ ماما نے زور سے کہا۔''اگر تم صدر سے ملتے تو اس سے یہی کہتے۔ٹھیک ہے نا؟ جواب دو۔''

''جی'' میں نے جواب دیا۔

''سنا تم نے؟'' انہوں نے ماما سے کہا۔''تم نے سنا؟''

''فکر کی بات نہیں ہے۔'' ماما نے کہا۔''لڑکے اچھے کاریگر ہیں۔انہیں کسی بھی کارخانے میں کام مل جائے گا۔''

''کیسی باتیں کررہی ہو۔''

''جانتی ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ کسی اورکارخانے میں ان کا جانا فائدہ مند ہوگا۔''

''نہیں، تمام کارخانے والوں کو معلوم ہوگیا ہے۔وہ سب ایک ہی جیسے ہیں۔ کوئی کارخانہ بھی انہیں لے گا۔تم نہیں جانتیں ان لڑکوں نے کیا حرکت کی ہے۔''

''اچھاخاموش رہو۔تم تو ایسے کہہ رہے ہوجیسے انہوں نے حکومت کے خلاف بغاوت کی ہو۔''

''کیا؟''

''اچھاچلو''

''بڑا بھائی پل پر جارہا تھا۔ آخری سرے پرجاکر اس نے نشے میں دھت لش کو اپنی پیٹھ پرلادلیا۔ پہلے وہ لڑکھڑایا پھر سنبھل گیا۔ اس نے کئی دن سے پیٹ بھرکے کھانا نہیں کھایاتھا۔ وہ اچھی طرح سویا بھی نہیں تھا۔ اس کی زبان پر چھالے پڑگئے تھے اور اس کی بھوک بند ہوگئی تھی۔ اور اب اس کا اثر ہورہا ہے۔ بھائی نے لش کو برآمدے میں اتارا۔لش کی چھوٹی سی بیٹی آنکھیں ملتی ہوئی آئی اور اسے چت لٹایا۔ہم گلی سے باہر آئے اور گہری سانس لی۔ ماما اپنی پیٹھ پر بابا کو اٹھائے جاری تھیں۔ میرا بھائی دونوں ہاتھوں سے اپنا سردباتا ہوا پلٹا۔

مزدور اپنی عادت کے مطابق چھوٹے سے میدان میں گئے اور گیند پرٹھوکریں مارنے لگے۔ انہوں نے مڑکر ہماری طرف دیکھا بھی نہیں بیس منٹ بعد پسینے میں شرابور ہوکر وہ پریس کے اندر چلے گئے۔

''کیامصیبت ہے''۔ میرے بھائی نے ہونٹوں میں کہا۔

''امید ہےتم اپنا ارادہ نہیں بدلوگے۔'' کاروالے آدمی نے کہا۔

''اگر دولاکھ پچاس ہزارمل جائیں تو پھرکوئی بات ہی نہیں ہے۔'' میں نے کہا۔

اس رات کا روالے آدمی نے محلے کے ان تمام لوگوں سے ان کے مالکانہ حق خرید لئے جن کے پاس یہ حق ابھی تھا۔ اس نے دولاکھ پچاس ہزار کے حساب سے خریدا۔ میرے ایجنٹ دولاکھ بیس ہزار دے رہے تھے۔اسی رات یونگ ہوئی پھولوں کی کیاری کے پاس بیٹھ

MashalBooks.org

کر گٹار بجانے لگی۔ اس نے پینزی کے دو پھول توڑے۔ ایک گٹار میں لگایا اور دوسرا اپنے بالوں میں اڑس لیا۔ وہ وہاں سے ہلی نہیں اور گٹار بجاتی رہی۔ کار والے آدمی نے میرے باپ کو سگریٹ پیش کیا۔

''یہ دو لاکھ پچاس ہزار ہی ہیں نا؟'' میری ماں نے سوال کیا ایک بوڑھے آدمی نے، جو کار والے کے ساتھ آیا تھا کالا بریف کیس کھولا اور اس میں رکھی ہوئی رقم دکھائی۔ وہ برآمدے میں بیٹھ گیا اور خریداری کے کاغذات تیار کرنے لگا۔ میری ماں اندر گئیں۔ اور مکان کی دستاویز لے آئیں۔ بابا نے فروخت کرنے والے شخص کے نام والے خانے میں اپنا نام کم پل ری لکھا اور اپنی مہر لگا دی۔ انہوں نے اپنا نام چینی رسم الخط میں لکھا تھا۔ بوڑھے آدمی نے میرے باپ کے نام کے معنی پر غور نہیں کیا۔ کم پھل نام میں غریب ماں باپ کی یہ خواہش پوشیدہ تھی کہ ان کا بیٹا بڑا ہو کر بہت امیر کبیر بنے گا۔ وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ اس نام میں کتنا درد چھپا ہوا ہے۔ ماں نے ایک ایک کر کے تمام چیزیں کاغذ میں لپیٹ دیں۔ نمبر پلیٹ، چاقو چھری تیز کرنے والا آلہ، مکان گرانے کا نوٹس جس کی وجہ سے ماں نے اپنے سینے پر دو ہنٹر برسائے تھے، دو نقلیں باپ کی رجسٹرڈ مہر کی جسے سستے داموں مکان فروخت کرنے کے لیے پہلی بار استعمال کیا گیا تھا، جائیداد کے انتقال کی کاپی دو خاندان کے افراد کے ناموں کی فہرست، یونگ ہوئی نے، جو پھولوں کے پاس بیٹھی تھی سر جھکا لیا۔ اس آدمی نے رقم دی۔ ماں نے سر جھٹکا، پیچھے ہٹیں اور بیٹھ گئیں۔ بابا نے رقم وصول کی۔ انہوں نے صرف تین سیکنڈ میں رقم اپنے پاس رکھی اور پھر ماں کے حوالے کر دی۔ ماں نے دونوں ہاتھوں سے وصول کی۔

دوسری صبح ہونگ ہوئی کی ماں نے اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر توڑ ڈالا۔ ماں نے ان کے ایک لاکھ پچاس ہزار وون واپس کر دیے۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے کھڑی رہیں۔ گلی میں ایک ٹرک آیا اور ہونگ ہوئی کے خاندان کا سامان لاد لیا۔ ہونگ ہوئی کی ماں نے اپنے اسکرٹ کے دامن سے اپنے آنسو پونچھے۔''

''یہ عجیب بات نہیں ہے۔'' انہوں نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔ ''جو چیزیں ہمیں بہت عزیز ہوتی ہیں وہ کبھی کبھی بہت دکھ پہنچاتی ہیں۔''

MashalBooks.org

ان الفاظ سے ہماری آنکھیں بھی نم ہوگئیں۔ ٹرک ہمارے گھر کے پاس سے گذرا۔ میرے باپ نے ہاتھ اٹھایا پھر گرالیا۔ ان کے بائیں ہاتھ میں چی سوپ کی کتاب تھی۔ وہ بابا کے ہاتھ سے پسینے سے بھیگ گئی تھی۔ ہمیں چی سوپ اور بابا ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے وہ خلا سے پاراڑ گئے ہوں۔ ایک دن میں انہوں نے کئی بار چاند تک اڑان کی تھی۔

''زندگی گذارنا بہت مشکل کام ہے۔'' ماما نے کہا۔''اس لیے میں نے سوچا کہ چاند پر چلا جاؤں اور کسی رصد گاہ میں کام کروں۔ میرا کام ٹیلی اسکوپ کے شیشوں پر نظر رکھنا ہوگا۔ اور چونکہ چاند پر گردوغبار نہیں ہوتا اس لیے شیشوں پر گرد بھی نہیں جمے گی۔ پھر بھی ایسے آدمی کی ضرورت ہوتی ہے جو ان پر نظر رکھے بابا، کیا آپ سچ کہتے ہیں کیا ایسا ممکن ہے''میں نے پوچھا، اب تک تم نے کیا سیکھا''بابا نے کہا، تین سو سال ہو گئے ہیں جب نیوٹن نے ایسا نظریہ پیش کیا تھا۔ تم نے وہ پڑھا ہے نا؟ پھر تم ان لوگوں کی سی باتیں کرتے ہو جو کائنات کے بارے میں تو جانتے ہیں مگر اپنے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے'' تو کیا کسی نے کہا ہے کہ وہ آپ کو چاند پر لے جائے گا؟'' چی سوپ نے ہیوسٹن میں خلائی مرکز کو خط لکھا ہے۔ اسے مسٹر راس کی طرف سے جواب مل جائے گا، وہ وہاں انچارج ہیں۔ غالباً جلد ی اس کا انتظام ہو جائے گا۔ میں خلابازوں کے ساتھ جاؤں گا''۔ آپ یہ کتاب چی سوپ کو دے دیجئے۔''اس نے کہا''اور اس کی باتوں پر نہ جایئے وہ پاگل ہے''۔''تم یہ تصویریں دیکھو، یہ فرامؤنس بیکن ہے ان میں زیادہ وہ لوگ ہیں جنہیں سب پاگل کہتے تھے اور تم جانتے ہو ان پاگلوں نے کیا کیا کارنامے ہمارے لئے چھوڑے ہیں''

''نہیں میں نہیں جانتا''

''بیکار کی پڑھائی کی ہے تم نے اسکول میں''۔

''ٹھیک ہے آپ یہ کتاب واپس کر دیجئے''

''تم لوگ سمجھتے نہیں اس زمین پر میں مرتے دم تک پریشانیوں میں مبتلا رہوں گا اور سڑسڑ کے مر جاؤں گا۔ تم یہی سوچتے رہو گے کہ میں آخری وقت تک کام کرتا رہوں گا اور اسی طرح میرا دم نکلے گا''۔

''آپ کا جو جی چاہے سوچئے''۔

''تم میں سے کوئی بھی چی سوپ سے کچھ سیکھنا نہیں چاہتا؟''

''ہم اس سے کیا سیکھ سکتے ہیں؟''

''میں تمہیں دکھاتا ہوں۔ میں چی سوپ سے بات کروں گا۔اور جب تک مسٹر راس کا خط آئے گا میں تمہیں دکھاؤں گا گیند خلا میں کیسے بھیجی جا سکتی ہے۔''

''وہ ملی تمہیں؟''

''نہیں''

''تو تم رات بھر کہاں رہے؟''

میں نے ایک اور کنکری اٹھائی اور گندے نالے کی طرف پھینک دی، ماں بھی تھک گئی تھی اور اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کر رہی تھی۔ بڑا بھائی ماں کو ہمارے گھر کے دروازے کے اندر لایا۔وہ پرسکون صبح تھی۔ ایک سو سے زیادہ مکان گرا دیئے گئے تھے۔اگر یونگ ہوئی نہ چلی جاتی تو ہم بھی کل ہی چلے گئے ہوتے۔اس کے سوا ہمارے پاس یہاں ٹھہر جانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔اس علاقے میں آخری دن ایک ڈروَنا خواب تھے۔ ہم یونگ ہوئی کی تلاش میں مارے مارے پھرتے رہے۔کسی نے اسے نہیں دیکھا تھا وہ گھر سے کوئی تھیلا لئے چلی گئی تھی۔وہ صرف ٹوٹے ہوئے تار والا گٹار اور پینزی کے دو پھول لے گئی تھی۔ میں نے دو کنکریاں پانی میں پھینکیں کوئی آواز نہیں آئی، پانی کی لہریں ابھی گھاس سے ٹکرا رہی تھیں چی سوپ سیدھا میری طرف آ رہا تھا، وہ اس جگہ سے گزرا تھا جہاں حجام کی دکان تھی اور اس کے ہاتھ میں گائے کا گوشت تھا۔ میرے باپ نے دروازے پر اس کا استقبال کیا اس نے ہاتھ ہلایا اوراندر لے گئے۔میرے باپ نے تو گوشت باورچی خانے میں ماں کو دیا۔ باورچی خانے میں دھواں بھی ہو رہا تھا۔ میرا بھائی چولہے کے پاس جھکا ہوا پھونکیں مار رہا تھا۔ وہ کھڑا ہوا اور آنکھوں سے پانی پونچھااور چولہے میں لکڑیاں ڈال دیں۔ماں باورچی خانے سے باہر آئی اور اپنی آنکھیں پونچھیں۔ ہم کئی دن سے ہونگ ہوئی کے گھر سے دروازوں اور کھڑکیوں کی لکڑیاں اٹھا کر لا رہے تھے،اور ان سے آگ جلا رہے تھے۔ بھائی نے دروازے کی لکڑی توڑی اور اسے چولہے میں رکھا اور باہر آ گیا۔ اس سے دھویں کی بو آ رہی تھی،میرے باپ بُری طرح کھانس رہے تھے۔میرے باپ اور چی سوپ کچھ نہیں

بولے، چی سوپ کتاب پڑھنے لگا جو اس نے میرے باپ کو دی تھی۔ میرے باپ نے بتایا تھا کہ چی سوپ جیل جا چکا ہے۔ میرے باپ نے بتایا کہ وہ بغیر کسی وجہ کے جیل گیا تھا۔ چی سوپ برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھا کتاب پڑھ رہا تھا۔ میں اور میرا بھائی سیمنٹ کی دیوار کے پاس کھڑے باہر دیکھ رہے تھے۔ سارے گھر گرا دیئے گئے تھے اور ہمیں بلدیہ کا دفتر صاف نظر آرہا تھا۔ اس کے پرے صاف ستھرے چمکتے ہوئے گھر دکھائی دے رہے تھے۔ ان گھروں کے دائیں جانب بڑی سڑک اور سپر مارکیٹ تھی۔ وہ بیکری جہاں یونگ ہوئی کام کرتی تھی صاف نظر آ رہی تھی۔ ہم بیکری کی کھڑکی سے دیکھتے تھے وہ بہت خوب صورت دکھائی دیتی تھی۔ کوئی یقین ہی نہیں کر سکتا تھا کہ وہ بونے کی بیٹی ہے۔ ہم نے یونگ ہوئی کو بہت تلاش کیا مگر نہیں ملی۔

مجھے چولہے پر ابلتے ہوئے گوشت کی یخنی کی خوشبو آرہی تھی بھنا ہوا گوشت بھی تھا۔ ماں نے کپڑے سے میز صاف کی اور کھانا رکھا۔ بلدیہ کے دفتر کے باہر لوگ کھڑے تھے ان کے ہاتھوں میں بڑے بڑے ہتھوڑے تھے، انہوں نے خالی جگہ پار کی جہاں پہلے گھر کھڑے تھے اور ہماری طرف آئے۔ میں نے باہر کا دروازہ بند کر دیا۔ ماں نے میز پر کھانا رکھا تھا۔ میرا بھائی کھانا باہر لے آیا، وہ میری طرف سے پریشان تھا خواہ مخواہ کی پریشانی، وہ لوگ اگر اپنے ہتھوڑے میرے سر پر بھی مارتے تو میں خاموش رہتا۔ باپ نے کھانا پہلے شروع کیا پھر چی سوپ نے شروع کیا۔ ماں برآمدے میں بیٹھی تھی۔ انہوں نے یخنی پی، میں نے اور بھائی نے چاولوں پر یخنی ڈالی۔ دروازے پر دستک ہوئی۔ ہم بیٹھے کھانا کھاتے رہے۔ اس وقت یونگ ہوئی کہاں ہوگی؟۔ وہ کیا کھا رہی ہوگی؟ ہمیں نہیں معلوم۔ ہمارے جدائی کے زمانے سے پہلے کھانے کی میز پر ہی ہمارا خاندان وقت گزارتا تھا۔ اگر آپ اس وقت کو ہاتھ میں پکڑیں اور اسے چاقو سے کاٹیں تو اس کے ہر خلیئے سے خون، آنسو، کھوکھلے قہقہے اور کھانسی کے ٹکڑے ہی نکلیں گے۔ انہوں نے ہماری سیمنٹ کی دیوار پر ہتھوڑے مارے پہلے اس میں سوراخ ہوئے پھر دیوار گر گئی اور گرد اڑی۔ ماں ہماری کھانا لائی۔ ہم خاموشی سے کھانا کھاتے رہے۔ باپ نے ہمارے پیالوں میں بھرے چاولوں میں بھونے ہوئے گوشت کے ٹکڑے رکھے۔ وہ لوگ سیمنٹ کی دیوار سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ وہ اندر

نہیں آئے اور ہمارا کھانا ختم ہونے کا انتظا کرتے رہے۔ماں باورچی خانے میں گئی اورگرم گرم شوربہ لائی۔باپ اور چی سوپ نے شوربہ پیا۔شوربہ ختم ہوا تو ماں نے میز سے برتن اٹھائے۔ میں باہر آیا اور دروازہ کھولا۔ ماں کھانے کی میز صحن میں لے آئیں۔بھائی گٹھڑی اٹھا کر لائے جس میں ہمارے لحاف اور چادریں وغیرہ تھیں۔ہتھوڑوں والے لوگ ٹوٹی ہوئی دیوار سے ہمیں دیکھ رہے تھے۔ ہم ایک ایک کر کے وہ چیزیں باہر لے آئے جو ماں نے اکٹھی کی تھیں۔ماں باورچی خانے میں گئی اور چاول دھونی والی بانس کی چھلنی چھریاں اور گوشت کاٹنے والی لکڑی کا کندہ لے آئیں۔ہتھوڑے والے آدمیوں کے ساتھ ایک آدمی کھڑا تھا جس کے ہاتھ میں ہتھوڑا نہیں تھا۔ بلکہ کاغذ اور قلم تھا۔اس کی نظریں میرے باپ کی نظروں سے ملیں باپ نے اسے خالی ہاتھ سے گھر کی طرف اشارہ کیا۔ہتھوڑے والے آدمیوں نے گھر پر ہتھوڑے مارنا شروع کر دیئے۔انہوں نے گھر پر حملہ کیا اور اسے گرا دیا۔ ماں گھر کی طرف پیٹھ کئے اپنا گھر گرنے کی آوازیں سنتی رہیں۔انہوں نے شمال کے رخ والی دیوار پر حملہ کیا تھا اور چھت نیچے آ رہی تھی۔ چاروں طرف دھول اڑنے لگی وہ لوگ پیچھے ہٹے اور دوسری دیوار پر حملہ کیا۔ یہ کام بہت آسان معلوم ہو رہا تھا کہ جلدی ختم ہو گیا۔انہوں نے اپنے ہتھوڑے رکھے اور اپنے چہروں پر سے پسینہ صاف کیا۔جس آدمی کے ہاتھ میں کاغذ تھا اس نے کچھ کہا۔ چی سوپ نے کتاب میرے باپ کو دے دی۔وہ ان لوگوں کی طرف بڑھا۔

''یہ تم نے کیا کیا؟'' اس نے بہت احترام کے ساتھ سلام کیا۔

''ان لوگوں کو اس کی بات سمجھنے میں کچھ دیر لگی'' آپ کو مکان گرانے کے لئے سترہ تاریخ دی گئی تھی۔آپ نے نہیں گرایا۔ہم نے قانون کے مطابق یہ مکان گرایا ہے''۔

وہ آدمی مڑکر جانے ہی والا تھا کہ چی سوپ جلدی سے بولا" کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ کو کیا کرنے کا حکم دیا گیا تھا ؟۔ایک ہزار سال بھی ہو سکتے ہیں۔آپ کی سہولت کے لئے ہم پانچ سو سال کہہ سکتے ہیں۔ آپ نے ابھی جو مکان گرایا ہے وہ پانچ سو سال سے یہاں کھڑا تھا۔ پانچ نہیں' پانچ سو سال۔''

''پانچ سو سال ؟!۔یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''۔

''آپ نہیں جانتے ؟''۔ چی سوپ نے جواب دیا۔

''راستے سے ہٹ جاؤ''

" آپ نے انہیں پھنسا دیا ہے۔ آپ نے یا آپ کے افسروں نے۔ آپ کو معلوم ہونا چاہئے۔ ایک سو سے زیادہ خاندان یہاں رہتے ہیں۔ آپ نے ان سب کو یہاں بند کر دیا ہے۔ جاؤ انہیں بتا دو کہ میں نے تمہیں تھپڑ مارا ہے''

اس آدمی نے اس کی پروانہ کی اور واپس جانے کے لئے مڑا۔ اب چی سوپ کا تھپڑ اس آدمی کے منہ پر پڑا تھا۔ وہ آدمی دونوں ہاتھوں سے اپنا منہ پکڑ کر جھک گیا۔ ابھی وہ جھکا ہی تھا کہ چی سوپ نے ایک اور مکا رسید کیا، آدمی تکلیف سے دہرا ہو گیا۔ ہمیں بیچ بچاؤ کا موقع ہی نہیں ملا۔ ہتھوڑوں والے آدمی بھی کھڑے کے کھڑے رہ گئے۔ پھر وہ آگے بڑھے اور چی سوپ پر پل پڑے۔ وہ اس پر مکے برسا رہے تھے۔ میں اور میرا بھائی آگے بڑھے مگر باپ نے ہمیں پکڑ کر ایک طرف کر دیا۔

"تم اس بیچ میں نہ پڑو"۔

انہوں نے کہا تم دونوں کسی ایسے آدمی کو تلاش کرو جو ہماری طرف سے بولے''۔

میں اور میرا بھائی دیکھتے رہے ہمارا باپ ہمیں پکڑے ہوئے تھا۔ مار پٹائی جلدی ختم ہو گئی تھی۔ وہ لوگ سیدھے کھڑے ہو گئے تھے۔ چی سوپ زمین پڑا تھا جیسے مر گیا ہو۔ انہوں نے سہارا دے کر اسے کھڑا کیا۔ ماں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا۔ چی سوپ کا چہرا خونم خون ہو رہا تھا۔ خون سر سے بہہ کر چہرے پر آرہا تھا۔ وہ چی سوپ کو لے گئے۔ وہ جدھر سے آئے تھے ادھر ہی چلے گئے۔ سیدھے خالی پلاٹ پار کرتے ہوئے بلدیہ کے دفتر سے ہوتے ہوئے بڑی سڑک کی طرف چلے گئے۔ باپ ہماری طرف مڑے اور کتاب بھائی کو دے دی۔ باپ ان لوگوں کی طرف چل دیئے۔ ان کا چھوٹا سا سایہ ان کے پیچھے تھا۔ ہم یہ برداشت نہ کر سکے۔ میرے اوپر نیند سوار ہو گئی۔ میں نے ٹوٹے ہوئے اپنے دروازے کا ایک حصہ زمین پر رکھا اور اس پر لیٹ گیا۔ میری پیٹھ پر دھوپ پڑ رہی تھی۔ ہولے ہولے میں نیند میں چلا گیا۔ چی سوپ اور ہمارے خاندان کے سوا باقی ساری دنیا عجیب و غریب تھی۔ دھوپ میں لیٹے لیٹے میں نے خواب دیکھا۔ یونگ ہوئی پینزی کے دونوں پھول بیکری

کی گندی نالی میں پھینک رہی ہے۔

3

ڈرائنگ روم کے کلاک میں لگے الو نے چار بجائے میں اتنی دیر تک نہیں جاگا تھا۔ میں نے جو سترہ سال گزارے تھے وہ اس ایک رات کے مقابلہ میں بہت طویل لگے۔ لیکن ہمارے بذرگوں نے یہاں جو عمر گزاری ہے سترہ سال اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ اس کا حساب میرے بھائی نے لگایا ہے۔ اور جو وقت ہمارے بزرگوں نے گزارہ ہے اس کے مقابلے میں۔۔۔۔ہاں، میرے باپ کہتے ہیں کے وہ چاند پر جائیں گے۔اور وہاں رصد گاہ میں کام کریں گے۔چاند سے تو بہت دور ستاروں کا جھرمٹ بھی صاف نظر آئے گا۔ چی سوپ کا کہنا ہے کہ وہ جھرمٹ پانچ ارب نوری سال دور ہے۔ میں اپنے سترہ سال کا مقابلہ پانچ ارب سال سے نہیں کر سکتا۔ اس کے مقابلے میں تو ایک ہزار سال بھی ریت کے چند ذروں کے برابر ہوں گے۔ میرے لئے تو پانچ ارب سال دائمی یا ہمیشگی کے برابر ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ ہمیشگی کا احساس کیسا ہوتا ہے۔اگر اس کا کچھ تعلق مدت سے ہے تو ہو سکتا ہے میں اسے موت کے ذریعے سمجھنا شروع کر دوں۔ مدت کا خیال آتا ہے تو ایک منظر میرے سامنے آجاتا ہے۔ ریگستان کا افق،رات پڑتے پڑتے ہوا میں گرد اڑنے لگتی ہے۔ جہاں افق کی لکیر ختم ہوتی ہے وہاں میں کھڑا ہوں گا۔میرے ٹانگیں تھوڑی سی کھلی ہوئی ہیں میرے ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے ہیں۔میرا سر جھکا ہوا ہے اور میرے بال سینے پر پڑے ہوئے ہیں اگر میں آنکھیں بند کرتا ہوں تو مدھم ہو کر غائب ہو جاتا ہوں۔صرف باقی رہ جاتا ہے خاکستری افق جہاں ہوائیں چل رہی ہیں۔ یہ موت ہے میں جانتا ہوں۔کیا موت دوام اور ہمیشگی کی طرح نہیں ہوتی؟۔

ہماری زندگی خاکستری ہے سیاہ و سفید کے درمیان۔ جب تک میں گھر سے باہر نہیں نکلتا اپنا گھر پوری طرح نہیں دیکھ سکتا۔ ہمارا اپنا خاکستری گھر اور خاکستری رنگ کا خاندان منی ایچر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ ہمارے خاندان والے اس طرح کھاتے ہیں کہ ان کے ماتھے ٹکرا رہے ہوتے ہیں۔پھر جب باتیں کرتے ہیں تب بھی ان کے ماتھے ٹکراتے ہیں۔ وہ

بہت آہستہ بولتے ہیں ان کی بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔ میری ماں جو قد میں باپ سے بھی چھوٹی ہوگئی ہیں باورچی خانے میں جاتے جاتے ٹھہر جاتی ہیں اور آسمان کو دیکھتی رہتی ہیں۔ آسمان بھی خاکستری ہو رہا ہے۔ میں آزادی کے خواب دیکھتا ہوا گھر سے نہیں بھاگا۔گھر چھوڑنے کا یہ مطلب نہیں کہ میں آزاد ہو جاؤں گا۔باہر سے میں اپنا گھر دیکھ سکتا ہوں۔یہ بہت ہولناک بات ہے، اپنے دو بڑے بھائیوں کی طرح میں بھی اسکول سے بھاگ گیا تھا۔مگر بھاگنے سے پہلے میں نے پڑھ لیا تھا۔"پانی پانی ہر طرف، پینے کو ایک بھی قطرہ نہیں"بوڑھا ملاح اپنی کشتی کھو چکا ہے اور سمندر میں بہیہ رہا ہے۔اس کے چاروں طرف سمندر ہے مگر وہ پیاسا ہے۔

باہر سے میں اپنے منی ایچر گھر کو اور اپنے خاندان کے کوتاہ قد افراد کو دیکھتا ہوں۔سب خاکستری رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ مجھے کولرج کی نظم کا بوڑھا ملاح یاد آجاتا ہے۔میں بھی اس جیسا ہی تھا۔ میں بستر سے اٹھا، پلنگ ہل گیا مگر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ میں نے شیشی کھولی اور چند گولیاں رومال میں ڈالیں،میں نے رومال سے اس کا منہ اور ناک بند کیا وردس تک گنا۔میں نے شروع کا سوچا۔ وہ میرے پاس کھڑا تھا جب بڑی عمر کا آدمی فروخت کا معاہدہ کر رہا تھا۔ اور وہ اس وقت بھی میرے پاس کھڑا تھا جب میرے باپ نے اس معاہدے پر دستخط کئے تھے اور اس پر اپنی مہر لگائی تھی۔ اس دن جب مکان گرانے کا نوٹس آیا تھا تو اس نے مجھے بلدیہ کے دفتر کی طرف بھی بھاگتے دیکھا تھا۔ وہ اس وقت میرے پاس سے ہٹ گیا تھا جب ماں نے کپڑے میں لپٹی ہوئی چیزیں دی تھیں وہ وہاں سے بڑھا تو اس کا دایاں ہاتھ میرے سینے سے لگا تھا۔ماں نے دونوں ہاتھوں سے رقم وصول کی تھی۔کسی نے مجھے وہاں سے جاتے نہیں دیکھا۔میں نے اپنے ابلتے ہوئے آنسو روک لئے تھے۔ میں سب کی نظروں سے بچتا بچاتا گندے نالے والی گلی سے نکلا اور بلدیہ کے دفتر پہنچ گیا۔ دن کے اس وقت دفتر میں کوئی بھی نہیں ہوگا۔اس کی کا رنوٹس بورڈ کے سامنے کھڑی تھی۔ میں کار کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس کا انتظار کرنے لگا وہ اپنے آدمیوں میں گھرا ہوا وہاں آیا۔ وہ دبی ہوئی آواز میں ان سے باتیں

کر رہا تھا۔ مجھے دیکھا تو خاموش ہو گیا۔ بوڑھے آدمی نے اسے کالا بریف کیس دیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو روانہ کیا اور میری طرف بڑھا۔

"میرا انتظار کر رہے تھے؟"۔

میں نے سر ہلایا۔

''کیوں؟

''اس میں ہمارے کاغذات بھی ہیں؟''۔میں نے بریف کیس کی طرف اشارہ کیا۔

''ہوسکتا ہے''

''میں لینے آیا ہوں''

''کس لئے؟''

میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

''تم چاہتے کیا ہو؟ جلدی کرو مجھے جانا ہے''۔

''وہ ہمارا گھر ہے۔''میں یہی کہہ پایا۔

اس نے مجھے گھور کر دیکھا۔

''اب نہیں ہے''۔اس نے کہا "۔میں نے خرید لیا ہے۔ رقم ادا کر دی ہے میں نے''۔اس نے چابی نکالی اور اپنا کالا بریف کیس اندر رکھنے کے بعد وہ بھی بیٹھ گیا۔ میں نے ہتھیلی سے کار کا شیشہ کھٹ کھٹایا۔اس نے دوسری طرف کا دروازہ کھولا۔ کار میں بیٹھنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ میں نے اپنا گٹار گھر میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس نے اپنا گٹار اٹھایا اور پچھلی سیٹ پر رکھ دیا۔ اس نے بلدیہ کے دفتر کے سامنے سے کار موڑی اور ہم روانہ ہو گئے۔میں کار میں دھنس گیا۔

''سیدھے بیٹھو''اس نے کہا اور ہم بلدیہ کے دفتر سے چلے اور بلدیہ محلے کی طرف روانہ ہوئے۔ کار چلاتے ہوئے اس نے غور سے مجھے دیکھا۔ ہم سرخ سگنل پر ٹھہر گئے اس نے میرے بالوں سے پھول نکالا اور اسے سونگھا۔پھر اس نے وہ چھوٹا سا پھول اپنے کوٹ کی بائیں جیب میں لگا لیا۔ ہم یونگ ڈرنگ میں رہتے ہیں۔''وہ بولا۔''میں تمہیں ذرا آگے

MashalBooks.org

جا کر اتار دوں گا۔ پھر گھر چلی جانا''۔

''میں نہیں جانا چاہتی۔ اب میرا کوئی گھر نہیں ہے۔

''پھر تم کیا کرو گی۔ بریف کیس چوری کرو گی؟''۔

''ابھی میں نے نہیں سوچا''۔

''تو ٹھیک ہے۔'''' وہ بولا "۔ میں تمہیں نوکری دے سکتا ہوں۔

مگر تمہیں میری بات ماننا ہو گی۔ نہیں مانو گی تو جاؤ۔ تم خوبصورت ہو۔ پہلی بار میں نے دیکھا تھا تو یہی سوچا تھا۔ مگر ایک بات یاد رکھو میری کسی بات پر انکار مت کرنا، چاہے میں کچھ بھی کہوں۔ میں تمہاری دوسرے ملازموں سے زیادہ تنخواہ رکھوں گا۔ خوب سوچ کر فیصلہ کرو''۔

میرے لئے سوچنے کے لئے کیا تھا۔ میرے بھائی نے کہا تھا کہ ہمارا گھر بنانے میں ایک ہزار سال لگے تھے۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا تھا کہ اس سے اس کا کیا مطلب تھا۔ میرے بھائی نے جو کہا اس میں مبالغہ ضرور تھا۔ لیکن میں جھوٹ نہیں کہہ رہی تھی۔ میں سترہ سال کی ہوئی تو ماں نے مجھے یہ سکھانے کی کوشش کی کہ اپنے خاندان اور بھائیوں کے لئے میری ذمہ داریاں کیا ہیں۔

انہوں نے پاک دامانی پر اتنا زور دیا کہ وہ نیلی ہو گئیں۔ اگر تم نے رات کے وقت کسی مرد کا سوچا بھی تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔ اگر انہیں پتہ چل جائے کے گھر چھوڑنے کے بعد میں کیسی زندگی گزار رہی ہوں تو وہ خود کشی کر لیں گی۔ اس نے میرے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ پہلا کام تو اس نے یہ کیا کہ میرے لئے نئے کپڑے سلوائے۔ کئی کپڑے۔ میں اس کے لئے اپنے آپ کو خوبصورت بنا رہی تھی۔ اور اس کے گھر کی طرح اس کا دفتر بھی یونگ ڈرنگ میں تھا۔ میں دفتر میں رہائشی آبادیوں کے بارے میں اخباروں سے تراشے اکھٹے کرتی اور البم میں لگاتی۔ ہر روز میں یہی کام کرتی۔ آج کل ہر آدمی اس کی طرف توجہ دے رہا ہے۔ تم وہاں کے فلیٹوں کے بارے میں مشورہ کرو۔ تم پراپرٹی ڈیلر اونا پر بھروسہ کر سکتی ہو۔ اونا اسٹیٹ ایجنسی۔'' رہائشی کمپلیکس وغیرہ کے اشتہار آ رہے تھے۔ ''نیو چی اور نیو برج، فرسٹ کانگ نم وے کے ساتھ تیزی کے ساتھ ترقی ہو رہی تھی۔ مناسب قیمت پر آپ کا گھر ہو گا۔ یہ موقع جانے نہ دیجئے۔ اونا اسٹیٹ ایجنسی۔'' وہ بہت سخت آدمی تھا۔ اس

کی عمر تو 29 سال تھی مگر وہ سب کچھ کر سکتا تھا۔ ہمارے علاقے میں جو اس نے گھر خریدے تھے میں تو انہیں بہت اچھا سمجھتی تھی۔ مگر اس کے لئے وہ کچھ بھی نہیں تھے۔ اس نے نئے تعمیر ہونے والے علاقوں کی پوری مارکیٹ پر قبضہ کر رکھا تھا۔ بلکہ یونگ ڈرنگ میں بھی اس کی بہت زمین تھی۔ اس کا خاندان بہت دولت مند تھا۔ اس نے مجھے بتایا تھا کہ آج کل وہ کچھ کر رہا ہے وہ آنے والے دنوں کے لئے تیاری ہے۔ وہ اپنے باپ کی کمپنی میں بڑی چیز بننے والا تھا۔ رات کو اپنے فلیٹ میں واپس آنے کے بعد وہ گھر فون کرتا۔ دوسری جانب اس کے باپ ہوتے۔ وہ اپنے باپ کو بتاتا کہ آج اس نے کیا کیا اور ان سے مشورے لیتا۔ جس وقت وہ فون کرتا اس وقت وہ احترام سے کھڑا ہو جاتا۔ ٹیلی فون کرنے کے بعد وہ حساب کتاب دیکھتا جو اس کے ملازموں نے تیار کیا ہوتا۔ اس نے جو ہمارے محلے سے فلیٹ خریدے وہ ساڑے چار سو وان فی فلیٹ کے حساب سے فروخت کئے۔ ایک پیسہ بھی کم نہیں لیا اس نے۔ حیرت کی بات تھی۔ میں سمجھتی تھی کہ اس نے جس قیمت پر وہ فلیٹ خریدے تھے اس سے دس بیس ہزار وان زیادہ منافع کمائے گا۔ وہ ڈرائنگ روم میں کام کر ارہا ہوتا تو اس کی نوکرانی میز پر اس کا کھانا لگا رہی ہوتی اور اس کا انتظار کرتی۔ یہ نوکرانی اس کی ماں نے بھیجی تھی اس نے اس کو زیادہ پیسے دیئے تا کہ نوکرانی میرے بارے میں گھر والوں کو کچھ نہ بتائے۔ میرے وہاں آنے کے بعد وہ نوکرانی رات کو کہیں چلی جاتی تھی۔ میں کبھی اس سے انکار نہیں کرتی تھی۔ کوئی بھی اس کی بات نہیں ٹال سکتا تھا۔

میں ایک ایسے آدمی کے ساتھ رہ رہی تھی جس کی دنیا میری دنیا سے بالکل مختلف تھی۔ میں اور وہ اپنی پیدائش سے ہی مختلف تھے۔ ماں نے مجھے بتایا تھا کے پیدا ہونے کے بعد میرا جو پہلا رونا تھا وہ چیخ تھی۔ شاید میری پہلی سانس جہنم کے شعلوں کی طرح گرم تھی۔ ماں کے پیٹ میں ہی میں بہت کمزور تھی اور وہ صحت مند پیدا ہوا تھا۔ پیدائش کے بعد میری پہلی سانس اتنی درد بھری تھی۔ جیسے زخم پر کسی نے تیزاب ڈال دیا ہو۔ اور اس کی سانس میٹھی اور پرسکون تھی۔ ہم دونوں کی پرورش بھی مختلف انداز میں ہوئی تھی۔

اس کے پاس بہت سے راستے تھے۔ مجھے کچھ یاد نہیں سوائے اس کے جو میرے بھائیوں کو اور مجھے دیا گیا۔ ماں اسے ایسے کپڑے پہناتی تھی جن میں جیب نہیں ہوتی

تھی۔جوں جوں اس کی عمر بڑھتی گئی وہ طاقت ور ہوتا گیا۔ہم اس کے برعکس تھے۔ہم کمزور ہوتے چلے گئے۔ وہ مجھے اس وقت بھی چاہتا تھا اور اب بھی چاہتا ہے۔ میں ہر رات ننگی سوتی تھی۔ ہر رات میں خواب دیکھتی تھی۔خواب میں دیکھتی تھی کہ میرے بھائی کی کسی اور فیکٹری میں نوکری لگ گئی ہے اور وہ کام پر چلا آتا ہے۔ میرے باپ کئی بار چاند پر گئے ہیں اور واپس آئے ہیں۔آدھے سوئے آدھے جاگتے ہی ماں کی آواز سنتی ''یونگ ہوئی''تم گھر سے چلی گئی ہوتو کیا کر رہی ہو؟''۔اور پھر میں جواب دیتی''،ہمارے گھر کے کاغذات اس کی تجوری میں بند ہیں۔ میں نے سب سے نیچے انہیں رکھا ہے۔ابھی اس نے ہمارا مکان فروخت نہیں کیا ہے۔فروخت ہونے سے پہلے میں وہ کاغذات لے آؤں گی۔میں نے اس کی تجوری کے نمبر معلوم کر لئے ہیں۔

''تم سے کس نے کہا تھا یہ کام کرنے کو اٹھو اور کپڑے پہنو جلدی کرو''۔

''کیا یہ میں نہیں کر سکتی ماں''۔

''ہم سونگ نم جا رہے ہیں۔اٹھو جلدی کرو''

''نہیں ماں یہ نہیں ہوسکتا۔''

''تمہاری برادری کی ایک بہن کی ننگی لاش نالے میں پڑی ہے۔ جانتی ہو کیوں؟اس لئے کہ وہ اپنے مالک کے ساتھ سوتی تھی اور مالک کی داشتہ نے مار مار کر اس کی جان نکال دی تھی۔''

''ماں میں ایسی نہیں ہوں۔''

''تم ایسی ہی ہو''۔

''نہیں۔مختلف ہوں۔''

''ویسی ہی ہو''

''اس وجہ سے تم جہنم میں جاؤ گی''۔

''اتنی چھوٹی عمر میں تمہیں یہ حرکت اچھی لگتی ہے۔''

''ہاں مجھے اچھی لگتی ہے''۔

''تم جہنم میں جاؤ گی''۔

MashalBooks.org

میں نے کروٹ لی اور میری آنکھ کھل گئی۔آدھی رات ہوئی تھی۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ اسے جگایا نہیں جا سکتا تھا۔میرے بدن سے اس کی بو آ رہی تھی۔ وہ مجھے پسند کرتا تھا۔ بہت پسند کرتا تھا۔اس لئے مجھے اس قسم کے مظلومیت والے خیال اپنے دماغ سے جھٹک دینا چاہئیں۔میں نے تجوری سے وہ نکال لیا جو ہمارا تھا تجوری میں ایک پستول اور چاقو کے علاوہ کرنسی نوٹ بھی تھے۔میں نے کرنسی نوٹ اور چاقو بھی نکال لیا۔ میں نے خیالوں ہی خیالوں میں اپنے باپ کو چاند کی رصد گاہ میں بیٹھا ہوا دیکھا۔ ہوسکتا ہے انہوں نے پانچ ارب نوری سال کے فاصلے پر موجود کہکشاں بھی دیکھ لی ہو۔ جہاں تک میرا سوال ہے میرے لئے تو ایک رات ہی کافی ہے۔میں نے اس کے منہ پر سے رومال ہٹایا اور بوتل کا ڈھکن بند کیا۔ نشے والی دوا کا شکریہ۔اس سے پہلی رات کو میرے دکھتے ہوئے بدن کو سکون آیا تھا اور میں سو گئی تھی۔اس لئے میں نے پہلی بار اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھے تھے۔میں نے اس کا ہینڈ بیگ کھولا اور اندر دیکھا۔ ہر چیز موجود تھی۔ میں نے کپڑے پہنے۔ میرا دماغ دھندلا ہو رہا تھا۔ میں نے دروازہ کھولا اور ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ میں نے مڑ کر اسے نہیں دیکھا۔ اس کے فلیٹ میں میں نے اپنی کوئی چیز نہیں چھوڑی۔ وہ کپڑے پہنے جو گھر سے پہن کر آئی تھی۔ٹوٹی ہوئی ایڑی والا جوتا اور ٹوٹے تار والا گٹار جو مجھے بڑے بھائی نے دیا تھا سب غائب ہو چکے تھے۔میں نے گہری سانس لی اور فلیٹ کا دروازہ کھولا۔ باہر نکل کر میں نے دروازہ بند کر دیا۔اس کا تالا خود بخود بند ہو جاتا تھا۔ ابھی صبح بہت دور تھی۔عمارت کے باہر میں نے ٹیکسی کا انتظار کیا۔ٹیکسی مل گئی۔ ڈرائیور نے ہیڈ لائٹس جلائیں اور یونگ ڈرنگ کی خالی سڑکوں پر ٹیکسی دوڑا دی۔ہم ہان دریا کے تیسرے پل پر پہنچے تو میں نے گاڑی روکنے کو کہا۔گاڑی رکی تو میں نیچے اتر گئی۔

تازہ ہوا سے میرے دماغ کی دھند چھٹ گئی۔میں ریلنگ کا سہارا لے کر کھڑی ہوئی اور دریا کے پانی پر نظریں گاڑ دیں۔دودھیا روشنی کا عکس پانی پر تیر رہا تھا۔ڈرائیور بھی گاڑی سے باہر آ گیا اور ریلنگ سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے سگریٹ سلگایا اور مجھے دیکھنے لگا۔ آسمان روشن ہونے لگا۔ساری سردیوں میں جب میرے باپ سو رہے ہوتے تو میری ماں کام پر چلی جاتی تھیں۔اب مجھے احساس ہوا ہے کیا ماں جب کام پر چلی جاتی تھیں تو صبح

سویرے یہ رنگ ان کا استقبال کرتے ہوں گے۔میں نے سڑک کے پتھروں پر جوتو ں کی چاپ سنی۔ میں ٹیکسی میں بیٹھ گئی اور ہم ناسن سرنگ سے ہوتے ہوئے میرے گھر کی طرف چلے۔گناہ گار لوگ ابھی تک سو رہے تھے۔ ان سڑکوں پر کوئی سکون سے نہیں چل سکتا تھا۔ میں پیراڈ ئیز علاقے میں اتر گئی۔میں نے وہاں کی سڑکوں پر چل پھر کر کچھ وقت گزارہ۔ اور پھر ایک چائے خانے میں گئی اور گرم گرم چائے کا آرڈر دیا۔ چائے پیتے ہوئے میں نے وہ کاغذات نکالے جن پر میرے باپ نے دستخط کر کے اپنی مہر لگائی تھی۔میں نے وہ کاغذات دیکھے اور پھاڑ دیئے۔ہم جب چھو ٹے تھے تو اس سارے علاقے میں کھیت ہی کھیت تھے۔ترکاریوں کے کھیت۔ چائے ختم کر کے میں پکی سڑک پر چلنے لگی۔سڑک باغوں سے گھری ہوئی تھی۔ اب زیا دہ گھومنے پھرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں سیدھی بلدیہ کے دفتر چلی گئی۔ابھی صبح تھی مگر وہاں لوگوں کا ہجوم تھا۔ میں قطار کے آخر میں کھڑی ہوئی شعبہ تعمیرات کے ایک ایک کلرک نے مجھے دیکھا۔ وہ اپنا کام کرتے کرتے ٹھہر گیا۔ اور تیکھی نظروں سے مجھے دیکھا۔

''یہ بونے کی بیٹی ہے نہ؟۔

وہاں کام کرنے والوں کی کھسر پھسر میرے کانوں تک پہنچی۔میں خاموش کھڑی اپنی باری کا انتظار کرتی رہی۔میں دستاویزات پر مہریں لگاتے اور نمبر پلیٹ ڈبوں میں پھینکنے کی آوازیں سنتی رہی۔میں نے اپنے گھر کی نمبر پلیٹ نکالی۔ میں نے اپنی انگلیوں کے پوروں پر ماں کے باورچی خانے کی چھری کی رگڑ محسوس کی۔میری باری آ گئی۔

''کیا بات ہے !''۔شعبہ تعمیرات کے کلرک نے پوچھا''۔تمہیں معلوم نہیں ؟تمہارا خاندان یہاں سے جا چکا ہے۔''

''جی معلوم ہے۔''میں نے جواب دیا۔''مجھے مکان مہندم کرنے کے سرٹیفکیٹ کا ثبوت چاہئے''۔

''ثبوت؟۔کاہے کے لئے۔''اس کے چہرے پر نہ سمجھنے والا تاثر تھا۔''تم نے مکان بیچ دیا تھا۔اب تمہیں ثبوت کی کیا ضرورت ہے؟''۔

''بڑی کار والے نے خرید لیا تھا تمہارا مکان۔'' دوسرے کلرک نے کہا۔

میں چند سیکنڈ خاموش کھڑی رہی۔''آپ کس کی طرف سے بات کر رہے ہیں''۔میں نے کہا'' ہمیں اس مکان میں رہنا ہے۔''

''میں بحث نہیں کرنا چاہتا۔''

اس آدمی نے اپنے برابر والے آدمی کو دیکھا۔ دونوں نے کندھے جھٹک دیئے۔

''تمہارے پاس کاغذات ہیں؟''۔کلرک نے دہرایا۔

''کیسے کاغذات؟''اس کے برابر والے نے کہا کہ جب تک ان کے پاس نوٹی فکیشن اور نمبر پلیٹ نہیں ہوگی ہم کچھ نہیں کر سکتے۔

''یہ ہیں کاغذات۔''میں نے کہا

میں نے اسے نمبر پلیٹ اور نوٹس دیا۔ دونوں نے اپنے رجسٹر کے ساتھ اس کا موازنہ کیا۔دوسرے آدمی نے نمبر پلیٹ ڈبے میں پھینک دی۔ اس ڈبے میں اور بھی نمبر پلیٹ تھیں۔ایک نمبر پلیٹ دوسری پر ہلکی سی آواز کے ساتھ گری تھی۔اس نے مجھے ایک فارم دیا۔

کانپتے ہاتھوں کے ساتھ میں نے اس فارم میں اپنے باپ کا نام،شہریت کا رجسٹریشن نمبراور اپنے مکان کی تعمیر کی تاریخ لکھی۔مجھ سے ٹھیک نہیں لکھا جا رہا تھا۔شاید میں کمزور ہوں میں نے سوچا۔میرے بھائی تو کہتے ہیں کہ میں بچپن سے ہی بات بات پر روتی رہتی تھی۔آنسوؤں سے میری نظر دھندلی ہوگئی تھی۔ بڑی مشکل سے میں نے وہ فارم پر کیا۔ میں نے وہ فارم کلرک کے سامنے رکھ دیا۔

MashalBooks.org

نمبر 458 غیر قانونی عمارت کے انہدام کا ثبوت فوری عمل درآمد

درخواست گزار

نام:. کم پل ری

رجسٹریشن نمبر 123456-12345

تاریخ پیدائش، 1929/3/11

پتہ 46-1839 ایڈن ڈسٹرکٹ سیول

قانونی پتہ۔276 فلیٹی گاؤں، ٹاؤن شپ

غیر قانونی عمارت کا مقام: 46-1839

فلیٹی پری سنکٹ ایڈن ڈسٹرکٹ سیول

درجہ۔ مالک/ قابض/0/ کرایہ دار

انہدام کی تاریخ 1970/10/10

غیر قانونی عمارت 1960/5/5 سے کھڑی ہے

استعمال:

درخواست برائے قبضہ

درجہ بالا کی تصدیق کے لئے درخواست ہے 1970/10/

درخواست گزار۔ کم پل ای

تصدیق: 1970/10/Z

افسر اعلیٰ۔

عمارت گرانے کی تاریخ مجھے یاد نہیں۔'' میں نے کہا

کلرک نے مجھے گھورا ''تم کہاں تھیں؟''۔

میں نے کچھ نہیں کہا۔

اس نے تاریخ کی جگہ یکم اکتوبر لکھ دیا۔

''تمہیں یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں گئے ہیں؟''۔

''جی''

MashalBooks.org

''تم نے کچھ سنا ہی نہیں؟''۔

اب میرے پاؤں سن ہونے لگے۔ میں نے میز کا سہارا لے لیا۔دوسرے آدمی نے کلرک کو کہنی ماری۔کلرک نے ایک چھوٹی سی مہر لے کر وہاں لگادی۔جہاں ''تصدیق کی جاتی ہے''لکھی ہوئی تھی اور وہ شعبہ کے افسر اعلیٰ کو دیدی۔اپنا ہاتھ سر پر رکھتے ہوئے قطار سے باہر آئی۔میرا بدن بخار سے جیسے پھنک رہا تھا۔افسر اعلیٰ کھڑا ہوا۔ مجھے اپنے پاس بلایا۔اس نے کاغذ پر مہر لگائی۔کاغذ مجھے دینے سے پہلے وہ مجھے کھڑکی کے پاس لے گیا۔اس نے بڑی سڑک کے پاس مکانوں کی طرف اشارہ کیا۔

''آخر سے تیسرا مکان۔''اس نے کہا مسز یون شن آئے گی کا پوچھ لینا۔ وہ تمہارے باپ کو اچھی طرح جانتی ہیں۔وہ کئی بار تمہیں تلاش کرتی ہوئی یہاں آچکی ہیں۔''

''میں انہیں جانتی ہوں۔''میں نے کہا''میں پہلے ڈسٹرکٹ آفس جانا چاہتی ہوں۔ پھر میں وہاں جاؤں گی اور ان سے ملوں گی''۔

''وہ تمہیں سب بتا دیں گی۔''افسر نے کہا''،وہ بہت اچھی خاتون ہیں۔''

''شکریہ۔

میں نے خدا حافظ کہا اور چلی آئی۔میں افسر سے بات کر رہی تھی دفتر کے لوگ مجھے دیکھ رہے تھے۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتے تھے مگر میں وہاں ٹھہری ہی نہیں۔ میں سڑک پر گئی اور ٹیکسی پکڑی۔ ہم سپر مارکیٹ کے قریب سے گزرے اور سامنے بیکری نظر آئی۔میں جو کام کرتی تھی اب دوسری لڑکیاں وہ کام کر رہی تھیں۔میں نے ایک نظر میں اپنا محلّہ دیکھا۔ میں سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔مجھ سے وہ محلّہ دیکھا نہیں گیا۔بلدیہ کے دفتر میں میرا کام آسانی سے ہو گیا تھا۔میں ہاؤ سنگ کے محکمے میں گئی۔مکان گرانیکا ثبوت پیش کیا اور نئے فلیٹ کے لئے درخواست دیدی۔دروازے میں داخل ہوتے ہوئے مجھے چکر سا آ گیا۔ایسا لگا جیسے میں برسوں سے اپنے گھر سے دور ہوں۔

اس شخص نے مجھے اور بھی کمزور کر دیا تھا۔گھر سے نکلنے کے بعد ایک بھی رات مجھے سکون کی نیند نہیں آئی تھی۔میں صرف ماں کے پیٹ میں ہی کمزور نہیں تھی بعد میں بھی کمزور رہی۔جس میز پر ہم کھانا کھاتے تھے اس پر کھانے بھرے ہوتے تھے۔مگر ان کی غذائیت

زیادہ دیر برقرار نہیں رہتی تھی۔اصل میں ذہنی دباؤ بہت زیادہ تھا۔اس نے مجھے مزید ارکھانے کھلائے ان سے میرے اندر جو غذائیت پیدا ہوئی اس سے اس نے خوب فائدہ اٹھایا۔آخری رات جب میں جاگتی رہی تھی تو میرے اوپر اس کا اثر بھی ہوا تھا۔میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں کہیں بھی کسی بھی جگہ پر لیٹ جاؤں۔مگر اپنا کام پورا کرنا تھا اور شن آئے سے ملنا بھی تھا۔ وہ مجھے میرے خاندان کے پاس بھیج دے گی۔ٹیکسی اس راستے پر جا رہی تھی جس پر صبح کے وقت گئی تھی۔ناسن انڈر پاس سے گزر کر ہم نے ہان دریا کا تیسرا پل پار کیا۔ اس کی اپارٹمنٹ بلڈنگ جو کھلے میدان میں تھی،سامنے نظر آ گئی۔ میں نے اپنا ہینڈ بیگ کھولا اور اس کے اندر رکھا ہوا چاقو ٹٹولا۔ہاتھی دانت کے دستے پر موتی کے برابر لوہے کا کھٹکا تھا۔اسے دباتے ہی چاقو کھل جاتا تھا۔میں نے مکانوں سے متعلق دفتر کے سامنے ٹیکسی رکوالی،بے شمار لوگ دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ میں نے بھی اس بھیڑ میں راستہ بنایااور آگے بڑھ گئی۔سفید عمارت کی چمک سے میری آنکھیں چندھیا گئیں۔ میں نے درخواست کے فارم کی جگہ تلاش کی اور قطار میں کھڑی ہوگئی۔میری باری آئی تو کلرک نے ڈسٹرک آفس کی رسید دیکھی اور مجھے فارم دے دیا۔میں قطار میں سے نکلی اور پتہ پر دئے جانے والے اپارٹمنٹ کے متعلق شعبے کی طرف دیکھا۔فارم پر جو شرائط لکھی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ درخواست گزاراور اپارٹمنٹ پر قبضہ کرنے والا ایک ہی فرد ہونا چاہئے۔اور اپارٹمنٹ کو کسی تیسرے شخص کو کرائے پر نہیں دیا جا سکتا۔اس فارم پر جس پر یہ شرط لکھی تھی میں نے اپنے باپ کا نام، پتہ، اور شناختی کارڈ نمبر لکھ دیا۔ایک بار پھر میرا ہاتھ کانپا۔میرے پاؤں سن ہو گئے اور میں کھڑے سے گرنے لگی۔فارم بھرنے کے بعد میں پھر قطار میں کھڑی ہوگئی۔اس قطار میں نئی عمارتوں میں اپارٹمنٹ لینے والا میرے سوااور کوئی نہ تھا۔اس کے باوجود وہاں بیٹھا ہوا کلرک ہر ایک سے ایک ہی سوال کر رہا تھا۔

''آپ نے خریدا ہے یہ اپارٹمنٹ؟''۔

وہ سوال کرتا تھا حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس کا جواب کیا ہے۔پھر بھی ہر آدمی جواب دینے سے جھجکتا تھا۔

''آپ نے خریدا ہے نا؟''اس نے مجھ سے پھر یہی سوال کیا۔

''جی میں نے خریدا ہے''

اگر میری طبیعت خراب نہ ہوتی تو میں بھی یہی جواب دیتی۔وہ چڑچڑا آدمی تھا۔اس کا مزاج بھی بگڑا ہوا تھا۔میں کچھ نہ بولی۔اس کلرک نے میری درخواست کا فارم، ڈسٹرک آفس کی رسید اور میرے خاندانی رجسٹر کی نقل ایک ہی جگہ نتھی کر دی۔ہر کاغذ کے اوپر والے حصے پر اس نے مہر لگا دی۔میں نے وہ کاغذ لئے اور واپس جانے کے لئے مڑی۔مگر پھر قطار کے آخری سرے پر پہنچی اور سامنے والی عمارت کا جائزہ لیا۔وہ وہاں موجود تھا۔ وہ اپنی گاڑی کے سامنے کھڑا تھا۔میں نے انتظار کیا کہ وہ چلا جائے۔ میں نے جھک کر اپنے آپ کو چھپا یا۔میں نے سوچا اگر وہ مجھے مل گیا تو میں اسے قتل کر دوں گی۔اس کے دماغ میں مرنے کا خیال کبھی آیا بھی نہیں ہو گا۔وہ انسانوں کی تکلیف کے بارے میں جانتا ہی کیا ہو گا۔مایوسی اور بددلی کے بارے میں۔اس نے چاول کے خالی پیالے کا کھنکنا کبھی سنا ہی نہیں ہو گا۔ شدید سردی میں ہاتھوں، پیروں، گھٹنوں اور دانتوں کا کٹ کٹانا بھی نہیں سنا ہو گا۔اس نے جب بھی چاہا میں نے تمام کپڑے اتار کر اس کا خیر مقدم کیااور اس نے میری وہ کراہ کبھی نہیں سنی جو اس وقت میں اپنے اندر ہی دبا لیتی تھی۔وہ ان لوگوں میں سے تھا جو لوہے کی گرم سلاخ سے انسانوں کو داغتے ہیں۔میں نے بریف کیس کھولا اور اس میں رکھا ہوا چاقو ٹٹولا۔وہ کھڑا ہاتھ ہلا رہا تھا۔ایک آدمی عمارت سے باہر آیا۔ دونوں نے ہاتھ ملائے اور کار میں بیٹھ گئے۔وہ کار لوگوں کے درمیان سے نکلتی ہوئی پلازہ کے باہر چلی گئی۔میری آنکھیں پھر آنسوؤں سے بھر گئیں۔اس کے پاس جو کچھ تھا وہ بہت تھا۔

میں لوگوں کے پیچھے پیچھے بزنس سیکشن کی طرف چلی۔ایک بار پھر میں قطار میں کھڑی تھی۔ میں نے اپنا ماتھا چھوااور اپنی باری کا انتظار کرنے لگی۔

''طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟''میری باری آئی تو کلرک نے مجھ سے پوچھا۔

''جی، میں ٹھیک، میں ٹھیک ہوں۔''میں نے کہا اور کاغذات آگے بڑھا دیئے۔

اس نے کاغذوں کی تصدیق نہیں کی۔ میری رسید پر نمبر لکھا اور مجھ سے کہا اکاؤنٹ سیکشن میں جا کر رقم جمع کرا دو۔ایک عورت کہیں سے پانی لائی اور مجھے دیا۔میں نے پانی پیا۔اکاؤنٹ سیکشن کے لوگوں نے مجھ سے کچھ نہیں پوچھا۔انہوں نے رقم گنی رسید پر مہر لگائی

اور رسید مجھے دے دی۔

''کام پورا ہو گیا؟''۔میں کہا

لوگوں نے مجھے گھورا۔

مجھے ڈر لگا کہ کہیں وہ جانتے تو نہیں ہیں۔

ہاؤسنگ بلڈنگ سے میرا کام ختم ہو گیا اور میں وہاں سے چلی آئی۔میں راستے میں کہیں گری نہیں اور شن آئے کے گھر پہنچ گئی۔میں نے گھنٹی بجائی اور اپنے محلے پر نظر ڈالی۔ہمارا گھر، پڑوس کے گھر اور تمام گھروں میں سے کوئی بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔گندے نالے کے پختہ کنارے سب غائب ہو چکے تھے۔اینٹوں کا بھٹہ غائب تھا۔ پہاڑوں کی طرف جانے والی سڑک موجود نہیں تھی۔بونے آدمی کا، بونے آدمی کی بیوی کا، بونے آدمی کے دو بیٹوں اور بونے آدمی کی بیٹی کا کہیں پتہ نہیں تھا۔صرف خالی میدان پڑا تھا۔اپنی بیٹی کو آواز دیتے ہوئے شن آئے نے مجھے اپنے بازوؤں میں جکڑ لیا۔ میں ان سے یہ بھی نہ کہہ سکی کہ آپ کیسی ہیں ؟۔شن آئے نے اس وقت میرے باپ کی دیکھ بھال کی تھی جب وہ زخمی ہو گئے تھے۔اور ان کی مدد بھی کی تھی وہ اور ان کی بیٹی مجھے اندر لے گئے اور بستر پر لٹا دیا۔ انہوں نے ماں کی طرح میرا خیال رکھا۔انہوں نے گیلے کپڑے سے میرا چہرا اور میرے ہاتھ، پاؤں صاف کئے اور مجھے لحاف اوڑھا دیا۔

''بہت بہت شکریہ''۔میرے منہ سے اتنا ہی نکلا۔

''اب تم کچھ نہ بولو''۔انہوں نے کہا۔''ہم ڈاکٹر کو بلا رہے ہیں، اب باتیں نہ کرو۔

''میں ٹھیک ہوں''میں نے کہا۔میری آنکھیں خود بخود بند ہو گئیں۔بس میری نیند پوری نہیں ہوئی ہے۔ مجھے نیند آ رہی ہے''۔

''اچھا سو جاؤ''۔

''وہ سب لے آئی ہوں جو وہ لے گئے تھے''۔

''بہت اچھا کیا''۔

''سارے کاغذات وغیرہ''۔

''اچھا ہوا''۔

MashalBooks.org

''آپ جانتی ہیں وہ کہاں گئے ہیں؟''۔

''ہاں ہاں''۔

''میں شعبے کے اعلیٰ افسر سے ملی تھی۔''میں نہیں جانتی کہ جب میں نے یہ کہا تو میں جاگ رہی تھی یا سو رہی تھی۔

''انہوں نے کہا کہ وہ مجھے بہت کچھ بتا دیں گی''۔

''اس نے صرف یہی کہا؟''

''کیا کچھ اور بھی ہوا تھا؟''۔

''سو جاؤ۔ہم پھر بات کر لیں گے''۔

''جب تک مجھے معلوم نہ ہو جائے میں سو نہیں سکتی''۔

میں نے آنکھیں کھول دیں۔ان کی بیٹی باہر برآمدے میں چلی گئی۔

میں نے باہر کا دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔وہ ڈاکٹر کو بلانے کلینک چلی گئی تھی۔

''تمہارے گھر والے تمہارے لیئے پریشان ہو رہے ہیں۔''اس نے کہا''۔اس کھڑکی سے تم دیکھ سکتی ہو کہ تمہاری ماں تمہارا انتظار کہاں کر رہی ہیں۔وہ وہاں ہیں جہاں مکان گرایا گیا تھا۔اصل پریشانی یہ تھی کہ تمہارے باپ کا پتہ نہیں چل رہا تھا۔تمہارا خاندان سرنگ نم جا رہا تھا۔مگر تمہارے باپ وہاں نہیں تھے۔خیر اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔تمہارے باپ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔اس کا پتہ اس وقت چلا جب اینٹوں کا بھٹہ گرا دیا گیا تھا۔بھٹہ گرانے والوں نے انہیں دیکھا۔وہ بھٹے میں گر گئے تھے''۔اب میں اٹھ کر بیٹھ نہیں سکتی تھی۔میں زخمی کیڑے کی طرح آنکھیں بند کئے پڑی تھی۔میں سانس نہیں لے سکتی تھی میں نے اپنا سینہ پیٹنا شروع کر دیا۔میری ماں اپنے ٹوٹے ہوئے مکان کے سامنے کھڑی تھیں۔جب وہ زخمی ہوئے تو ماں انہیں اپنی پیٹھ پر اٹھا کر باہر گلی میں لے گئی تھیں۔میرا بھائی دوڑتا ہوا آیا تھا ہم میدان میں کھڑے آسمان کو تک رہے تھے۔ہمارے سروں پر ایک سیاہ فولادی گیند آسمان میں سیدھی لکیر بناتی اڑی چلی جا رہی تھی۔ہمارے باپ بھٹہ کی چمنی پر کھڑے ہاتھ ہلا رہے تھے۔ماں نے ہمارے لکڑی کے برآمدے کے آخری کونے میں کھانے کی میز رکھی۔میں نے باہر کے دروازے پر ڈاکٹر کے آنے کی آواز سنی۔

MashalBooks.org

آ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہ۔۔۔۔۔۔۔۔۔میری حلق سے آہستہ آہستہ ایک چیخ ابھری۔

''یونگ ہوئی رونہیں''۔بڑے بھائی نے کہا''،خدا کے لیے مت روکوئی سن لے گا''۔

میں رونا بند نہیں کر سکتی تھی۔

''بڑے بھائی،اس لیے کہ تمہیں غصہ نہیں آتا؟''۔

''بند کرو یہ باتیں''۔

''ان لوگوں کو قتل کر دو جو ہمارے باپ کو بونا کہتے ہیں۔''

''ہاں،میں قتل کر دوں گا''۔

''وعدہ؟''۔

''ہاں وعدہ''

''وعدہ''

☆☆☆

MashalBooks.org

پُل پر

شن آئے اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکی۔ وہ شہر کے وسط میں تھی۔ جہاں تک نظر جاتی تھی انسان ہی انسان تھے، اونچی اونچی عمارتیں تھیں۔کاریں تھیں کاروں کا دھواں تھا، لوگوں کے پسینے کی بد بو تھی اور گلیوں میں جلائی جانے والی ربڑ کی بد بو تھی۔اس کے لئے تھوڑی دیر ٹھہر کر ارد گرد نظر ڈالنا بھی مشکل تھا۔تمام گلیاں لوگوں سے بھری ہوئی تھی اور گاڑیوں کا ہجوم تھا۔کہیں ٹھہر کر کھڑا ہونے کی جگہ نہیں تھی۔کوئی بھی ایسی جگہ نہیں تھی کہ پل بھر کے لئے رک کر حواس درست کر لئے جائیں۔

وہ ہسپتال جا رہی تھی اس کا چھوٹا بھائی وہاں تھا۔ابھی چالیس سال کا بھی نہیں تھا مگر اس کا کھانا پینا بند ہو گیا تھا۔اسے نیند بھی نہیں آتی تھی اس کے تمام ڈاکٹر پیٹ اور معدے کے ماہر تھے۔ اس کے معدے میں کچھ گڑبڑ تھی۔ اسے کچھ ہضم نہیں ہوتا تھا۔ڈاکٹروں کی کوششوں کے باوجود اسے کوئی افاقہ نہیں ہو رہا تھا۔اس کا وزن193پاؤنڈ سے کم ہو کر 112پاؤنڈ رہ گیا تھا۔شن آئے کا شوہر اسے ماہرنفسیات کے پاس لے گیا تھا۔نفسیات کے

جس ڈاکٹر نے اسے دیکھا تھا اس نے مشورہ دیا کہ اسے ہسپتال لے جاؤ۔خوش قسمتی سے ایک ڈاکٹر اس کا ہم جماعت رہ چکا تھا اور وہ اسے جانتا بھی تھا۔شن آئے کو اطمینان ہوا کہ اس کے بھائی کو اچھا ڈاکٹر مل گیا ہے جو اسے جانتا ہے۔اس پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔

اس کی جسمانی حالت تیزی کے ساتھ بہتر ہونے لگی۔شن آئے پل کی سیڑھیاں چڑھی۔آگے چل کر وہ ٹھہر گئی۔اس نے لوگوں کے ہجوم سے بچنے کے لئے ریلنگ کا سہارا لیا۔وہ عمارت سامنے نظر آرہی تھی جہاں اس کے بھائی کا دوست کام کرنے کے لئے گیا تھا۔وہ اس کے بھائی کا بہت گہرا دوست تھا۔شن آئے ان دونوں کے مزاج سے خوب واقف تھی۔حیرت انگیز طور پر ان دونوں کا مزاج ایک جیسا تھا۔شن آئے چھوٹی تھی تو اسے ایک کہانی کا ہیرو بہت اچھا لگتا تھا۔جس نے ایک افسر کی مخالفت کی تھی۔اس کا بھائی بھی ایسا ہی تھا حالانکہ ان دونوں میں دس سال کا فرق تھا۔جب وہ کالج میں تھا تو اس کی نسل نے بہت مصیبت اٹھائی تھی۔ذرا سا ہنگامہ ہوا اور یونیورسٹی بند کر دی گئی۔حالانکہ شن آئے کے لئے یہ پرانی بات تھی مگر اس کے بھائی کی نسل نے وہ وقت نہیں دیکھا جب کلاس کے آخری دن پر پرفیسر نے بڑھتے ہوئے ٹیکسوں کا ذکر کیااور کہا کہ اسی وجہ سے فرانس میں انقلاب آیا تھا۔اچھی بات یہ ہے کہ اس کے بھائی نے اور بھائی کے دوست نے پچھلے کمرے میں بیٹھ کر وہ کتابیں پڑھی تھیں جو دوسرے طلبہ کو مشکل معلوم ہوتی تھیں۔اور سگریٹ پر سگریٹ پر پھونکتے رہے تھے۔ان دونوں کی نظر میں وہ معاشرہ جس میں وہ رہ رہے ہیں ایک ظالم معاشرہ ہے۔وہ ایک عفریت ہے۔جو اپنی سہولت کے لئے اپنے اختیارات استعمال کر رہا ہے۔اس کا بھائی اور بھائی کا دوست اپنے آپ کو اس معاشرے میں پانی کے اوپر تیرتا تیل محسوس کر رہے تھے۔تیل پانی میں حل نہیں ہوتا مگر یہ مثال بھی زیادہ منا سب نہیں ہے۔سچی بات تو یہ ہے کہ وہ دونوں اس معاشرے کو قبول ہی نہیں کرتے تھے یونہی اس میں رہ رہے تھے۔یہ سہ پہر تھی اور شن آئے کا بھائی سٹیزن ہال کے باہر اس بینچ پر بیٹھا ہوا تھا جہاں سے ایڈمرل ای سُن شن کا مجسمہ نظر آرہا تھا۔وہ چوتھے بینچ پر بیٹھا اپنے دوست کا انتظار کر رہا تھا۔بینچ کے سامنے پبلک ٹیلی فون بوتھ تھے۔یہ المونیم کے تھے اور ان کے دروازے پولی تھیلن کے تھے۔ان پر 703 سے 717 تک نمبر لکھے ہوئے تھے۔شن آئے کا بھائی دروازہ نمبر 712 میں داخل ہوا اور اپنے دوست کو فون کیا۔

MashalBooks.org

''کیا تمہیں دیر ہو جائے گی؟''۔

اس کا دوست کئی سیکنڈ خاموش رہا۔

''کیا ہوا؟، کوئی گڑ بڑ ہے؟''

''میں آ رہا ہوں، تھوڑی دیر انتظار کرو''۔

''سنو، اگر تم نہیں آ سکتے تو نہ آؤ، اس وقت مصروف ہو تو ہم پھر مل لیں گے''۔

''تم وہیں ٹھہرو، تم سے ملنا ضروری ہے''۔

''میں انتظار کروں گا''۔

''ٹھیک ہے''، اس کے دوست نے فون بند کر دیا۔ شن آئے کا بھائی 712 نمبر دروازے سے باہر آیا اور اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی ایڈمرل ای سُن شن کے کانسی کے مجسمے کو دیکھا جو دم گھٹنے والے شہر کے بے رحم آسمان کی طرف سر اٹھائے کھڑا تھا۔ جلدی سے اس نے ادھر سے نظریں ہٹالیں۔ ایڈمرل کے بعد آنے والی چالاک نسل اس کو ٹریفک دھویں میں کھڑا کر کے انتقام لے رہی تھی۔ شن آئے کا بھائی چوتھے بینچ پر واپس آ گیا اور انتظار کرنے لگا۔ اس کا دوست سنیچر کی سہ پہر کو چیرتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔ وہ شن آئے کے بھائی کے پاس بیٹھ گیا، پہلی نظر میں تو ایسا لگا کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں۔ جب وہ کالج میں تھے اس وقت انہوں نے یہ طریقہ اپنایا تھا۔ وہ دونوں اپنے شعبے کے ماہر تھے ایک بینچ پر اجنبیوں کی طرح بیٹھ جاتے تھے۔ یہی وہ زمانہ تھا جب مظاہرہ کرنے والے طلبہ پر ایک منظّم جابرانہ تنظیم کی طرف سے تشدد کیا جاتا تھا۔ مظاہرے ہی طلبہ کا ہتھیار تھے اسی طریقہ سے وہ اپنی رائے کا اظہار کر سکتے تھے۔ ہم میں سے کچھ لوگ شاید بھول گئے ہوں مگر وہ واقعی ایسا زمانہ تھا اور ہم اس میں رہ رہے تھے۔ ان لوگوں کے منہ بند کر دیئے گئے تھے جو مخالفت کرتے تھے۔ اس زمانے میں شن آئے کا بھائی اور اس کا دوست اپنے ہم خیال طلبہ کے ساتھ اکٹھے ہوتے تھے اور اس وقت کے حالات پر بات چیت کرتے تھے انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے خیالات لکھیں گیا اور ان کو میگزین میں شائع کریں گے۔ شن آئے کے بھائی اور اس کے دوست نے مضمون لکھے بھی لیکن میگزین کے ایڈیٹر نے وہ مضمون واپس کر دیئے۔ ایڈیٹر نے کہا کہ میگزین میں یہ بیہودہ مضمون چھاپنا جرم ہے۔ اور اگر وہ چھپ گئے تو تم دونوں کو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ میگزین کا ایڈیٹر پروفیسر تھا اس نے صاف صاف

کہا۔

''آخر تم چاہتے کیا ہو؟۔ کیوں مصیبت مول لے رہے ہو؟''۔

''ہم نے جو لکھا ہے وہ آپ نے پڑھا ہے؟''۔

''خاموش رہو''، پروفیسر نے میز پر مکا مارا''۔ میں جانتا ہوں تم گڑ بڑ کرنا چاہتے ہو۔ جب بھی ذرا سا سکون ہوتا ہے تم لوگ ہنگامہ کھڑا کر دیتے ہو۔

''یہ غلط ہے''۔ بھائی کے دوست نے کہا

''یہ غلط نہیں ہے''

''غلط نہیں ہے''۔

''کس طرح؟''۔

''دوبارہ شروع کرنے سے پہلے کام ختم کرنا ضروری ہے''۔

''ادھر دیکھو''، پروفیسر بولا، اچانک اس کی آواز دھیمی ہوئی تھی''۔ اب تم نے کیا چکر چلایا ہے؟''۔

دونوں لڑکوں نے ایک دوسرے کو دیکھا وہ پروفیسر کی اس نرمی پر حیران ہو گئے تھے۔

''لڑکوں کو خاموش دیکھ کر پروفیسر چیخا''۔ انتشار، تم انتشار پھیلانا چاہتے ہو۔ تم خود اس یونیورسٹی کے دروازے بند کرنا چاہتے ہو۔''

''یہ صحیح ہے''، شن آئے کا بھائی بولا،

پروفیسر کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

''ہم دروازے بند کرنا چاہتے ہیں تا کہ وہ اندر نہ آسکیں''۔

''میرا مطلب یہ نہیں تھا''

''ہم دروازے پر گارڈ نہیں کھڑا کر سکتے۔''

''نکل جاؤ یہاں سے''، پروفیسر دھاڑا

''ہمارا مضمون تو دے دیجئے''، شن آئے کے بھائی کے دوست نے کہا۔

''بالکل نہیں، جب تک تم یہ نہیں بتاؤ گے یہ مضمون لکھنے سے تمہارا مقصد کیا تھا''۔

''ہم نے سوچا تھا کہ لوگوں کو ہم بتائیں گے کہ ہمارے خیالات مختلف ہیں''۔

''نہیں''، پروفیسر نے مضمون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''یہ تخریبی کام ہے اور

MashalBooks.org

جب تم لکھ رہے تھے تو تم جانتے تھے کہ یہ شر پسندی ہے۔ ہے نا؟''۔

''کیسا مضمون تخریبی نہیں ہوتا؟

''تم خود جانتے ہو''۔

ہمیں پڑھایا گیا ہے کہ وہ ملک تباہ وہو جاتے ہیں جہاں مخالفانہ نظریئے سامنے نہیں آتے''۔

''یہ تم سے کس نے کہا کہ تم مخالفانہ نظریئہ پیش کر سکتے ہو''۔

''اس کا جواب آپ خود ہی جانتے ہیں۔''

پروفیسر تھوڑی دیر خاموش ہو گیا پھر اس نے مضمون لڑکوں کی طرف پھینک دیا۔''

ہم بولتے رہیں گے مگر اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ہم فیصلے نہیں کرتے اور نہ ان پر عمل کراتے ہیں۔

''جو لوگ یہ کام کرتے ہیں وہ اور ہی ہیں۔تمہیں اپنے مضمون چاہئیں وہ تم لے لو۔تم مجھ سے ناراض ہو گئے کہ میں نے تمہارے مضمون نہیں چھاپے حالانکہ تمہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ یہ چھپ جائیں گے تب بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا،اٹھا لو یہ کاغذ''۔

''چلو''۔اس کے دوست نے کہا۔

باہر جا کر دونوں لڑکوں نے اپنے مضمون پڑھے۔جہاں جہاں پروفیسر کو اعتراض تھا وہاں لال پنسل سے نشان لگے ہوئے تھے۔شن آئے نے بھی یہ مضمون پڑھے تھے اس کو ان میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی تھی۔ان پر وہ ہنسی تھی۔ اس کے بھائی اور اس کے دوست کے دماغ میں جو بھی آیا تھا وہ ان بیس صفحوں پر لکھ دیا تھا۔کوئی بات بھی واضح نہ تھی۔

پھر بھی پروفیسر نے صفحے کے صفحے لال کر دیئے تھے۔

''ایک نادیدہ طاقت پر امن تبدیلی کا راستہ روک رہی ہے''۔

یہ جملہ اتنے زور سے کاٹا گیا تھا کہ کئی صفحے پھٹ گئے تھے۔شن آئے کا بھائی اور اس کا دوست اپنا غصہ دباتے ہوئے لڑکوں کے سینٹر کی طرف چلے گئے

''سنو''۔

ان دونوں نے یہ نہیں دیکھا تھا کہ پروفیسر بھی ادھر آ رہا ہے۔

پروفیسر بولا''۔میرا خیال تھا کہ تم اپنا مضمون خود ہی ضائع کر دو گے۔مگر تم میری پیٹھ میں چھرا

گھونپ رہے ہو۔ میں کچھ نہیں کہوں گا، مگر تمہیں خود احساس ہونا چاہئے کہ آج کے بچے دوسری طرح سوچتے ہیں ان میں سے کتنے ہیں جو تمہارا یہ پورا خشک مضمون پڑھیں گے۔ذرا سوچو کیا وہ اسی طرح تمہارا ساتھ دین گے جیسے پچھلے مظاہرے میں ساتھ دیا تھا؟۔جاؤ کلاس میں جاؤ۔ حالات دیکھو کیسے ہیں۔ مظاہروں کی وجہ سے جو امتحان ملتوی کر دیئے تھے وہ کل ہو رہے ہیں۔''

''تمہیں لڑنا ہی ہے تو تمہارے مقابل بھی کسی کو ہونا چاہیئے ،تم کس لڑو گے۔''

''دھوپ سے؟، چاندنی سے؟، سائے سے؟''۔

''نہیں'' بھائی کا دوست بولا

''ہوں۔''

''ہم اپنے آپ سے لڑیں گے''۔ بھائی نے کہا۔

پروفیسر ہنسا''۔اچھا چھوڑو ان باتوں کو۔ یہ دیکھ لیا کرو کہ تمہارے آس پاس کون لوگ ہیں''۔

یقیناً یہ الفاظ ریا کاری کے ساتھ کہے گئے تھے مگر پروفیسر غلطی پر بھی نہیں تھا۔وہ طلبہ بھی جو ان سے ملتے رہتے تھے ان کے ہم خیال معلوم نہیں ہوتے تھے۔وہ بھی ان کے ساتھ نہیں تھے۔شن آئے کو ان دونوں کا خیال آیا تو دل ہی دل میں ہنسی۔وہ لڑکے جو کبھی نعرے لگایا کرتے تھے فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں۔ ان سے کم عمر لڑکے کیمپس میں کھیلتے رہتے ہیں۔اب انہیں کھیلوں میں زیادہ دلچسپی ہوگئی ہے۔شن آئے کا بھائی اور اس کا دوست غلط وقت پر غلط جگہ پر تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ پیچھے رہ گئے ہیں۔ اب تو وہ اپنی خواہشات کا ذکر بھی نہیں کرتے۔پروفیسر کا خیال ٹھیک تھا۔ پروفیسر کی ریاکارانہ باتیں سننے کے بعد وہ اپنے شعبے کے باہر بیٹھ گئے۔ وہ آپس میں باتیں بھی نہیں کر رہے تھے۔ ان کے پاس وہ اخبار تھا جو انہوں نے ایک رات پہلے چھاپا تھا۔شن آئے جانتی تھی کہ وہ زخم خوردہ ہیں۔ان کے لئے بینچ سے اٹھنا بھی مشکل ہو رہا تھا۔شن آئے کے بھائی اور اس کے دوست کو اپنے معاشرے کے بارے میں جلد سے جلد فیصلہ کرنا تھا۔وہ دونوں بھوکے تھے اور انہیں نیند بھی آرہی تھی۔اس کے باوجود وہ اپنے زمانے اپنے معاشرے اور اس میں اپنے کردار کے بارے میں سوچتے رہتے تھے۔

MashalBooks.org

''یہ تو واضح ہے''۔دوست بولا۔''ہر ایک ان کے ساتھ شامل ہو رہا ہے۔''

''وہ کیسے؟''شن آئے کے بھائی نے پوچھا۔

''ہم نے یہی اندازہ لگایا ہے۔اور جو ان کے ساتھ شامل ہوتے ہیں تو پھر وہ کہیں کے نہیں رہتے۔''

''ہاں جیسے انہیں فالج ہوجاتا ہے۔''شن آئے کا بھائی بولا۔ اسے اپنے دوست سے اتفاق تھا۔اب اس کی آواز دھیمی ہوگئی اور آنکھیں کہیں اور دیکھنے لگیں۔

''لو، وہ چمگادڑ پھر آ گیا۔''اس کے دوست نے کہا۔

وہ پروفیسر کو ہی چمگادڑ کہا کرتا تھا۔پروفیسر کا دادا جاپانیوں کے لئے کام کرتا تھا۔جب جاپان نے کوریا کو اپنی کالونی بنا رکھا تھا۔ پروفیسر کا باپ بھی ایسا ہی کرتا رہا تھا۔اب بھی آپ لائبریری میں جا کر وہ اخبار دیکھ سکتے ہیں جس میں اس نے مضمون لکھا تھا۔''ای کی بنگ۔آدمی''۔

پروفیسر ایک طالب علم سے بات کر رہا تھا۔وہ طالب علم ان دونوں کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔شن آئے اور اس کے دوست کو خیال آیا کہ اس وقت وہ دونوں اکیلے رہ گئے ہیں۔شور مچانے والے ان کے دوست فوج میں شامل ہو گئے ہیں۔شن آئے کا بھائی اور اس کا دوست خاموش بیٹھے تھے۔اگر کوئی انہیں دیکھتا تو سمجھتا کہ وہ ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں ہیں۔

یہ وہی جگہ ہے جہاں وہ پہلے بیٹھے تھے اور جہاں سے ایڈمرل سُن شن کا مجسمہ نظر آ رہا تھا۔پہلے وہ دونوں خاموش بیٹھے رہے۔سینیچر کے دن سڑکوں پر چلنے والا لوگوں کا ہجوم ان کے پاس سے گزر رہا تھا۔ وہاں کوئی بھی ایسی چیز نہیں تھی جس سے ان کو خوشی ملتی۔ دونوں بہت اداس تھے۔ وہ محسوس کرتے تھے کے لوگون کی اکثریت کسی خطرناک بیماری کا شکار ہے۔ سارا دن کافی دیر خاموش رہنے کے بعد دونوں دوستوں نے بات کی۔

''کیسے ہوا؟''

''چمگادڑ''۔

''چمگادڑ''۔

''تم بھول گئے؟''

''وہ ابھی یونیورسٹی میں ہی ہے؟''۔شن آئے کے بھائی نے کہا۔ وہ خوف زدہ نظر آتا

تھا۔

''وہ مجھے دھمکیاں دے رہا ہے''۔

''کہاں؟''

''اخبار پڑھو' وہ بڑا با اثر آدمی ہے۔''

''ہُنہ۔''

کئی آدمی جو ٹیلی فون کے سامنے کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے ان دونو ں کو مڑ کر دیکھا۔ انہوں نے دیکھا کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔اس کے بعد انہوں نے پھر منہ پھیر لیا۔

''اصل میں، وہاں حیرت کی کوئی بات نہیں ہے۔''شن آئے کے بھائی نے کہا۔ اس کا چہرہ بھی اپنے دوست کی طرح ہوتا جا رہا تھا۔ وہ ایسا ہی ہے۔

''ٹھیک ہے''۔

''وہ تمہیں کیسے ڈرا رہا ہے؟''۔

''اس نے کہا وہ مجھ سے کچھ کام کروانا چاہتا ہے''۔

دوست کی آواز میں افسردگی تھی۔شن آئے کا بھا ئی کچھ نہیں بولا۔ اس کا دوست ہی بولا۔''اس نے مجھے بلایا تو میں نے اپنے آپ کو بالکل بے وقوف محسوس کیا۔ بلکہ شعبے کا سربراہ بھی حیران ہو گیا۔اس نے کہا۔''تم کس بات کا انتظار کر رہے ہو؟''اور میں اس کے دفتر میں چلا گیا۔ میرا خیال ہے کہ دفتر کہ سارے لوگ مجھ سے حسد کر رہے ہوں گے۔لیکن جب میں سرخ قالین والے دفتر میں گیا اور اس کے سامنے بیٹھا تو میں نے اپنا دماغ بند کر لیا۔ اس وقت میرے ذہن میں صرف ایک بات تھی کہ میں ایک بہت بڑے آدمی کے سامنے کھڑا ہوں۔ بڑاآدمی جو آسمان سے بھی بلند ہے۔جو ریاکار ہے ابن الوقت ہے کسی اور کا خوشامدی ہے اور جو ہمارے اوپر سوار ہو گیا ہے۔ وہ مسکرا رہا تھا۔اور اس نے واقعی مجھ سے ہاتھ ملایا۔''چلو بات ختم ہو گئی''۔وہ بولا''۔جب سے میں یونیورسٹی میں آیا ہوں اور تمہیں دیکھا ہے اسی وقت سے میری تمہارے بارے میں بہت اچھی رائے ہے۔تم بہت اچھے نوجوان ہو۔تھوڑی بہت کمزوریاں ہیں تمہارے اندر۔'' مگر چھوڑو۔ یہ سب پرانی باتیں ہو گئیں۔ اگلے ہفتے سے تم میرے ساتھ کام کرو گے اور میرے برابر والے کمرے میں بیٹھو

گے۔اب اگر میں نے کچھ کہا تو وہ مجھے اور اوپر چڑھا دے گا۔''

ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے پر ایسا تاثر آیا تھا جو شن آئے کے بھائی نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔مختصر یہ کہ وہ مجھے اپنے ساتھ ملانا چاہتا ہے''۔دوست نے کہا۔

وہ یہ سوچ رہا تھا کہ اگر وہ تمہیں استعمال کرے تو تم اس کے کتنے کام آ سکتے ہو۔'' اب شن آئے کے بھائی کی باری تھی بولنے کی۔''کیا وجہ ہے جس شخص نے سکول میں ہماری زندگی اجیرن کر رکھی تھی وہاں سے نکلتے ہی وہ بالکل بدل جائے؟''۔

''معلوم نہیں''۔

''تمہارا کیا خیال ہے وہ تم سے کیا چاہتا ہے؟''۔

''وفا داری۔ ہوسکتا ہے میرے اندر جو صلاحیت ہے وہ اس کے اپنے اندر نہیں ہے''۔

''میں سمجھا نہیں۔''شن آئے کے بھائی نے کہا، اس کا مطلب ہے اب جو وہ کہہ رہا ہے وہ تمہیں پسند ہے۔عجیب بات ہے تم اسے دھمکی کہتے ہو،تم اسے ترغیب بھی کہہ سکتے ہو۔اگر اب یہ تمہیں پسند ہے تو اب تک تم کیا کرتے رہے ہو۔یہ صحیح ہے کہ پرانی باتیں ختم ہوگئیں۔ مگر یہ بتاؤ کہ کیا ہمیں مجبور کیا گیا تھا کہ ہم جلوس نکالیں۔مظاہرے کریں یا پولیس سے چھپتے پھریں۔ اور کس نے تمہیں مجبور کیا کہ تم رات رات بھر جاگ کر ا پنا اخبار چھاپتے پھرو۔ٹھیک ہے نا؟تم نے لکھا کہ تم سے پہلے کی نسل نے جان بوجھ کر ایسے حالات پیدا کیئے کہ معاشرے میں ریا کاری اور بدعنوانی پیدا ہو اور لوگ دولت کمانے میں لگ جائیں اور دولت کی تقسیم غیر منصفانہ ہو۔تم نے لکھا کہ نئی نسل کی بھلائی کے لئے ضروری ہے کہ حالات جیسے بھی ہوں اختلاف اور نکتہ چینی کا سلسلہ برقرار رہنا چاہئے۔تم کہتے تھے کہ ہمیں جس بات پر سب سے زیادہ شرمندہ ہونا چاہئے وہ غربت نہیں لالچ اور حرص ہے۔تو اب تمہیں کیا ہو گیا ؟''مگر اب دیر ہو رہی تھی۔ سینیچر کے دن کا ہجوم بڑھ رہا تھا۔شن آئے کا بھائی اپنا دم گھٹتا محسوس کر رہا تھا۔ وہ اپنے دوست پر بہت اعتماد کرتا تھا۔

''اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔''اس کا دوست بولا۔میرے خیالات پروان نہیں چڑھ رہے ہیں بلکہ وہ اب مرجھا رہے ہیں۔''

''یہ تو اچھی بات نہیں۔'' شن آئے کے بھائی نے کہا اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا''۔ہمیں ایسی جگہ باتیں نہیں کرنی چاہئیں جہاں ہم بیٹھے ہیں۔ چلو کہیں اور چلتے ہیں۔''

''تمہیں یاد ہوگا میں فالج اور مفلوج ہوجانے کی باتیں کرتا تھا''۔

''ہاں ہاں، تم ٹھیک کہتے تھے''۔

''ایسے لوگ بھی تھے جو کہتے تھے میں صحیح نہیں کہتا تھا۔''

''ہمیں ایسی بائیوکیمیکل چیز کی ضرورت ہے جو ہر جگہ کام آئے، ایسی چیز ہمیں بنانی پڑے گی''۔

''میں پریشان ہو جاتا ہوں، اور برداشت نہیں کر سکتا۔ مجھے اس وقت سے اپنے ساتھیوں سے دھمکیاں مل رہی تھیں جب وہ چیگاڈز یہاں آیا بھی نہیں تھا۔ میں تو اس بات سے پریشان ہوتا ہوں کہ مجھے ان لوگوں کے سامنے تمیز کے ساتھ رہنا ہوگا۔ذاتی طور پر یہ میری سب سے بڑی پریشانی ہے''۔

شن آئے کے نزدیک وہ دونوں ابھی بچے ہی تھے اس دن وہ انسانوں کے ہجوم میں شامل ہوئے اور انڈر پاس میں چلنے لگے۔ وہاں سے نکلے تو ریستوران چلے گئے۔ وہاں سے انہوں نے شراب پی اور اس وقت تک پیتے رہے جب تک ان کے اندر پینے کی سکت رہی۔وہاں بہت لوگ تھے۔شراب خانے بھی ایسی جگہ تھے جہاں ان کے دشمن نہیں آتے تھے۔یہ ان کا آخری نخلستان تھا۔

''میں اسے معاف نہیں کر سکتا۔'' دوست نے کہا۔''مر جاؤ تم ہمیشہ گھسیٹتے رہو فالج زدہ لوگوں کی طرح۔ایک انچ بھی اپنے آگے نہیں دیکھ سکتے۔''

شن آئے کے نزدیک اس کا بھائی اور اس کے دوست کی طبیعت ایک جیسی تھی۔پھر اس نے ریلنگ پر ہاتھ کا دباؤ بڑھاتے ہوئے سوچا کہ اس کے بھائی کے دوست کو قتل کس نے کیا؟۔

اس کے بھائی کا دوست بدل گیا تھا پہلے تو اس کے بھائی نے کہا کہ اس کا دوست کام کے بوجھ میں دب گیا ہے۔کافی عرصے اس نے اپنے دوست کو نہیں دیکھا۔ پھر جب وہ ملے تو انہوں نے آج کے بارے میں کوئی بات نہیں کی۔اس کا دوست اس کے نزدیک ہی اس آدمی کے لئے کام کر رہا تھا جس نے انہیں پہلا زخم لگایا تھا۔ اس نے اپنی گمشدہ خواہشات بحال کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔وہ بہت بڑے گھر میں رہتا تھا جس میں ایئر کنڈیشننگ بھی تھی اور سنٹرل ہیٹنگ بھی۔اس مکان میں کسی چیز کی کمی نہیں تھی وہ جنت کا نمونہ تھا۔اس

کے دوست کی جنت ہمیشہ گرم رہتی تھی۔اس نے وہاں قیمتی پینٹنگ ٹانگ رکھی تھی۔بہت جلد اس کی بیوی اور بچوں کے لئے کار بھی مل جائے گی۔لیکن شن آئے نے اپنے خیالات میں ''خوشی'' کا لفظ غائب کر دیا تھا۔ بچے بڑے ہوتے ہیں پھر مر جاتے ہیں۔شن آئے نے پل سے اترتے ہوئے سوچا۔وہ مفلوج ہو کر مرتے ہیں۔اس کے دوست نے شراب خانے میں جو بات کہی تھی اس پر قائم رہااور اس نے اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کیا۔

شن آئے ہسپتال پہنچی تو اس کا بھائی سو رہا تھا۔نرس وہاں سے گئی تو اس نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔اس کے بھائی کے سر کے پاس ایک تصویر رکھی ہوئی تھی۔اس کی بیوی نے وہ تصویر وہاں رکھی تھی۔تصویر میں اس کے بچے کھڑے ہنس رہے تھے۔وہ ننھے فرشتے معصومیت کے ساتھ ہنس رہے تھے۔اور سب سے زیادہ یہی چیز کسی بھی انسان کو کمزور کر دیتی ہے۔

☆☆☆

MashalBooks.org

محور کے گرد چکر

یون ہو نے اپنا تیسرا سال خاموشی سے مکمل کیا۔ دوسرے سال کا دسمبر سوائے ہنگاموں کے اور کچھ نہ تھا اور یہی حال جنوری کا بھی تھا۔اگر اس کے باپ بیچ میں نہ آ جاتے تو وہ دو مہینے بھی اسی طرح گزر جاتے۔ اس کے باپ نے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ یون ہو کالج کے لئے تیاری میں فیل کیوں ہوگیا۔ یون ہو نے کچھ نہیں کہا۔ پہلے سال کا اس کا سکور 267 تھا۔ اس سال کا کٹ آف پوائنٹ196 تھا۔ یون ہو کے باپ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ یون ہو جو 71پوائنٹ سے کامیاب ہو ا تھاوہ اگلے سال داخلے کے امتحان میں ناکام کیسے ہو گیا۔ جب اسے معلوم ہوا تو وہ حیران رہ گیا۔اس نے اپنے بیٹے کی ناکامی کو بغاوت کی ایک شکل جانا۔ یون ہو نے اپنے باپ کو ایسا سمجھنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس نے پٹائی سے بچنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ اس کے باپ غصے میں تھے اور انہوں نے اسے لوہے کے تار سے مارا تھا۔ چند مہینے سے اس کے باپ دوسرے ملکوں کے قانون کی کتابیں پڑھ رہے تھے اور ان پر نشان لگا رہے تھے۔ یون ہو جانتا تھا کہ وہ ایسا کیوں کر رہے ہیں۔ موٹا فولادی تار ہوا میں لہراتا ہوا شراپ سے یون ہو کی پیٹھ پر پڑتا۔اس کی بڑی بہن زار زار رو رہی تھی۔ اگر ان کا سیکریٹری انہیں نہ بتاتا کہ ان کے کام کا وقت ہو گیا ہے تو یون ہو کے وکیل باپ یون ہو کو

خونم خون کر دیتے۔ انہوں نے یون ہو کو چھوڑا اور ہوٹل چلے گئے۔ اس ہوٹل میں کوئی اہم اجلاس ہو رہا تھا۔ یون ہو کی بہن نے اس کے کپڑے اتارے۔ اس کا انڈر ویئر گوشت میں پھنس گیا تھا۔ اور خون سے بھیگا ہوا تھا۔ چار دن تک یون ہو درد سے کراہتا رہا۔

قصور اس کے باپ کا تھا۔ شروع سے ہی اس کے باپ نے اس کی پرورش اس طرح کی تھی جیسے وہ کسی مختلف طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ اس کا احساس برتری اس کو یونیورسٹی کے سوشل سائنسز کے شعبے میں لے گیا۔ آخر دو مہینے گزر گئے۔ باپ نے پوچھا وہ کیا کرنا چاہتا ہے تو یون ہو نے کہا جیسے وہ پہلے کہتا تھا کہ وہ بی یونیورسٹی میں تاریخ پڑھنا چاہتا ہے۔ کیوں کہ اس کہ گریڈ اور ٹیسٹ نتیجے بہت اچھے رہے تھے۔ اس نے کہا کہ وہ کسی عام سکول میں یا پرائیویٹ کوچنگ کی بجائے بی یونیورسٹی میں داخلہ لے گا۔ وہی وقت تھا جب اس کے باپ کی توقع پوری نہیں ہوئی۔ وہ خاموش ہو گئے۔ وہ غصے میں نہیں تھے۔ انہوں نے سوچا ہو گا کہ باقی امیدیں بھی داؤ پر لگانے کی بجائے وہ خاموش ہو جائیں۔

یون ہو نے اپنے باپ کے خواب چکنا چور کیے اور خود کو آزاد کر لیا۔ تیسرے سال کے مارچ اور اپریل میں اس نے ایک کتاب پڑھی۔ جس کا نام ''محنت کشوں کا ہدایت نامہ'' تھا اس میں دوسری باتوں کے علاوہ ایسی باتیں بھی تھیں جیسے محنت کشوں کا معیاری قانون اور اس کا نفاذ، محنت کشوں کے تقاضے اور ثالثی کا قانون اور اس کا نفاذ، ٹریڈ یونین قانون اور اس کا نفاذ، لیبر کمیٹی قانون اور اس کا نفاذ، نیشنل ڈیفنس کے لئے ایمرجنسی قانون، انگانگ اجتماعی ٹیکسٹائل معاہدہ، انگانگ لیبر کمیٹی کے ضابطے اور انگانگ ٹیکسٹائل برانچ بائی لاز، یون ہو نے یہ کتابچہ اس محلّہ میں پڑھا جہاں وہ حال ہی میں آئے تھے۔ اس کے باپ نے جب یہ کہا کہ وہ یہ تین منزلہ مکان فروخت کر رہے ہیں اور پہاڑی کے دامن میں درختوں کے جھنڈ میں ایک تین منزلہ مکان میں جا رہے ہیں تو اس کی بہن نے بہت شور مچایا۔ مگر پھر وہ سیکریٹری کے ساتھ مکان دیکھنے گئی اور اس کے بعد وہ اس انتظار میں رہنے لگی کہ کب وہ وہاں جاتے ہیں۔ اس علاقے کے گرد دیوار بنی ہوئی تھی اور گیٹ پر گارڈ بیٹھے ہوئے تھے جو ہر آنے جانے والے سے پوچھ گچھ کرتے تھے۔ یون ہو کو ایسا لگا جیسے وہ بالکل ہی مختلف دنیا میں آ گیا ہے۔ سڑکیں صاف ستھری تھیں مکان خوبصورتی کا نمونہ تھے۔ وہاں کوئی بھی پیدل نہیں چلتا تھا۔

موسم بہار کے ساتھ خوشبوؤں کی لہر آئی جو پورے علاقے پر چھا گئی۔ڈبل چیری بلاسم، گلاب کی جھاڑیاں، لائے لک وڑی بہرنم، ریڈ بڈاور طرح طرح کے پھول کھل گئے تھے۔ہر طرف شہد کی مکھیاں اڑتی پھرتی تھیں۔وہاں پہ پرانے محلے کی آواز تک نہیں آتی تھی۔بارش کے بعد جو یون ہو نے دیکھا وہ لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اکثر وہاں چھوٹی سی روح کی آواز سنتا جو مرجھاتی جا رہی تھی۔لیکن وہ وہیں رہا وہاں''محنت کشوں کا ہدیت نامہ'' سے بہتر اور کتاب کیا ہوسکتی تھی۔

''یہ کیا کتاب ہے؟''

''جی۔۔؟''۔

''یہ کتاب نہیں ہے''۔

''پھر کیا ہے؟''

اپریل ختم ہوا تو پڑوس کی لڑکی نے اس سے باتیں کرنا شروع کر دی۔وہ سرخ کار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی تھی اور اس کی آنکھیں یون ہو کی آنکھوں میں کھبی جا رہی تھیں۔یون ہو نے جواب میں ایک لفظ نہیں کہا۔لڑکیا ں سب ایک جیسی ہوتی ہیں۔ جیسے عام سکولوں کے کورسز، یا پرائیویٹ کوچ۔ان کا سوچ کر ہی اسے متلی ہونے لگتی تھی۔ جہاں تک لڑکیوں کے ساتھ سونے کا تعلق ہے تو اس کی یادیں کچھ اچھی نہیں تھیں۔اس کا رونے کو جی چاہتا تھا لیکن پڑوسیوں کی اس لڑکی نے آگے بڑھ کر اس سے کتابچہ چھین لیا۔اس نے کتابچے کا نام پڑھا۔ وہ کتابچے کی فہرست پڑھ رہی تھی تو یون ہو اسے دیکھتا رہا۔لڑکی نے فہرست پڑھ کر ورق پلٹے اور ایک ایک کر کے عنوان پڑھتی جا رہی تھی۔اس نے وہ کتابچہ واپس کیا تو وہ شرما رہی تھی۔کیونگ آئے سترہ سال کی تھی اور ہائی سکول میں پڑھتی تھی۔ یون ہو کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ شرمائی کیوں؟۔وہ چمکدار سفید سویٹر اور چمکدار سفید پتلون پہنے ہوئی تھی۔اس کے دادا بہت بیمار تھے۔لیکن اس وقت یون ہو کو معلوم نہیں تھا۔کیونگ آئے کے کپڑے اس کے بدن کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ جب وہ دونوں دوسری بار ملے تو وہ منا سب لباس پہنے ہوئے تھی۔وہ اس کے گھر آئی تھی۔

''ہمارے سیل کی میٹنگ ہے۔''اس نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

''آپ کا کیا؟''

''سیل''

''کیا؟''

''ہمارا گروپ''

''اچھا میں سمجھا''، اس نے کیونگ کے منہ کو دیکھا'' مگر آپ کیوں آئی ہیں؟''۔

''تمہیں دعوت دینے''۔

''مجھے؟، کیوں؟''۔

''کیوں کہ ہمارا موضوع ہے کم عمر محنت کش''

''آپ نے غلط سمجھا۔ میں اس موضوع پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔''

''وہ کتابچہ تمہارے پاس کہاں سے آیا تھا؟''

''وہ مجھے انگانگ سے ملا تھا''۔

''اور تم وہاں کچھ مزدوروں سے ملے تھے۔ ہے نا؟''۔

اب کیونگ آئے یون ہو کو گھور رہی تھی۔ اگر وہ اپنا منہ موڑ لیتا تو بچ سکتا تھا۔ یون ہو نے اپنے آپ کو سترہ سال کی اس لڑکی کی طرف کھنچتے ہوئے محسوس کیا۔ ان دنوں کیونگ آئے کے دادا مرے تھے۔ اس کے دادا بہت دولت مند تھے۔ ۔اس کے باوجود انہوں نے آخری سانس لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ ان کی زندگی کا رشتہ آسانی سے ٹوٹ گیا تھا۔ اس وقت وہ سارا علاقہ پھولوں کی خوشبو سے بھرا ہوا تھا۔ مردے کو لے جانے والی گاڑی آ گئی۔ اس کی چھت پر پھولوں کے ہار لگے ہوئے تھے۔ اتنے ہار لگے ہوئے تھے کہ گنے نہیں جا سکتے تھے۔ یون ہو کی بہن یہ خوشبو برداشت نہ کر سکی اور اس نے کھڑکی بند کر دی۔ وہ بولی، یون ہو پھولوں کی ساری دکانیں خالی ہو گئی ہوں گی۔

اس رات یون ہو کے باپ نے اور اس کے وکیل دوست نے گھر کے تہہ خانے والی کھڑکی میں شراب پی۔ انہیں کیونگ آئے کے گھر کے باہر کوئی چھوڑ گیا تھا۔ ان میں سے کسی کو بھی کیونگ آئے کے دادا سے ہاتھ ملانے کا موقع نہیں ملا۔ یون ہو نے انگریزی ادب پڑھا تھا اس نے ریاضی بھی پڑھی تھی۔ مگر وہ ان سے سخت نفرت کرتا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد یون ہو کھڑکی پر جاتا اور جھاڑیوں کے اوپر سے کیونگ آئے کے گھر کی طرف دیکھتا۔ ایک بار کیونگ آئے سیاہ لباس پہنے گھر سے باہر نکلی۔ لڑکی نے دادا کی میت کے مرجھائے

ہوئے پھولوں کو ہاتھ لگایا۔ یون ہو کو خیال آیا کہ اب تک کیونگ کے دادا کی لاش سے بدبو آنے لگی ہو گی۔ دوسرے دن وہ کیونگ سے ملا تو اس نے نفی میں سر ہلایا اور بولی کہ دادا کی لاش کبھی گلے سڑے گی نہیں۔ لڑکی نے اسے اپنی لال کار میں بٹھایا اور بتانا شروع کیا۔ لاش کی نوک پلک سنوارے والے کیسا کمال کرتے ہیں۔ کل رات انہوں نے اس لاش کے ساتھ کیا کیا۔

''میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا'' کیونگ آئے نے کہا۔ ''میں جانتی ہوں ایک دن میں بھی مر جاؤں گی اور مجھے بھی دفن کر دیا جائے گا۔ میں تو مٹی بن جاؤں گی مگر میرے دادا کی لاش تابوت میں ویسی ہی رہے گی جیسے وہ آج تھے۔''

''تمہارے دادا بادشاہ ہیں۔''

''بادشاہ نہیں وہ بڑے افسر تھے''

تم روئی نہیں ؟''

''میں کیوں روتی ؟۔کوئی بھی نہیں رویا۔ اب تو ہمارے بڑوں میں جھگڑے ہو رہے ہیں۔''

''کیوں ؟''

''ان کی نظر دادا کے عہدے پر ہے''

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟''

وہ ایک دکان کے پاس پہنچے تو وہاں پر چند لڑکیاں کھڑی تھیں۔ وہ متبرک اشیاء کی دکان تھی۔ لڑکیوں نے کیونگ آئے کو گھیر لیا اور اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ لڑکے ایک کمرے میں تھے جہاں وہ لڑکیوں کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ اندر گئیں تو ایک لڑکا فون کر رہا تھا۔ ایک ٹائپوں کی مشین کے پاس کھڑا تھا اور مشین کے لئے اپنی جیبیں ٹٹول رہا تھا۔ ایک لڑکے نے اپنا سکول بیگ کھول رکھا تھا اور دیکھ رہا تھا کہ اس میں موم بتیاں، بائبل اور اس موقع کے لئے جو دوسری چیزیں لایا تھا وہ موجود ہیں یا نہیں۔ طلبہ کا نمائندہ تہہ خانے کی چابیاں لے کر آ گیا اس عمارت کی پیشانی پر یون ہو نے لکھا دیکھا۔ ''آزادی، انصاف، امن'' کیونگ آئے اسے آگے لے گئی۔ وہ بیس سیڑھیاں اترے تو انہیں ایک لکڑی کی صلیب نظر آئی۔ یون ہو نے دیکھا کہ کیونگ آئے دیوار کے پاس بیٹھ گئی ہے۔ اس نے متبرک پانی میں انگلیاں ڈبوئیں

اور صلیب بنائی۔ کیونگ آئے نے دعا پڑھی، خدا وند اس متبرک پانی سے میرے گناہ دھو دے۔ مجھ سے شیطان کو دور رکھ اور میرے دماغ سے تمام برے خیالات نکال دے۔ اس دن طلبہ تہہ خانے میں تیس منٹ تک کم عمر مزدوروں کے مسئلے پر بات کرتے رہے۔ یون ہو خاموش بیٹھ کر سنتا رہا جب بھی اس کی نظر کیونگ آئے سے ملتی تو وہ مسکرا دیتی۔ طلبہ کے کاندھوں پر ایک طاقچہ نظر آرہا تھا جس پر حضرت عیسیٰ کا مجسمہ رکھا ہوا تھا۔ ہاتھی دانت کی قربان گاہ میں ننھے فرشتے رکھے ہوئے تھے۔ آدھے کھلے ہوئے پروں میں بجلی کی قرمزی روشنی جھلک رہی تھی۔ طلبہ کی آواز بلند ہوئی انہوں نے اپنے خیالات زور زور سے ظاہر کرنا شروع کیے۔ یہ طلبہ سائے کو پکڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ پھر انہوں نے یون ہو کو پکارا۔

''روپا'' کیونگ آئے نے اسے بلایا۔ دوسرے طلبہ ہنس رہے تھے۔

''ہمارے استاد نہیں آئے اس لئے ہم نے یون ہو کو بلا لیا ہے اب ہم ان سے درخواست کریں گے کے وہ کچھ بولیں۔'' جلسے کی صدارت کرنے والے طالب علم نے کہا۔

''مجھے ابھی پتا چلا ہے کے تمہارے استاد کیوں نہیں آئے، ان کے پاس کہنے کو کچھ نہیں ہو گا''۔

''طلبہ ہنس پڑے۔

''وہ بہت شرمندہ ہوں گے''

لڑکے پھر ہنسنے لگے

''اور مجھے بھی شرمندگی ہو رہی ہے۔ مجھے حیرت ہے کے آپ میں سے کسی کو بھی شرمندگی نہیں ہو رہی ہے''۔

''کیا مطلب ایک لڑکی نے پوچھا؟''

''آپ نے آج کم عمر مزدوروں کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ یون ہو نے کہا۔ اور تیس منٹ سے زیادہ آپ اس پر بات کرتے رہے۔ آپ نے ایسے بات کی جیسے آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔ آپ کچھ نہیں جانتے۔ اس ملک میں ایک بھی آدمی ایسا نہیں ہے جو اپنے آپ کو مجرم سمجھے اس موضوع پر بات کر سکے۔ ان میں میں بھی شامل ہوں۔ جب میں سرکاری کواٹروں میں رہتا تھا تو مجھے ایک چھوٹے قد کا آدمی ملا کرتا تھا۔ اس بونے آدمی سے میری ملاقاتیں ہونے لگیں۔ میں نے اسے ہمیشہ مصیبتوں میں گھرا ہوا دیکھا۔ پھر اس کا انتقال ہو گیا۔ اس

کے لڑکے اور لڑکی فیکٹری میں کام کرتے تھے۔ ان کا کام بہت تھکا دینے والا تھا۔ وہ نہیں جانتے تھے کے اپنی تکالیف کا اظہار کیسے کریں اور ان کے ساتھ جو سلوک کیا جا رہا تھا اس کے خلاف آواز کیسے اٹھائیں۔ وہ جو کام کرتے تھے اس سے ان کی بڑھواڑ بھی رک گئی تھی۔ ہر روز دیو قامت مشینیں ان کے سر پر سوار ہوتی تھی۔ مشینوں نے ان سے سوچنے سمجھنے اور محسوس کرنے کی صلاحیت بھی چھین لی تھی۔ یاد کیجئے آپ نے سکول میں کیا پڑھا۔ اوپر سے گرنے والی چیز میکانکی توانائی پیدا کرتی ہے اور زخم کی قوت پھیلاؤ۔ یہ مزدور اسی طرح ہیں۔ انہیں میکانکی توانائی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس لئے آپ تو کم عمر مزدوروں، ان کے کام، ان کے فرائض اور ان کے حقوق کے بارے میں بات کر سکتے ہیں۔ میں نہیں کر سکتا۔ آپ تو ان کی مدد بھی کرنا چاہتے ہیں مگر میں نہیں کر سکتا۔ اس بونے کے بچوں نے جو تکلیفیں اٹھائیں وہ میں نے دیکھیں اور میں نے انہیں محسوس بھی کیا۔ 1970 میں کوریا جرائم پیشہ لوگوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو جرائم پیشہ نہ ہو''۔ یون ہو نے اپنی بات پوری بھی نہیں کی تھی کہ ایک گٹار کی آواز سنائی دی۔ ایک لڑکا کونے میں چلا گیا تھا اور گٹار بجانے لگا تھا۔

''آپ اپنی بات جاری رکھیئے'' ایک لڑکی نے یون ہو سے کہا۔

''آہستہ'' ایک لڑکی نے گٹار بجانے والے سے کہا۔

موسیقی المیہ تھی۔ اس موسیقی سے یون ہو کو کہکشاؤں کے ستارے یاد آ گئے۔ ان ننھے منے ستاروں کی گردش کے بارے میں سوچتا رہا اور کیونگ آئے ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتی رہی۔ آخر میں یون ہو نے چند مثالیں پیش کیں کہ بونے کے بیٹے کیا کیا تکلیفیں اٹھاتے رہے۔ بونے کا بڑا بیٹا کاریں اسمبل کرنے والے کارخانے میں کام کرتا تھا اس سے چھوٹا پالش کا کام کرتا تھا اس کی بیٹی ایک ٹیکسٹائل مل میں کام کرتی تھی جہاں وہ ویونگ مشین پر کام کرتی تھی۔ یون ہو کی بات طلبہ کی سمجھ میں نہیں آئی۔ انہیں سمجھانے کے لیئے یون ہو کو محنت کشوں کا پورا کتابچہ پڑھ کر سنانا پڑا۔ انہیں بتانا پڑا کہ کام کی جگہ پر مزدوروں کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ کس طرح وہاں صرف آسمان سے ہی روشنی آتی ہے۔ وہ کھاتے پیتے کیا ہیں اور کیسے کھاتے ہیں۔ مزدوروں اور مالکوں کے اختیارات کیا ہوتے ہیں۔ پھر مزدوروں کی تحریک کی تاریخ بھی بیان کرنا پڑتی اور انہیں یہ بھی بتانا پڑتا کہ جب یہ مزدور

اپنے ذاتی گھر کے خواب دیکھ کر کرائے کے گھر اور کرائے کے بستر سے سو کر اٹھتے ہیں تو ان کے چہرے کے تاثرات کیا ہوتے ہیں۔ لیکن یون ہو نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا اور اپنی بات ختم کر دی۔

طلبہ اب دوسری سرگرمیاں شروع کرنا چاہتے تھے۔ ان طلبہ میں کچھ ایسے بے چین لڑکے لڑکیاں بھی تھے جو یون ہو کی بات سننا ہی نہیں چاہتے تھے۔

کیونگ آئے یون ہو کے پاس آئی اور ان طلبہ کے رویے پر معافی مانگی۔ ''تم پریشان نہو؟'' اس نے کہا'' باقی طلبہ تمہیں پسند نہیں کرتے میں تمہارے لیئے پینے کو کچھ لاتی ہوں''۔

''نہیں رہنے دو'' یون ہو بولا'' میں جا رہا ہوں۔''

''کیوں؟''

''یہاں میری ضرورت نہیں ہے''۔

''تم ان لوگوں کو تو مایوس نہ کرو جو تمہیں پسند کرتے ہیں''۔

''کوئی بھی پسند نہیں کرتا''۔

''کیوں نہیں پسند کرتے؟''۔

''میرا تو دم گھٹ رہا ہے میں یہاں سے باہر جانا چاہتا ہوں۔''

''تم نے کہا تھا کہ ہم سب مجرم ہیں تو پھر ہم سب جیل میں رہتے ہیں'' ٹھیک ہے نا؟''۔

لڑکے کھڑے ہو گئے اور کرسیاں کھسیٹ کر چلنے لگے۔ لڑکیاں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔ دو لڑکیوں نے تہہ کیئے ہوئے کاغذ کے چند پرزے چمکیلی پنی سے بنے ہوئے ڈبے میں ڈالے اور ڈبے کو ہلایا۔

''تمہارا ساتھی ہمارا مہمان ہے'' ایک لڑکی بولی۔

''تم میرے پارٹنر ہو'' کیونگ آئے نے کہا۔

''کم عمر مزدوروں کے بارے میں میں نے فیصلہ نہیں کیا؟''۔

''کیوں؟''۔

''جس نے بھی کیا ہے میں اسے معاف نہیں کر سکتی۔''

''میں سوگ منا رہی ہوں''

MashalBooks.org

''میں جلد ہی اس شخص کو معاف کر دوں گی جس نے اپنی آزادی فروخت کر دی''۔

''دادا کی لاش گلے سڑے گی نہیں کل انہیں دفن کر دیا جائے گا میں ان کا سوگ منا رہی ہوں۔ اب تم مجھ سے کچھ نہ کہنا۔

یون ہو نے طاقچے کے پاس کنواری مریم کے مجسمے کو دیکھا۔لڑکوں نے ڈبے سے ایک ایک کر کے کاغذ نکالا اور اپنا ساتھی چنا۔لڑکیوں نے لڑکوں کو دیکھا۔ جو ان کے ساتھ بیٹھ گئے تھے۔لڑکے مطمئن تھے مگر چند لڑکے خوش نہیں تھے۔طلبہ نے میز پر وہ چیزیں رکھنا شروع کیں جو وہ اپنے ساتھ لائے تھے۔ان چیزوں میں چاول کے کیک تھے، برگر تھے۔بسکٹ تھے اور دودھ اور کوکا کولا کے علاوہ بوتلیں بھی تھیں۔ ایک طالب علم نے کافی بنانے کے لئے ساکٹ میں پلگ لگایا اور باہر چلا گیا۔

طلبہ کی تیاریاں مکمل تھیں۔ وہ اپنے ساتھ اسٹیریو اور ریکارڈ بھی لے آئے تھے۔گٹار بھی تیار تھا۔طلبہ اور طالبات کے جمگھٹے میں گٹار ہونا ضروری تھا۔لڑکیوں نے موم بتیاں جلائیں۔لڑکوں نے بتیاں بجھا دیں۔ اب سب میزوں کے گرد بیٹھ گئے اور کھانا پینا شروع کر دیا۔

''ان کیلئے اس سے زیادہ اور خوشی کیا ہو سکتی تھی۔

''اب تم جلدی نہ چلے جانا'' کیونگ آئے نے کہا۔

''تم میری ساتھی کیوں بن رہی ہو؟''۔یون ہو نے کیونگ آئے سے پوچھا جو اس کے اور قریب آ گئی تھی۔

''کیوں کہ میں تمہیں پسند کرتی ہوں'' کیونگ آئے نے سرگوشی کی۔

''اگر موضوع آزادی ہوتا تو میں تم سے بات نہ کرتی''۔

''تو یہ بچارے مزدوروں کے مسئلے صرف بہانہ تھے؟''۔

''تم نے بہت اچھی باتیں کیں آج تم نے میری آنکھیں کھول دیں''

''پہلے مزدوروں کی باتیں تھیں اور اب یہ اور باتیں ہو رہی ہیں۔''

''ایسا نہ کہو'' کیونگ آئے نے برا سا منہ بنایا۔

''خاموش ایک لڑکی نے زور سے کہا''سب تیار ہو جاؤ''

ایک لڑکے نے گٹار بجانا شروع کیا۔ یہ لڑکا وہ تھا جس کو دیکھ کر یون ہو کو ننھے منھے

ستارے یاد آ گئے تھے۔وہ گٹار بجا رہا تھا اور گا رہا تھا۔یون ہو نے اس کی ساتھی لڑکی کو دیکھا جو کوکا کولا پی رہی تھی اور موم بتیاں سجا رہی تھی۔بے چین لڑکا ایک بار پھر جلدی میں تھا اور نیا کھیل شروع کرنا چاہتا تھا۔ایک لڑکا اٹھ کر چلا گیا اب سب لڑکے اور لڑکیوں نے مل کر گانا شروع کیا۔

''آپ سن رہے ہیں۔''ایک لڑکا چیخا۔

وہ لڑکا جو باہر چلا گیا تھا واپس آ گیا اس نے دروازہ بند کر دیا۔

''اسٹیریو چلنے دو۔''

''کیا ناچنے کا وقت ہو رہا ہے؟''

''ٹھہرو''جنرل سیکریٹری بولا''۔پہلے کھیل ہوں گے۔

لڑکوں نے میزیں دیوار سے لگا دیں کھیل شروع ہوا۔لڑکوں اور لڑکیوں کی طرف سے شور اٹھا اور قہقہے گونجے۔لڑکوں نے اپنے کوٹ اتار دیئے۔لڑکیاں پسینہ پسینہ ہو رہی تھیں۔انہوں نے بھی اپنے کوٹ اتار دیئے۔جب گنتی کا وقت شروع ہوا تو کیونگ آئے یون ہو کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔اس نے اپنا چھوٹا سا ہاتھ یون ہو کے ہاتھ میں دے دیا۔تمام لڑکوں نے بھی اپنی ساتھی لڑکیوں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیئے۔لڑکے اور لڑکیوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ یون ہو نے اس لڑکے کو دیکھا جو سب کو ہدایات دے رہا تھا۔اس نے سب سے کہا کہ وہ پندرہ تک گنیں اور پھر دو موم بتیاں بجھا دیں۔اب جو تین موم بتیاں بچیں ان میں سے ایک کی مدھم سی روشنی کیونگ آئے کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔لڑکے کھڑے ہونے لگے چند لڑکے پہلے کھڑے ہو گئے اور کچھ بعد میں ہوئے۔پندرہ سیکنڈ کا جو وقفہ دیا گیا اس کی وجہ سے کافی گڑ بڑ ہوئی۔گروپ کے لیڈر نے ہر جوڑے کو ہدایت دی کہ وہ چھوٹی کرسی پر کھڑے ہو جائیں۔یہ کام بہت مشکل تھا۔ کچھ لڑکیوں نے اپنے ساتھی کو دھکا دے دیا۔وہ ایک دوسرے سے چمٹ کر ہی کرسی پر کھڑے ہو سکتے تھے۔ایک لڑکے نے ایک اور موم بتی بجھا دی۔دو لڑکیوں نے اپنے ہاتھوں کے چلو بنا کر دو موم بتیاں گھیر لیں۔ یون ہو نے انہیں کرسیوں پر چڑھتے ہوئے سنا۔

''آجاؤ آجاؤ۔'' کیونگ آئے نے کہا۔

''مجھے حکم نہ دو''یون ہو بولا۔

''تو پھر تم مجھے حکم دو ایک بار ہی سہی''۔

''کیوں؟''۔

''اچھا کوئی بات کر دو''

''میں تمہیں جلاد کے تختے پر لٹکا دوں گا''۔

کیونگ آئے نے خاموشی سے ہاتھ بڑھایا۔ یون ہو نے اس کا ہاتھ پکڑا اور کرسی پر چڑھ گیا۔ کیونگ آئے نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی کمر کے گرد لپیٹ لیا۔ اس نے یون ہو کے ہاتھ کی گرفت سخت ہوتی محسوس کی تو پاؤں اوپر اٹھا لئے۔ اب دونوں کرسی پر کھڑے تھے۔ دوسرے جوڑے اپنی کرسیوں سے گر گئے۔

''یہ نہ کرو'' کیونگ آئے نے سرگوشی کی''۔

یون ہو نے اپنے ہاتھ ہٹا لئے

''تم نے تو کمال کر دیا ایک لڑکی نے دھیرے سے کیونگ آئے سے کہا۔ اس لڑکی کے ساتھی نے باقی دو موم بتیوں میں سے ایک بجھا دی۔ کسی نے سٹیریو چلا دیا۔ لڑکیاں اور لڑکے موسیقی سن رہے تھے تو جوڑوں نے آپس میں باتیں کرنا شروع کر دیں۔ یہی وقت تھا جس کا سب انتظار کر رہے تھے۔ باقی بچی ہوئی ایک موم بتی کی روشنی دیوار اور چھت پر پڑ رہی تھی۔ لڑکے اور لڑکیاں یہ موم بتی بجھانے کی ہمت نہیں کر رہے تھے۔ اسٹیریو پر گانے والی کی آواز آئی۔ ''بہار کے ایک دن تلاب میں دو گولڈ فش آپس میں لڑنے لگیں۔ ایک گولڈفش مر گئی اور پانی کے اوپر آ گئی۔ وہ بدبو دینے لگی اور سارا تالاب بدبو دار ہو گیا۔ تالاب میں کوئی جاندار زندہ نہ رہا''۔ یون ہو دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھا تھا کچھ دیر کیونگ آئے نے آنکھیں آٹھا کر نہ دیکھا۔ وہ اپنی پیٹھ پر یون ہو کے ہاتھ کی گرفت ابھی تک محسوس کر رہی تھی۔ اس کے بدن میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔ لاش کو سنوارنے والے حیرت انگیز طور پر بہت ماہر تھے۔ لیکن اس کے دادا کے حسی اعضاء کے بارے میں کچھ نہیں کر سکتے۔ کیونگ آئے کے دادا نے بھرپور زندگی گزاری تھی۔ یون ہو نے کیونگ آئے کو اپنی طرف متوجہ کیا پھر اسے اپنا وعدہ یاد دلایا۔

''تم کیا چاہتے ہو؟'' کیونگ آئے نے پوچھا۔

''تمہیں تختے پر لٹا کر تشدد کرنا چاہتا ہوں۔''

''کیوں؟''۔

''تاکہ تم اپنے جرائم کا اعتراف کرلو''۔

''ٹھیک ہے تم جو چاہو کرو'' کیونگ آئے نے جواب دیا۔

یون ہو کھڑا ہو گیا اور بولا۔''اپنے کپڑے اتارو''

''تم پاگل ہوئے ہو''۔کیونگ آئے نے قہقہہ لگایا۔

دوسرے لڑکوں نے اسٹیریو بند کر دیا۔ وہ یون ہو اور کیونگ آئے کے گرد گھیرا بنا کر کھڑے ہو گئے۔یون ہو نے کیونگ آئے کے لباس کا گلا پکڑ لیا۔ وہی ہاتھ پھر نیچے کی طرف آیا۔ کیونگ آئے نے منہ پر ہاتھ رکھا او رچیخی۔لڑکے لڑکیاں ہنسنے لگے کیونگ آئے نے محسوس کیا کہ کپڑے چیر پھاڑ کر اتارے جا رہے ہیں اور وہ ننگی ہو رہی ہے۔شرم سے اس نے اپنے ہونٹ کاٹے۔ یون ہو نے ایسے ہاتھ ہلائے جیسے وہ کیونگ آئے کے دونوں ہاتھ باندھ رہا ہو۔یہ ایسا تھا جیسے کسی مجرم کو ٹکٹکی پر باندھا جا رہا ہو۔میں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ کیونگ آئے نے کہا۔لڑکیاں ہنسیں۔یون ہو نے اسے کرسی پر کھڑا کیا اور دونوں بازو اوپر اٹھانے کو کہا۔ کیونگ آئے نے ایسا ظاہر کیا جیسے اسے رسی سے باندھا جا رہا ہو۔ میں تمہیں اس وقت تک لٹکائے رکھوں گا جب تک تم اقبال جرم نہ کر لو۔دوسرے لوگوں کے لئے یہ خطرناک کھیل بنتا جا رہا تھا۔اس لئے انہوں نے دوبارہ اسٹیریو چلایا اور باتیں کرنے لگے۔کیونگ آئے کی گردن جھک گئی اس حالت میں وہ یون ہو کی طرف بڑھی۔ اس نے اسے بازوؤں میں لے لیا اور فرش پر لٹا لیا۔ کیونگ آئے نے اپنے گھر کے سامنے وہ گلدستہ رکھا دیکھا جو میت کے پاس رکھا جاتا ہے۔پھول مرجھا رہے تھے۔تشدد کرنے والے نے کیونگ آئے کو ایک خاص انداز سے لٹایا اور پھر اس کے پیر اور بازو اکٹھے کر کے باندھے اور پھر جلاد والے تختے کے سامنے بٹھا دیا۔ یون ہو نے ایسا ظاہر کیا جیسے وہ تختے کو گرا رہا ہے۔

''چیخو''۔یون ہو نے کہا۔''تمہارا گوشت پوست ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہے''۔

''مجھے تو کچھ محسوس نہیں ہو رہا ہے''۔کیونگ آئے بولی۔

''یہاں کھڑا ہونا مجھے اچھا لگا تو میں ایسے بن گئی جیسے بے ہوش ہورہی ہوں۔ اب میں بالکل آرام سے ہوں۔''

''میں تمہیں سچی بات بتانا چاہتا ہو''۔

یون ہو نے چار نظر نہ آنے والے تختے تین بار کسے۔ پوری طرح یقین تو نہیں تھا کیونکہ ایسا کوئی ریکارڈ نہیں تھا مگر اس نے سوچا کہ باقی کے تین خانوں میں جو تشدد والے کمرے ہوتے ہوں گے وہ انسانی چیخوں سے بھرے ہوتے ہوں گے۔ وہاں پھٹے ہوئے ہونٹ، پھٹا ہوا گوشت اور بہتا ہوا خون ہوتا ہو گا۔ یون ہو نے کیونگ آئے کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''تمہارا دل پھٹا جا رہا ہے''یون ہو نے آہستہ سے کہا۔

'اگر تم نے اقبال جرم نہ کیا تو میں تختہ اور جکڑ دوں گا''۔

''میرا کوئی جرم نہیں ہے جس کا اقبال کروں'' کیونگ آئے نے کہا۔

''غریب محنت کش بچوں کا کیا قصہ ہے؟''

''میں یہ باتیں نہیں سننا چاہتی''۔

''تم میرے پاس ان بچوں کا مقدمہ لے کر آئی تھیں''۔

''میں نے کہا نا، میں یہ سننا نہیں چاہتی۔''

''بولتی رہو۔''

''میں نہیں جانتی وہ بونا آدمی کون تھا۔''

''یہ انگانگ ٹیکسٹائل کیا ہے؟''۔

''میں جانتی ہوں'' کیونگ آئے بولی'' وہ میرے دادا کی کمپنی تھی''۔

''تمہارے دادا کے پاس اور کیا کیا تھا؟''۔

''بہت سی کمپنیاں اور بہت سے کار خانے، ایک خوبصورت جزیرہ شہر سے باہر کھیت،سوئمنگ پول والا بڑا سا گھر تہہ خانے میں بار، بہت سی مشینیں، بلیاں اور بہت سی گائیں۔ ''بس بس، اب تم اپنے جرم بتاؤ''۔

''میں مجرم ہوں'' کیونگ آئے کہا۔''میں نے بہت جرم کئے ہیں۔ میرے لئے مزے

کی بات یہ ہے کہ میں وہ جرم بتا نہیں سکتی''۔

''کیونکہ تمہاری پوری زندگی ہی ایک جرم ہے۔''یون ہو نے خیالی تختے کو اور جکڑا۔

''اس سے تکلیف ہو رہی ہے''۔ کیونگ آئے نے پہلی بار کہا۔''اب مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میرا دل واقعی پھٹنے والا ہے'']۔

''اپنے جرم کے بارے میں بتاؤ''۔

''جب تمہارا خاندان ہمارے پڑوس میں آیا تو مجھے اچھا لگا''،

''مجھے تم شروع سے ہی اچھے لگتے ہو۔ میں جب بستر پر لیٹتی ہوں تو مجھے تمہا را ہی خیال آتا ہے۔ یہ میرا جرم ہے''۔

''تمہارا بستر ہمیشہ گرم ہوتا ہے۔ ہوتا ہے نا ؟ پچھلے جاڑوں میں جب پچاس سال پرانے شاہ بلوط کے تنوں کی چھال پھٹ گئی تھی تو تمہارے بستر کا درجہ حرارت کیا تھا ؟''۔

''مجھے نہیں معلوم۔''

''تم سردیوں میں آدھی آستین کی قمیض پہنتی ہو۔ ہے نا ؟''۔اور تم جب چاہو باتھ ٹب میں نہا سکتی ہو۔ٹھیک ہے نا ؟۔تم کبھی بھوکی نہیں رہیں اور نہ تمہیں کبھی سردی نے ستایا۔ ہے نا ؟''۔مگر تم جانتی ہو کہ بونے آدمی کی بیٹی اونگا نگ فیکٹری میں کام کرنے گئی تھی۔''

''نہیں۔''

''وہ کیفے ٹیریا میں وہ چاول کھاتی تھی جو چاول کے جو ہوتے تھے اور وہ سوپ پیتی تھی جو مولی کے سوکھے پتوں سے بنایا جاتا تھا۔ اس کے کمرے کا درجہ 27 ڈگری ہوتا تھا۔ اور وہ گندہ کھا کر اپنے تکالیف دہ بستر پر سونے کی کوشش کرتی تھی تو تم جانتی ہو اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا تھا''۔

''نہیں۔''

''اسے ایک مشین کی طرح استعمال کیا جاتا تھا۔''

''میں نہیں جانتی تم کیا باتیں کر رہے ہو۔'' کیونگ آئے نے کہا۔

''تم جان جاؤ گی''۔

''یون ہو بولا اور کھڑا ہونے لگا۔

''نہیں۔''

''نہیں گیا سترہ سال کی لڑکی کا یہ جرم نہیں ہے کہ وہ پڑوس کے لڑکے کے بارے میں سوچتی ہے؟''۔

''مجھے نہیں معلوم۔'' کیونگ آئے نے کہا۔

''اور یہی تمہارا جرم ہے''۔ یون ہو بولا' اور یہ ہر اس شخص کا جرم ہے جو یہ نہیں جانتا۔ تمہارے دادا وہ تمام اختیارات استعمال کرتے تھے جو وہ چاہتے تھے۔اس سے پہلے ایک آدمی کے ماتحت کبھی اتنے آدمیوں نے کام نہیں کیا۔تمہارے دادا نے ہر قانون کی خلاف ورزی کی، جبری مشقت، دماغی اور جسمانی آزادی پر پابندی، کوئی بونس نہیں، بلا وجہ برطرفی ریٹائرمنٹ کی کوئی سہولت نہیں، کم سے کم تنخواہیں، اوقات کار، رات کو کام، کم معاوضے کے ساتھ چھٹیاں اور کم عمر مزدوروں کا کوئی لحاظ نہیں۔ قانون کی خلاف ورزیوں کے علاوہ انہوں نے مزدور انجمن کی سرگرمیوں پر بھی پابندی لگائی۔کارخانے بند کرنے کی دھمکیاں دیں اور اتنے خلاف قانون کام کئے کہ ان کا شمار ہی نہیں۔ میں نے وہ کتاب دیکھی جو بونے آدمی کی بیٹی پڑھ رہی تھی۔ اس میں وہ سب باتیں لکھی تھیں جو تمہارے دادا کہتے تھے۔''جیسے انہوں نے کہا یہ جمع کرنے کا وقت ہے تقسیم کرنے کا نہیں۔''اور پھر تمہارے دادا مر گئے۔ انہون نے اپنی دولت میں کسے حصے دار بنایا؟۔کب؟۔کیسے؟۔وہ تمام چیزیں جو بونے آدمی کے بیٹے اور بیٹی اور ان کے ساتھی مزدوروں کو دینا چاہتے تھے وہ نہیں دیں۔تم یہ نہیں جانتیں۔ کیونکہ تم اپنی چھٹیاں اپنے دادا کے خوبصورت ذاتی جزیرے میں گزارتی تھی۔تم سرخ کار میں سفر کرتی تھیں۔تمہاری میز مزیدار کھانوں سے بھری رہتی تھی۔تم اپنے گرم بستر پر ایک لڑکے کے بارے میں سوچا کرتی تھیں۔ اور اس لڑکے سے قریب ہونے کے لئے تم نے غریب محنت کش بچوں کی کہانی گھڑی۔ کیا تم نہیں جانتیں؟''۔اب تمہیں ان جرائم سے چھٹکارہ پانا چاہئیے۔آج تک بونے آدمی کے بیٹے اور بیٹی اور ان کے مزدور ساتھی تمہارے جیسے لوگوں کے لئے قربانیاں دیتے آئے ہیں۔اب وقت آگیا ہے تمہیں ان کے لئے قربانیاں دینی چاہیں۔ گھر جاؤ اور اپنے بڑوں کو سمجھاؤ۔''

کیونگ آئے نے کچھ نہیں کہا۔ یون ہو اسے دیکھتا رہا۔ اسے ابکائی آرہی تھی۔اس نے

اپنا منہ دوسری طرف کیا اور جو کچھ کھایا تھا نکال دیا۔ یون ہو آگے بڑھا اور رومال سے اس کا منہ صاف کیا اور تشدد کے خیالی تختوں سے اسے آزاد کیا۔ دوسرے لڑکے اور لڑکیاں ناچ رہے تھے۔

دوسرے لڑکے لڑکیاں بہت دیر سے انتظار کر رہے تھے۔ان کے جسموں سے بھاپ نکل رہی تھی۔یون ہو کیونگ آئے کو اٹھا کر موم بتی کے سامنے لے آیا۔ایک لڑکی نے کافی بنائی۔ کیونگ آئے نے یون ہو کی طرف دیکھا اور مسکرائی۔اب تشدد کرنے والے کے کندھے جھکے ہوئے تھے۔اس نے سر جھٹکا۔ دوسرے لوگ ناچ رہے تھے اور کیونگ آئے بیٹھی ہوئی تھی۔پھر وہ پیچھے ہوئی اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگائی اور کچھ لکھا۔اس روز وہ تہہ خانے کی جیل سے نکلی تو اس نے دعا مانگی۔''سینٹ ٹامس اکینا ہمارے لئے دعا کرو''۔

یون ہو نے تیسرا سال خاموشی سے گزارا۔ اس کے باپ نے یونیورسٹی اور سوشل سائنسز کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔وہ اسے بھول چکے تھے۔ یون ہو گھر پہنچا تو بارش ہو رہی تھی کیونگ آئے بھی اس کے ساتھ تھی۔مرجھائے ہوئے پھول بارش میں بھیگ گئے تھے۔کیونگ آئے کے دادا ان لوگوں میں سے نہیں تھے جنہیں خوشگوار موت نصیب ہوتی ہے۔

یون ہو اس وقت تک کیونگ آئے کے ساتھ رہا جب تک وہ اپنے گھر کے اندر نہ چلی گئی۔پھر بارش میں بھاگ لیا۔ کیونگ آئے نے اسے ایک کاغذ دیا تھا اور مڑ کر چلی گئی تھی۔سرخ کار کا ڈرائیور چھتری لئے بھاگتا ہوا آیا یون ہو نے وہ پڑھا جو کیونگ آئے نے اپنے دادا کے بارے میں لکھا تھا۔

''وہ شخص سو رہا ہے جو بہت ہی کنجوس تھا اور جسے بہت جلدی غصہ آجاتا تھا۔وہ دولت اور اختیارات کے لالچ میں مر گیا۔ اس نے ساری زندگی دوستوں کے بغیر گزاری۔اگرچہ وہ اتنی کنت کرتا تھا کہ اس نے قومی معشیت کی ترقی کے لئے بہت کام کیا۔لیکن ہمارے لوگوں کی زندگی بہتر بنانے کے لئے کوئی کام نہیں کیا۔وہ مرا تو ایک آدمی بھی اس کے لئے نہیں رویا۔''

دوسرے دن کیونگ آئے سیاہ لباس پہن کر اپنے دادا کی آخری رسوم میں شریک ہوئی۔ کیونگ آئے ابھی جوان تھی۔یون ہو بھی جوان تھا۔یون ہو نے اپنے آپ کو سمجھایا کہ

کالج میں داخلے کے بعد وہ اس سے شادی کر لے گا۔ تیسرے سال کے دوران یون ہو سوچتا رہا کہ وہ کیسی زندگی گزار یں گے۔جیسے محبت، عزت، اخلاق،انصاف اور نصب العین۔

☆☆☆

MashalBooks.org

مشینوں کا شہر

جولائی اور اگست کے مہینے غیر معمولی طور پر بہت گرم تھے اور حبس بھی بہت زیادہ تھا۔ اخبار ایسی خبروں سے بھرے ہوئے تھے کہ تیس سال میں ایسی گرمی نہیں پڑی ۔سارا ملک خشک سالی کا شکار تھا مگر یون ہو کو کوئی پریشانی نہیں تھی۔اس کے باپ نے ایئر کنڈیشنز لگوا دیا تھا جو بغیر کسی آواز کے ہر وقت ٹھنڈی ہوا پھینکتا رہتا تھا۔ایک دن پورا اونگا نگ شہر اس کے سر پر سوار ہو گیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ نہایت خوش گوار ماحول میں امتحان کی تیاری کر رہا ہوتا۔ اونگا نگ شہر پر اداسی چھائی ہوئی تھی اور وہ اداسی یون ہو کے دماغ پر بھی چھائی گئی تھی۔مرنے والے بونے آدمی کا بیٹا اور بیٹی وہاں کام کرتے تھے۔ یون ہو کے خیال میں اونگا نگ کرہ ارض کا ایک چھوٹا سا حصہ تھا۔بونے آدمی کے بچے مشینوں پر کام کر کے زندگی گزار رہے تھے۔ یہاں ان کے لئے کام تلاش کرنا آسان تھا۔ اس لئے نہیں کہ بونے آدمی کے بچے ان کاموں میں ماہر بہت تھے بلکہ اس لئے کہ مشینیں انسانوں کے بغیر نہیں چل سکتیں۔بونے آدمی کے بچے پہلے ہی بہت سی آزمائشوں سے گزر چکے تھے۔ لیکن وہ

ایسے انسان نہیں تھے جن پر کسی کی نظر جاتی۔ کیونکہ وہ اس طبقے سے تعلق رکھتے تھے جن کا معیار زندگی سب سے کم تھا۔

بونا آدمی لوہے کے اوزار استعمال کرتا تھا۔ مرنے سے پہلے اپنے کاندھے پر جو تھیلا لئے پھرتا تھا اس میں پائپ کٹر، منکی رینچ، سوکٹ رینچ، پیچ کس، ہتھوڑا، پمپ والو، ٹی جوائنٹ، کیلیں اور آری وغیرہ ہوتے تھے۔ یہ خاندان جہاں رہتا تھا عجیب سی بو آتی تھی یون ہو بونے کے گھر جا چکا تھا۔ وہ راستے میں پڑے ہوئے نشے میں دھت لوگوں کو پھلانگتا ہوا وہاں تک پہنچا تھا۔ بونے کی بیوی نے جو دھوئے اور انہیں ابالا اور آلو چھیلے۔ یون ہو کے لئے کالج جانا سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ کالج کے داخلے میں ناکام ہونے سے پہلے اس نے امیر غریب کے فرق کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ وہ انگریزی لفظ ''پا ورٹی'' کو ایک کتابی اصطلاح ہی سمجھتا تھا۔ اس کے خیال میں یہ انگریزی لفظ پاپولیشن اور پولیوشن کا ایک حصہ ہی تھا۔ اور اس نے اسے تین پی کے طور پر یاد کر رکھا تھا۔ سرکاری اور غیر سرکاری سکولوں میں یہی سکھایا جاتا تھا۔ اور اس نے طلبہ کے دماغ پر بہت اثر ڈالا تھا۔ بونا آدمی گندے نالے کے قریب بیٹھا اپنے اوزار ٹھیک کر رہا تھا۔ یون ہو نے اس بونے آدمی کی موت کو ایک اور غریب کا خاتمہ سمجھا تھا۔ یون ہو کسی لڑکی کے ساتھ بستر پر ہوتا تھا تب بھی اسے اس کا خیال آتا تھا۔ لڑکی اس کا برا مانتی تھی۔

''خدا کے لئے'' ''لڑکی کہتی'' تم اس بونے کا ذکر کئے بغیر رہ نہیں سکتے ؟''

''کیوں ؟''

''اس سے مجھے گندہ کیڑا یاد آجاتا ہے''

''وہ انسان تھا کیڑا نہیں تھا''

''کچھ بھی ہو''

لڑکی ننگی لیٹی رہی

''اصل میں تو تم کیڑا ہو۔''

اون ہوئی بہت مختلف تھی۔ وہ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ وہ بہت خوبصورت لڑکی تھی۔

''حیرت کی بات ہے۔'' اون ہوئی بولی'' میں جو سوچتی ہوں اسے بیان نہیں کر سکتی۔''

''تم کیا سوچتی ہو؟''۔

MashalBooks.org

''بیان کرنا مشکل ہے۔ ہر آدمی کو موقع ملنا چاہیئے۔مگر اسے موقع ہی نہیں دیا گیا۔''اون ہوئی نے احتیاط سے کہا۔ وہ داخلے کا امتحان دینے والے دوسرے طلبہ سے زیادہ معصوم اور صاف ستھری تھی۔

جس سال یون ہو داخلے کا دوبارہ امتحان دے رہا تھا اس سال وہ کالج میں پڑھ رہی تھی۔کالج کے بارے میں اس کا پہلا تاثر اچھا نہیں تھا وہ یون ہو کے پاس آتی، خاموش بیٹھی رہتی اور چلی جاتی۔کالج کے پہلے چند مہینے میں اون ہوئی کو آزادی مل گئی تھی۔یہ عجیب سی آزادی تھی کہ گھر سے کالج جانے کے بعد اس کی زندگی سے ماں باپ کا عمل دخل ختم ہو جاتا تھا۔ اس کا ڈرائیور کالج کے دروازے سے دو سو گز دور اتا ر دیتا اور واپس گھر چلا جاتا۔ دوسرے طلبہ یون ہوئی کو دیکھتے تھے تو انہیں اس کے باپ یاد آجاتے۔ یون ہو کے معیار کے مطابق اون ہوئی کے باپ احترام کے لائق نہیں تھے۔دوسرے طلبہ اون ہوئی کے سامنے بات کرتے گھبراتے تھے۔وہ اس کے سامنے بات کرتے ہوئے احتیاط سے کام لیتے تھے۔اس کا باپ وکیل زیادہ تھا۔اس لئے طلبہ محتاط رہتے تھے۔ وکلاء اپنے اجلاس خفیہ رکھتے تھے۔ یون ہو جب بونے آدمی کا ذکر کرتا تو اون ہوئی بڑے غور سے سنتی۔

اون ہوئی پر یون ہو کا بہت اثر تھا۔ وہ بھی اونگا نگ کو مشینوں کا شہر کہتی تھی۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہے''اون ہوئی نے کہا۔

''غلط''یون ہو بولا''میں نے تمہیں کبھی مجبور نہیں کیا۔''

''یہ مجبور کرنا نہیں ہے۔ بلکہ یہ ہے کہ تم ایسا چاہتے ہو۔''

''میں کیا چاہتا ہوں؟''۔

''تم مجھے چاہتے ہو۔''

''میں نے تمہارے ساتھ کیا کیا؟''یون ہو نے کہا۔

''یہ مسئلہ نہیں ہے''اون ہوئی بولی۔''مسئلہ یہ ہے کہ میں دوسرے لڑکوں کے ساتھ یہ نہیں کرسکتی۔''

''میں بھی دوسری لڑکیوں کے ساتھ یہ بات نہیں کرسکتا۔''

''تم نے یہی کہا تھا اور اسی بات پر مجھے رونا آگیا تھا۔ اگر تم نہ ہو تو مجھے اچھا نہیں لگتا۔''

MashalBooks.org

یون ہو یہ جانتا تھا۔ اس کے با وجود ہوٹل گیا تھا اور دوسری لڑکیوں کے ساتھ سویا تھا۔ اس ہوٹل کی اندھیری اور اداس راہداری میں گھسا پیٹا قالین پڑا تھا۔ یون ہولڑکیوں کے ساتھ سونے کے بعد اداس ہو جاتا تھا۔ یہ اداسی اس کے اندر تک سما جاتی تھی۔ ہر کام اسے احمقانہ نظر آتا تھا۔حتی کہ اس کی موجودگی ہی بے معنی معلوم ہوتی تھی۔ یہ کام اسے اتنا احمقانہ معلوم ہوتا تھا جیسے اس کے سامنے پڑا ہوا بدن۔ یون ہو کو اون ہوئی کی محبت کی طرف تیزی سے بڑھنا چاہیے تھا۔ یہ اس کا خیال تھا۔

ان گرمیوں میں یون ہو نے اون ہوئی سے محبت کرنے کا تہیہ کر لیا۔اون ہوئی کا خیال تھا کہ یون ہو مزدور لیڈر بن جائے گا۔ وہ اسے ان لڑکوں میں شمار نہیں کرتی تھی جو تیسری مرتبہ داخلے کا امتحان دیں گے۔ یون ہو کی طرح اون ہوئی کے دماغ پر بھی اونگانگ کا خیال چھایا رہتا تھا جہاں بونے آدمی کے بچے کام کرتے تھے۔ اسے جب بھی اونگانگ کا خیال آتا تو ان کا سوکھا ہوا جسم یاد آجاتا۔ اونگانگ بہت وسیع علاقے میں ہے۔ اونگانگ کے لوگ جب بھی اپنے شہر کے بارے میں بات کرتے تو ''تنہائی کے خوف والی بیماری کا ذکر ضرور کرتے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آتا۔ وہاں سے سیول زیادہ دور نہیں تھا۔مغربی سمندر کے ساتھ واقع تھا۔اس کے تین طرف سمندر تھا۔

سمندر میں لہریں اٹھتی تو اونگانگ کے باشندے سطح پر حرکت سی محسوس کرتے۔ جب سطح سمندر ابھرتی اور نیچے ہوتی تو لگتا پورا اونگانگ اوپر نیچے ہو رہا ہے۔ اونگانگ کا رقبہ 76 مربع میل پر مشتمل تھا۔اور اس کی آبادی آٹھ لاکھ دس ہزار تھا۔ ہمارے ملک کے دوسرے شہروں کے مقابلے میں آبادی کے لحاظ سے اس کا رقبہ زیادہ تھا۔ اس لئے آپ یہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں کے لوگ تنہائی کا ذکر کیوں کرتے ہیں۔ یہ ان کے مزاج کا خاصہ تھا؟۔یا پھر ان کے اندر جو شکوک وشبہات تھے اس کی وجہ سے ایسا کہتے تھے۔ سماجی نظم وضبط ان کے دلوں میں نہیں سماتا تھا۔ نظم وضبط قائم رکھنے کے لئے محتاط رویہ اختیار کرنے پر کوئی اعتراض نہیں کرتا تھا۔آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہاں کے حقائق پر کوئی معاشرتی سائنس دان ہی روشنی ڈال سکتا ہے۔ لیکن چند لوگ ہی اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے تھے۔ اصل میں ہم سب کا رویہ یہی تھا۔ ایک لحاظ سے اونگانگ ایک پیش پا اُفتادہ شہر تھا۔

محکمہ تعلیم، سٹی حال، محکمہ پولیس، ٹیکس کے دفاتر، وکلاء کے دفاتر، پورٹ اتھارٹی، کسٹم

ہاؤس، ایون صنعت وتجارت، کلچرل سنٹر، چرچ۔ کارخانے لیبر یونین وغیرہ۔ وہاں سب کچھ تھا۔ مزدور بہت جلد اپنے کام سے مانوس ہو جاتے تھے۔ لیکن ان کے لئے یہ جاننا مشکل تھا کہ ان اداروں اور محکموں میں لوگ کیا کام کرتے ہیں۔ اونگا نگ کے لوگ دیکھتے تھے کہ سیول کے باشندے بندرگاہوں پر اکٹھے ہوتے اور جزیروں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ سیول کے لوگ جزیروں پر جاتے ہیں اور وہاں بڑی سیپیاں اور کیکڑے پکڑتے ہیں جو انہیں یہاں نہیں ملتے ہیں۔ اونگا نگ کے باشندے کہتے تھے کہ وہ کتنے بیوقوف ہیں۔ سیول کے لوگوں کو بہتے ہوئے تیل سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ہوا سمندر سے زمین کی طرف چل رہی تھی۔ اونگا نگ میں تیز ہوا سے زیادہ اہم اور کوئی چیز نہیں تھی۔ اونگا نگ کے باشندوں کو اس کا احساس بہت بعد میں ہوا۔

اسکول میں بچوں کو اونگا نگ کی تاریخ پڑھائی جاتی تھی۔ 1883 میں باہر کے لوگوں نے اسے دریافت کیا۔ پھر یہ بین الاقوامی بندرگاہ اور صنعتی علاقہ بن گیا۔ فولاد، مٹی کے برتن وغیرہ، کیمیکل، پٹرولیم، جہاز سازی کی صنعت، شیشے، الیکٹرانک، کار سازی کا مرکز بن گیا۔ اگرچہ یہاں سمندر کی لہریں تیس فٹ اونچی ہوتی ہیں لیکن طوفان روکنے کے لئے جو بڑے بڑے پھاٹک بنائے گئے ہیں ان کی وجہ سے کسی کو تکلیف نہیں ہوتی۔ شہر کا مرکزی حصہ اونچا نیچا بہت تھا کیونکہ وہاں پہاڑیاں بہت تھیں۔ یہ پہاڑیاں مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوئی تھیں۔ اس لئے شہری علاقہ شمال جنوب میں تقسیم ہو گیا تھا۔ ان گنت چمنیوں سے ہر وقت دھواں اٹھتا رہتا تھا۔ اور اندر مشینیں چلتی رہتی تھیں۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں مزدور کام کرتے تھے۔ اور یہی وہ جگہ تھی جہاں مرحوم بونے کے بچے کام کرتے تھے۔ وہ اپنے پھیپھڑوں میں زہریلی گیس، دھواں، راکھ، اور گرد وغبار کے ذرے بھرتے رہتے تھے۔ تمام کارخانے اپنی مصنوعات کے حساب سے گندہ پانی باہر پھینکتے رہتے تھے۔ یہ پانی مختلف رنگوں کا ہوتا تھا۔ یہ پانی گندے نالے اور دریا سے ہو کر سمندر میں جا گرتا تھا۔ اونگا نگ کی اندرونی بندر گاہوں میں یہ گندہ پانی اکٹھا ہوتا اور پھر سمندر میں چلا جاتا۔ کارخانوں کے ارد گرد آہستہ آہستہ جنگلی حیات ختم ہو رہی تھی۔ اونگا نگ میں دوسری جگہ کی طرح بہار میں پھول کھلتے لیکن بہار کا موسم وہاں ایسا ہوتا کہ شمال مغرب کی طرف سے چلنے والی ٹھنڈی اور خشک ہوا کی جگہ جنوب مشرق سے بارش آجاتی۔ سمندر میں ہوا کا جو دباؤ بڑھتا اس سے جنوب مشرقی ہو

اچلتی اور گرمیاں شروع ہو جاتیں۔

موسم خزاں میں جو طوفان شروع ہوتا وہ اونگا نگ اور اندرونی علاقوں تک پھیل جاتا۔ یہ اپنے ساتھ کا رخانوں کی زہریلی گیس، دھواں، اور گرد و غبار اندرون شہر اور سمندر کی طرف پھیل جاتا۔ لیکن مئی کی ایک رات اونگا نگ کے لوگوں نے محسوس کیا کہ ہوا کا رخ اچانک بدل گیا ہے۔ اس رات سمندر یا اندرون شہر ہوا کا رخ نہیں تھا۔ بلکہ ہوا رہائشی علاقوں کی طرف براہ راست جا رہی تھی۔ چھوٹے بچے جو اسی وقت سوئے ہوئے تھے سب سے پہلے انہوں نے محسوس کیا کہ ہوا کا رخ تبدیل ہو گیا ہے۔ بڑی عمر کے لوگوں نے دیکھا کہ سوئے ہوئے بچوں کو سانس لینے میں تکلیف ہو رہی ہے۔ انہوں نے بچوں کو گود میں اٹھا یا اور ہسپتا ل کی طرف بھا گے۔ ہوا میں شدید بدبو کی وجہ سے انہیں بھی سانس لینے میں دشواری محسوس ہونے لگی۔ ان کی آنکھوں میں جلن سی ہونے لگی اور حلق میں کانٹے پڑ گئے۔ جو لوگ یہ تکلیف برداشت نہ کر سکے وہ سڑکوں پر نکل آئے۔ کہر اور دھواں شہر کے وسط اور رہائشی علاقوں پر چھا گیا۔ اسی کی وجہ سے کھمبوں کی روشنی بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ ہر طرف اندھیرے کا عالم تھا۔ امن و امان کی صورت حال بھی خراب ہو گئی تھی۔ چور اچکوں نے موقع سے فائدہ اٹھا یا اور چوریاں شروع کر دیں۔ رہائشی علاقے خالی ہو گئے اور لوگ ان بڑی سڑکوں کی طرف بھاگے جو ملک کے دوسرے علاقوں کی طرف جاتی تھیں۔ یہ سب کچھ رات کے نو بجے سے آدھی رات کے تین بجے تک ہوا مگر شہر کے لوگ اپنی بے بسی پر زیا دہ پریشان تھے کہ وہ اس مصیبت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ کسی نے زبان سے کچھ نہیں کہا مگر وہ جان گئے کہ اونگا نگ کی تاریخ میں پہلی بار ما حولیاتی تبدیلی ہو رہی ہے۔ دوسرے دن انہیں خیال آیا کہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہیئے۔ لیکن ان کے سامنے ایک مضبوط دیوار کھڑی تھی۔ انہوں نے پسپائی اختیار کی۔ اونگا نگ کی زندگی بدلنے والے سیول میں بیٹھے تھے۔ اونگا نگ کے شہریوں نے سوچا کہ انہیں جلسے کرنے چاہئیں اور ضرورت ہو تو مظاہرے بھی کرنا چاہئیں۔ مگر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ کام بھی نہیں ہو سکتا۔

یون ہو کو شروع سے ہی احساس تھا کہ اس ہولنا ک صورت حال میں اس کا باپ بھی ملوث ہے۔ اکثر کارخانے چلانے والے اور ان کا انتظام کرنے والے سب سیول میں رہتے تھے۔ کارخانوں کی مشینیں چلانے کے لئے انہیں کم سے کم توانائی کی ضرورت ہوتی تھی۔ اور

اس توانائی کا معمولی حصے سے ہی وہ ماحول کی آلودگی کا اندازہ لگاتے تھے ۔ اونگا نگ کے باشندوں نے سونے سے پہلے ہوا کے رخ کا اندازہ لگایا۔ ان کار خانوں کی طرف سے جہاں بونے آدمی کے بچے کام کرتے تھے ہوا کے ساتھ زہریلی گیس اور دھواں شہر کی طرف یا سمندر کی طرف جا تا تھا۔اونگا نگ کے باشندوں نے اس سے زیادہ کچھ نہ سوچا۔ انہوں نے ان کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کے بارے میں نہیں سوچا جہاں سے لاکھوں ٹن گندہ پانی سمندر میں جا گرتا تھا۔جب تک زہریلی ہوا فضا پر نہیں چھائی اور رہائشی علاقے اس سے متاثر نہیں ہوئے اس وقت تک لوگ خواب سے نہیں جاگے اور نہ انہیں یہ معلوم کرنے کی ضرورت پیش آئی کہ لیبر ڈپارٹمنٹ میں اونگا نگ کے لئے چار لیبر سپر وائزر بھی کام کرتے ہیں۔ یہ چار سپروائزر ایک ہزار سے زیادہ اداروں کی نگرانی کرتے ہیں۔ ایک آدمی دوسو پچاس مزدوروں کا نہیں بلکہ ڈھائی سو کاروباری اداروں کا ذمہ دار ہے۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں بونے آدمی کے بچے کام کرتے تھے۔ وہ جب وہاں آئے تھے تو بونے آدمی کے بڑے بیٹے نے سوچا تھا کہ یہاں ان کی زندگی مزید خرابی سے دوچار نہیں ہو گی۔ اس نے یون ہو کو بتایا کہ پہلا دن اس نے مزدوروں کے چرچ کے دفتر میں گزرا تھا۔وہاں اس نے وہ فارم دیکھا تھا جو مزدوروں سے بھروایا جاتا تھا۔

MashalBooks.org

1۔کام تلاش کرنے کا مقصد

الف۔ خاندانی اختلافات 15.1

ب۔ شہری زندگی کی آرزو 12.4

ج۔ دوستوں کا اصرار 11.4

د۔ دیگر 2.7

2۔کام کی جگہ پر توقعات

الف۔ زیادہ تنخواہ 8.4%

ب۔ انسانی سلوک 71.6

ج۔ کام سیکھنا 19.1

د۔ دیگر 0.9

3۔کام سے متعلق تھکن کی سطح

الف۔ ہمیشہ 59.8%

ب۔ اکثر 33.8

ج۔ کبھی کبھی 5.7

د۔ کبھی نہیں 0.7

ل6 ل3 آپ کے خیال میں لیبر یونین کے عہدیدار کمپنی کے ایجنٹ ہیں؟۔

الف۔ ہاں، اکثریت ہے 39.1

ب۔ ہاں کچھ لوگ ہیں 28.3

ج۔ بالکل نہیں 19.2

د۔ معلوم نہیں 13.9

ل6 ل4 کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارے ملک میں محنت سے کام کرنے والا آدمی سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہے۔رقم بچاتا ہے اور اچھی زندگی گزار سکتا ہے؟۔

الف۔ جی ہاں 41.3%

ب۔ کسی حد تک 21.5

ج۔ مشکل ہے 33.5

د۔ ناممکن 3.8

MashalBooks.org

اس کی نظر ان اعداد و شمار کی طرف بار بار جاتی تھی۔58.1فیصد نے غربت کا ذکر کیا۔ 71.6فیصد نے انسانی سلوک کا حوالہ دیا، 59.8فیصد نے ہمیشہ تھک جانے کا ذکر کیا، 39.1فیصد نے کہا لیبر یونین کے تمام عہدیدار کمپنی کے ایجنٹ ہیں،33.5فیصد نے کہا اچھی زندگی گزارنا مشکل ہے، 3.8فیصد نے کہا اچھی زندگی گزارنا ناممکن ہے۔بونے آدمی کے بیٹے نے کہا جن لوگوں نے ناممکن کہا ہے وہ سخت مایوسی کا شکار ہیں۔

''مجھے اسی وقت معلوم ہو گیا تھا کہ کام ہی نہیں کرنا پڑے گا اس سے بھی زیادہ کچھ کرنا پڑے گا۔

''کیوں؟''یون ہو نے سوال کیا۔

''آپ کو یہ سوال نہیں کرنا چاہیئے۔جس دن میں نے اونگانگ موٹرز میں کام شروع کیا اس دن سات مزدور نکال دیئے گئے تھے۔''

''نکال دیئے گئے تھے؟''یعنی ملازمت سے ہی نکال دیا گیا؟''انہوں نے کوئی غلط کام کیا تھا؟۔

''نہیں۔''

''یہاں لیبر یونین نہیں ہے یہی بات ہے نا؟''

''نہیں، یہاں یونین ہے۔''

''یعنی کسی وجہ کے بغیر ہی انہیں نکال دیا گیا، یونین والوں نے کچھ نہیں کیا؟''۔

''وہ انتظامیہ کیلئے کام کرتے تھے۔''

''یہ کیسی لیبر یونین ہے؟''

''اسے ابھی اور مصیبت برداشت کرنا ہوگی''یہ بات اون ہوئی نے کہی''۔

''تمہارا خیال ہے تم خوش ہو؟''یون ہو نے جواب دیا

''اسے کام کی ضرورت ہے، دوسرے لوگوں کی طرح''

''تم ٹھیک کہتے ہو''اون ہوئی نے کہا۔

ان گرمیوں میں اون ہوئی صرف ایک چیز جانتی تھی۔ یون ہو جانتا تھا وہ کیا چیز ہے۔وہ یہ بھی جانتا تھا کہ بونے آدمی کا بیٹا کیا چاہتا تھا۔لیکن بونے آدمی کے بچوں کے لئے یون ہو کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کارخانے میں جو مشینیں چلتی تھیں انہیں مہارت کی ضرورت

MashalBooks.org

تھی۔لیکن معاشرے کی عادتیں عجیب وغریب تھیں۔نگرانی، مہارت کی کمی اور خطرے، بونے آدمی کے بیٹے کے لئے ہر چیز سیاہ تھی۔ جیسے کہ اسٹیم انجن جو آپ تصویروں میں دیکھتے ہیں۔ بونے آدمی کا چھوٹا بیٹا اونگا نگ الیکٹرانکس میں کام کرتا تھا۔ جہاں اس کا کام یہ تھا کہ ہر گاڑی میں سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جائے۔تین مہینے اس نے عارضی طور پر کام کیا اور کام سیکھا۔ جب وہ اچھا کام کرنے لگا تو یونین کے ایک عہدیدار نے کاغذ کا ایک پرزہ اسے تھما دیا۔

''وہ یونین میں شامل نہیں ہوا''یون ہو نے کہا۔

''وہ کسی طرح بھی خوش نہیں رہ سکتا تھا''اون ہوئی نے کہا۔

''اس نے کتابیں پڑھنا شروع کر دی تھیں اس لئے وہ جانتا تھا کہ انتظامیہ کے سامنے کیا مطالبے رکھنے چاہئیں۔جن مزدوروں پر اسے اعتبار تھا ان سے اس نے کہا یونین سے نکل جاؤ۔

''وہ کیا کرنا چاہتا تھا؟''۔

''وہ نئی یونین بنانا چاہتا تھا''۔

''اس کی بہن کہاں کام کرتی تھی؟''۔

''اونگا نگ ٹیکسٹائل میں۔''

''یون ہوئی کیسی ہے؟''۔یون ہو نے بونے کے بڑے بیٹے سے اس کی بہن کے بارے میں پوچھا اس نے سر جھٹک دیا۔

''وہ کہیں کام نہیں کر رہی ہے''۔وہ بولا''اسے کمپنی کی طرف سے برطرفی کا نوٹس مل گیا ہے''۔

''وجہ کیا ہے؟''۔

''وہ کہتے ہیں وہ اپنے افسر کی بات نہیں مانتی،مگر میں پریشان نہیں ہوں۔ یونین کے نوجوان کارکن کچھ اور ہی کر رہے ہیں۔ وہ اچھا کام کر رہے ہیں۔''

یون ہو نے پہلی بار بونے آدمی کے بڑے بیٹے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دیکھی۔ یون ہو اس سے زیادہ بات نہیں کر سکا۔ وہ مصروف تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ ہمارے ملک کی معاشی زندگی وہ لوگ چلا رہے ہیں جو لوگوں کے سامنے نہیں آتے۔ وہ بڑے بڑے

کارخانے چلاتے ہیں اور ساٹھ ہزار ٹن والے بحری جہازوں میں سامان لاد دیتے ہیں۔ وہ جہاز اندرونی بندرگاہوں پر کھڑے ہوتے ہیں۔

''کچھ نہیں ہوگا''بونے آدمی کا بیٹا بولا''ہم کچھ نہیں کر سکتے۔''

''ہم کون؟''۔

''میں اور میری بہن اور جو اونگا نگ میں کام کرتے ہیں''۔

''کہیں اچانک تمہاری توقعات تو نہیں بڑھ گئی ہیں؟''۔یون ہو نے کہا۔

''آپ نہیں سمجھیں گے''بونے آدمی کا بڑا بیٹا بولا''وہ یون ہو کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔ یون ہو کے باپ نے جو امریکی ایرکنڈیشنر لگایا تھا وہ واقعی ٹھنڈی ہوا پھینکتا تھا اور اس کی آواز بھی نہیں تھی۔اس سال جولائی اور اگست بہت ہی گرم تھے۔اونگا نگ کے کارخانوں کی مشینیں ان گرمیوں میں خوب چل رہی تھیں۔ وہاں بہت سی ایسی باتیں تھی جو یون ہو نہیں جانتا تھا۔ بونے آدمی کا بیٹا وہاں کام کرنے کے بعد کئی بار خوب رویا تھا۔کئی بار اسے دھمکیاں دی گئی تھیں۔اسے مارا پیٹا بھی گیا تھا۔اسے ہسپتال تک جانا پڑ گیا تھا۔اسے گرفتار بھی کیا گیا تھا۔اس کا چہرہ پہچانا نہیں جاتا تھا۔اس کی آنکھیں غیر معمولی طور پر بہت بڑی نظر آتی تھیں۔

''میرا خواب بہت ہی سیدھا سادہ ہے۔''اس نے کمزور آواز میں کہا۔

''میں جانتا ہوں یون ہو بولا۔

''لڑکے نے بات کرنے سے پہلے یون ہو کو بہت غور سے دیکھا۔''ہم یونین کی جنرل میٹنگ یا یونین کے نمائندوں کی میٹنگ بھی نہیں کر سکے۔کوئی کام بھی قانون کے مطابق نہیں ہو رہا ہے۔ہمیشہ ہم ہی ناکام ہوتے ہیں۔ میں ساتھیوں کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ میں نے انہیں پریشانیاں ہی دی ہیں۔''

''وہ تمہاری بات سمجھتے ہیں۔''

''آپ کا کیا خیال ہے؟''۔

''میں بھی سمجھتا ہوں۔''

''تو پھر آپ میری مدد کیجئے''۔

''کیسے؟''

''بونے آدمی کے بڑے بیٹے نے یون ہو کی پیٹھ پر ہاتھ رکھا۔

''مجھے اپنے گھر لے چلو، میں آپ کے کمرے سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ جب موقع ملے گا تو چلا جاؤں گا۔

''تم کرنا کیا چاہتے ہو؟''

''میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔''

''کس سے؟''۔

''اس آدمی سے جو اونگا نگ گروپ چلاتا ہے۔ آپ کا پڑوسی۔''

''تم اس سے ملو گے تو کیا ہو گا؟''

''بونے آدمی کے بڑے بیٹے نے یون ہو کی پیٹھ سے اپنا ہاتھ اٹھا لیا۔

''کچھ نہیں'' وہ بولا''میں اسے مار ڈالوں گا''۔

''تمہارا دماغ خراب ہے'' یون ہو چیخا''لوگوں کو مارنے سے تو کوئی مسئلہ حل نہیں ہو گا۔تمہارا دماغ چل گیا ہے۔''

''ٹھیک ہے'' اس نے آہستہ سے کہا''۔مجھے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ میں خود ہی یہ کام کرلوں گا۔''

''تم اپنے آپ کو مار رہے ہو،تم کس کے لیے اپنی جان لے رہے ہو؟''۔

''کسی کے لئے نہیں''،

''تو پھر میں کیا کروں؟''

''چلو چھوڑو ان باتوں کو''

''اگر تم اس سے ملنا چاہتے ہو تو برازیل چلے جاؤ۔''یون نے غصے پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔''وہ اپنی چھوٹی بیٹی کے پاس کچھ دن کے لیے گیا ہے۔وہ سترہ سال کی ہے۔سانتور کے علاقے میں جاؤ اور زور زور سے اس کا نام پکارو۔''

''میں اس کی واپسی کا انتظار کروں گا۔''بونے کے بڑے بیٹے نے کہا۔''میں اسے جان سے مار دوں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

یون ہو بونے آدمی کے بڑے بیٹے کے لیے کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔صرف ایک ذات ایسی تھی جس کی وہ مدد کر سکتا تھا اور وہ تھی اون ہوئی۔ اون ہوئی اسے چاہتی تھی۔ وہ اس

MashalBooks.org

کے پاس آتی تھی۔ ایک لفظ بھی بولے بغیر بیٹھی رہتی تھی اور چلی جاتی تھی۔ یون ہو اسے اداس سے ہوٹل میں لے جاتا۔ وہی ہوٹل جس میں گھسا ہوا سرخ قالین پڑا تھا۔

یون ہو نے اپنی شہادت کی انگلی اون ہوئی کے ہونٹوں پر رکھ دی۔ اون ہوئی نے اس کی انگلیاں پھیلائیں اور اپنی آنکھوں پر رکھ لیں اور انگلیوں کی جھری میں سے یون ہو کو دیکھا۔ یون نے اسے اپنی بانہوں میں لیا تو اون ہوئی کے کپڑوں سے سرسرہٹ کی آواز آئی جیسے انہیں دبوچا جا رہا ہو۔ اون ہوئی نے اپنے ہاتھوں سے یون ہو کا چہرا چھپا لیا پھر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔ یون ہو نے اسے زور سے اپنے ساتھ چمٹایا اور اون ہوئی نے گہری گہری سانسیں لینا شروع کر دیں۔ لیکن اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ یون ہو کسی اخلاق و آداب کا پابند نہیں تھا۔ ''اس لیے ہمیں اس کا خاتمہ کر دینا چاہیئے''۔ اس نے سرگوشی کی، یون ہو نے اون ہوئی کو اپنی بانہوں میں لیا تو اس کے دماغ میں اونگا نگ کی سیاہ مشینوں کا خاکہ ابھر آیا۔

ہم ایک انجمن بنائیں گے۔ وہ یہ کام اکیلا نہیں کر سکتا۔ اس دن یون ہو نے ہوٹل سے واپس جاتے ہوئے سوچا۔

☆☆☆

MashalBooks.org

محنت کش گھرانے کا خرچ

میں اور سننا نہیں چاہتا تھا۔ یون ہو جرمنی میں ہاسٹرو جھیل کے قریب لی لی پٹ شہر کے بارے میں بات کر رہا تھا۔ مجھے اس کی تفصیل تو معلوم نہیں تھی مگر میں کہہ سکتا ہوں کہ وہ ایک المیہ کہانی تھی۔ جب بھی وہ اس کے مرحوم باپ کا سوچتی تو اس کی آنکھوں سے آنسو آجاتے۔ لی لی پٹ بونے آدمیوں کا بین الاقوامی شہر تھا۔ دنیا کے مختلف علاقوں سے بونے وہاں آگئے اور وہاں رہتے تھے۔ حال ہی میں دنیا کا سب سے کوتاہ وقد انسان جو ترک تھا اور جس کا قد صرف تیس انچ تھا وہاں آگیا تھا۔ اس شہر میں بونے آدمیوں کی آبادی بڑھتی جا رہی تھی۔ لی لی پٹ کے باہر کے علاقوں میں بونے آدمیوں کی زندگی عذاب بنی رہتی تھی۔ کیونکہ وہاں کے انسان بڑے بڑے تھے۔

بونے آدمیوں کے لیے لی لی پٹ سے محفوظ مقام اور کوئی نہیں تھا۔ روز مرہ زندگی کی

ضروریات کے علاوہ مکان اور فرنیچر بھی بونے آدمیوں کے قد کے برابر تھا۔ ایسی کوئی چیز بھی نہیں تھی جس سے بونے آدمیوں کو خطرہ ہو۔ ظلم وستم بھی نہیں تھا۔ خطرہ بھی نہیں تھا۔ امتیازی سلوک بھی نہیں تھا اور کسی قسم کا تشدد بھی نہیں تھا۔ لی لی پٹ شہر میں کوئی بھی امیر نہیں تھا۔ وہاں ایک سے دوسرے کو اقتدار بھی منتقل نہیں ہوتا تھا اور جابرانہ قوانین بھی نہیں تھے۔ وہاں بڑی صنعتیں، کارخانے، اور مینجر بھی نہیں تھے۔ دنیا بھر سے جو بونے انسان وہاں اکٹھے ہو گئے تھے۔ انہوں نے تمام چیزیں اپنے قد کے مطابق کر لی تھیں۔ وہ کوئی ایسی چیز نہیں ہونے دیتے تھے جس سے قوم پرستی کی بو آتی ہو۔ ان سب نے اکٹھے ہو کر میریان کا رکو شہر کی مینجر منتخب کر لیا تھا۔ اس عورت کا قد-39 انچ تھا۔ ان لوگوں نے اپنی اجتماعی طاقت اور قوت ارادی سے بونے آدمیوں کا ایک خود مختار شہر آباد کر لیا تھا۔ یون ہو بہت جوش میں نظر آرہا تھا۔ میں وہاں کے بونے انسانوں کو انقلابی مانتا تھا۔ ان لوگوں کو اس شہر میں پیدا ہونے والے اپنے بیٹے اور بیٹیوں کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ ان مقامات پر مصیبت میں مبتلا رہتے جہاں دیو قامت انسان رہتے تھے۔

آج کل لی لی پٹ کے بونے صحت عامہ کی سہولتوں، سماجی اور نفسیاتی الجھنوں اور مالی امور کے بارے میں بحث ومباحثہ کر رہے ہیں۔ کئی معاملات ایسے ہیں جن کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہو پایا تھا۔ لیکن شہر کی منیجر میریان نے کہا ''ہم بہت خوش ہیں۔''

یون ہو نے لفظ ''خوشی'' لکھا۔ اس لڑکی نے ان کے مرحوم باپ کا سوچا، میں نے اون ہوئی کی آنکھوں میں آنسو دیکھے۔ ان کے باپ کو لی لی پٹ جیسے شہر میں رہنا چاہیئے تھا۔ وہاں کوئی نہیں کہتا ''ذرا اس بونے کو تو دیکھو۔'' اگر ان کے باپ ہاسٹرو جھیل کے قریب رہتے تو وقت سے پہلے نہ مرتے۔ ''مقتول باپ۔'' یون ہو نے کہا۔ میں اسے یہ کہنے سے روک نہیں سکا۔ میں جب بھی دھویں اور راکھ سے بھرے ہوئے بھٹے کے بارے میں سوچتا تو میرا دم گھٹنے لگتا۔ باپ کا قد 46 انچ تھا اور ان کا وزن ستر پاؤنڈ تھا۔ اونگا نگ میں اکثر میں اپنے باپ کو خواب میں دیکھتا۔ وہ خواب میں بیس انچ سے زیادہ اونچے نظر نہیں آتے تھے۔ چھوٹے قد کے باپ بہت بڑا چمچ کھینچ رہے ہوتے۔ تانبے کا چمچ جس پر نیلی قلعی ہوتی۔ ان کے سر پر تیز دھوپ چمک رہی تھی۔ تانبے کا چمچ باپ کے لیے بھاری تھا۔ وہ تھک کر چمچ رکھ دیتے۔ چمچ ان کے قد سے بڑا تھا۔ وہ آرام کرتے۔ پھر وہ چمچ پر چڑھ جاتے اور اس پر لیٹ

جاتے۔ تانبے کے چمچ پر لیٹ جاتے جو تیز دھوپ میں تپتا ہوتا اور سو جاتے۔ میں چمچ کا سرا پکڑتا اور اپنے باپ کو ہلاتا۔ وہ آنکھیں نہیں کھولتے۔ میرے باپ اس چمچ میں سکڑتے چلے جاتے۔ میں رونے لگتا اور چمچ کو زور زور سے ہلاتا۔

ماں نے مجھ سے کہا۔'' پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''انہوں نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا''۔اپنے آپ کو گھر کا بڑا آدمی سمجھنا چھوڑ دو۔ پھر یہ خواب نہیں آئے گا۔ جو بھی کام کرو تو یہ نہ سوچو کہ وہ ذمہ داریاں پوری کر رہے ہو جو تمہارے باپ نے تمہارے لیے چھوڑی ہیں۔''

''مجھے تو گھر کا بڑا ہونے کا کبھی خیال ہی نہیں آیا۔''میں نے کہا۔

''بالکل آیا ہے۔''ماں نے کہا''تمہیں اس کا احساس نہیں ہے۔تمہارے دل کے اندر یہ خیال سمایا رہتا ہے''۔

ماں نے ٹھیک کہا میرے دماغ میں یہ خیال سمایا رہتا ہے۔

''بیٹے،تم سب سے بڑے ہو''میرے باپ ہمیشہ مجھ سے کہتے تھے''۔''اگر مجھے کچھ ہو گیا تو تم ہی ستون ہو اس گھر کا۔''

''یونگ ہو''ماں نے کہا تھا۔''میں اب بھی کام کر سکتی ہوں اور یون ہو اور یونگ ہوئی بڑے ہو گئے ہیں۔تم اپنے فیصلوں پر اعتبار کرو ہم تمہارا ساتھ دیں گے''۔

اونگا نگ شہر لی لی پٹ سے بالکل ہی مختلف تھا۔ یونگ ہوئی کے لیے بے جا تکلیف تھی۔ وہ ایسی جگہ تھی جہاں تمام جاندار تکلیف اٹھاتے ہیں۔ ہم رہنے کے لیے اونگا نگ آئے تھے۔ اونگا نگ میں ہم نے اپنی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں جو باپ کے مرنے کے بعد کچھ عرصے کے لیے رک گئیں تھیں۔ میں سوچتا تھا کہ زندگی سے زیادہ مجرد چیز اور کوئی نہیں ہوسکتی ہے۔ زندگی نظر نہیں آتی اور وہ کوئی ٹھوس چیز بھی نہیں ہے۔ میرے باپ نے انسانی سرشت کے مطابق شادی کی اور اپنی نسل بڑھائی۔ میری ماں کے بقول میرے باپ زندگی کے کسی دوسرے دائرے میں چلے گئے۔ مرنے کے بعد باپ کی لاش کو جلایا تو وہ مٹھی بھر راکھ بن گئے۔ وہ راکھ ماں کے ہاتھ پر رکھی گئی تو انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ یہ ان کے شوہر ہیں۔انہیں یقین نہیں آیا کہ مرنے والے ہمیشہ غائب ہو جاتے ہیں۔ہم نے آدھی مٹھی راکھ بہتے پانی میں ڈالی۔ یونگ ہو اور میں نے اپنی مٹھیوں سے آنسو پونچھ لیے۔''

''ہوم ورک کرلیا؟''۔باپ نے پوچھا۔''

''نہیں۔''میں نے تکون بنائی۔

''ہوم ورک کرو''۔

''یہ میرا ہوم ورک ہے۔''

باپ نے تکون دیکھی۔

'یہ کھانے کی تکون ہے''میں نے بتایا۔

''اس کا کیا فائدہ ہے؟''۔

''یہ کھانے کا سلسلہ بیان کرتی ہے۔''

''تفصیل سے بتاؤ۔''

''یہ جو نیچے ہرے بھرے پودے ہیں وہ پہلی سطح ہے۔ وہ جانور جو یہ پودے کھا رہے ہیں وہ دوسری سطح ہے۔ وہ تھوڑی تعداد جو گوشت خور ہیں اور جانوروں کو کھا رہے ہیں وہ تیسری سطح ہے۔ اور بڑے بڑے درندے جو بہت ہی اوپر ہیں وہ چوتھی سطح ہے''۔

''یونگ ہو''باپ نے کہا''کیا تم ایسے بیان کر سکتے ہو جیسے تمہارے بھائی نے کیا؟''۔

''نہیں میں نہیں کرسکتا''یونگ ہو نے کہا''بھائی کی طرح بیان نہیں کرسکتا۔ ہم سب سے نچلی سطح پر ہیں۔ ہمارے لیے کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ مگر ہمارے اوپر تین سطح کے لوگ ہیں جو ہمیں کھا لینا چاہتے ہیں۔''

''باپ کو آرام کرنے دو''ماں نے کہا۔کئی سال سے وہ بہت محنت کر رہے ہیں۔ اب انہیں آرام کی ضرورت ہے۔''

''ماں آرام تو آپ کو کرنا چاہیئے''۔

''ماں نے کاغذ کی پڑیا کھول دی جس میں آدھی مٹی رکھی تھی۔ ہم پانی کے پاس بیٹھ گئے اور بہتا پانی دیکھتے رہے۔ باپ پانی میں غائب ہو گئے۔ ہوا کا جھونکا آیا۔ دھوپ تیز ہو گئی۔ کئی چڑیاں ماں کے اوپر سے اڑیں۔ میں نے پہاڑ کی چوٹی دیکھی جو مٹی کے تودے گرنے سے ننگی ہو گئی تھی۔ یونگ ہو اور میں نے ایک ساتھ ہی رونا بند کر دیا۔ باپ کی موت نے ہماری زندگی بدل دی تھی۔ ہم جب اونگا نگ آئے تھے تو ہر چیز کے بارے میں پریشان رہتے تھے۔ حتیٰ کہ سانس لینے میں بھی ہم احتیاط کرتے تھے۔ پہلے ہلکا سا سانس لیتے جیسے

ہم سوکھے پتے ہوں۔

یونگ ہو اونگا نگ الیکٹرانک پلانٹ پر پہلے کام کرنے گیا۔ یونگ ہوئی اونگا نگ ٹیکسٹائل پلانٹ پر کام کرنے گئی۔ جب مجھے اطمینان ہو گیا کہ میرے چھوٹے بہن بھائی کام پر لگ گئے ہیں تو میں اونگا نگ موٹرز میں کام کرنے لگا۔ ہم تینوں نے زیر تربیت کارکنوں کی حیثیت سے کام شروع کیا تھا۔ ہمارے باپ جو کام کرتے تھے ہم ان سے بالکل مختلف کام کرتے تھے۔ ہم میں سے ہر ایک کارخانوں کے اس عظیم الشان سلسلے میں کام کرنے والے ہزاروں محنت کشوں کے ساتھ کام کرنے والا ایک محنت کش تھا۔ اس کے باوجود ابھی ہم زیر تربیت تھے کیونکہ ابھی ہمیں پورا کام نہیں آتا تھا۔اس گروپ میں بھی ہم سب سے نیچے تھے۔ بہرحال اتنے بڑے کارخانے میں کام کرنے کے باوجود ہمیں نزدیک ہی رہنے کی جگہ مل گئی تھی۔ اپنی حیثیت کے مطابق ہم جھگی میں رہتے تھے۔ ہمارا کام غیر ہنرمند مزدور کا کام تھا یونگ ہو ہتھ گاڑی پر سامان لادتا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا۔ یونگ ہوئی جو ابھی تربیت لے رہی تھی راہداری کی صفائی کرتی تھی۔ میں کاریں اسمبل کرنے والے شعبے تک چھوٹے پرزے لے جاتا تھا۔ بے شمار پرزے ملا کر ایک کار بنائی جاتی ہے۔ جو کارکن مجھ سے سینیئر تھے وہ زیادہ محنت سے کام کرتے تھے۔ وہ لوگ مجھے بھی مشین سمجھتے تھے۔ کارخانے کے مینجر کی نظر میں تمام کارکن بہت بڑی مشین تھے۔

عجیب بات یہ ہے کہ اگر میں ٹیکنالوجی میں ترقی اور انقلاب کی بات نہ سوچتا تو شاید یہ کام چھوڑ دیتا۔ پہلے چند دن تو میں ان حیرت انگیز مشینوں کو دیکھ کر ششدر رہ جاتا تھا۔ فاؤنڈری، فورجنگ روم، حرارت کنٹرول کرنے والا کمرہ، فولادی چادروں والا کمرہ، مشین ٹول روم، فنشنگ روم، پینٹ روم، مجھے یہ تمام کمرے دکھائے گئے تھے۔ پھر اسمبلی لائن پر لگا دیا گیا۔ فاؤنڈری میں جہاں سلنڈر بلاک بنائے جاتے تھے اس کی گرمی اور رنگوں نے مجھے حیران کر دیا۔ لیکن جہاں میں کام کرنا چاہتا تھا وہ مشین ٹول روم تھا۔ میں خراد کا کام سیکھنا چاہتا تھا۔ آٹومیٹک خراد مشین مجھے بہت اچھی لگتی تھی۔ جو خراد مشین میں نے دیکھی تھی ٹائروں کے لیے بیج تیار کر رہی تھی۔ میں کھڑا دیکھ رہا تھا کہ شیفٹ سے تیل نکل کر آئل مشین میں جا رہا تھا۔ مجھے ایسا لگا جیسے پسینہ آ رہا ہو۔ خراد پر کام کرنے والے مشین کی رفتار دیکھتے تھے اور نئے کارکنوں کی پیٹھ تھپکتے تھے۔ میں نے یہ تہیہ کر کے مشین ٹول شاپ چھوڑ دی

کہ میں خراد مشین پر کام کروں گا۔

یونگ ہوا کا قصہ بھی یہی ہے وہ پالش کا کام کرنا چاہتا تھا۔ وہ پالش کرنے والی مشین کے بارے میں مجھ سے باتیں کرتا تھا۔ پالش کرنے کا کام ایسا تھا جس میں زیادہ مہارت کی ضرورت تھی۔ یونگ ہو سانس روکے ان لوگوں کو دیکھتا رہتا جو ذرا بھی غلطی کیے بغیر پالش کرتے رہتے تھے۔ ہمارے باپ غریب تھے وہ اپنے بچوں کو ٹیکنیکل سکول نہیں بھیج سکتے تھے۔ زمانے نے انہیں بہت ستایا تھا۔ بونا آدمی معاشی مسائل پر قابو نہیں پا سکتا۔ اگر ہم نے ٹیکنیکل سکول میں پڑھا ہوتا تو ہم شروع سے ہی ہنر مند کارکنوں میں شامل ہو جاتے۔ میں خوش قسمت تھا ایک مہینے کے اندر مجھے ہاتھ سے چلنے والی خراد مشین دیدی گئی جس کی شکل پستول سے ملتی تھی۔ میں آٹومیٹک خراد مشین کے بارے میں سوچتا تو مجھے ہنسی آجاتی۔ میری ماں خوش تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ اسمبلی لائن میں مکینک بن کر مجھے کاریں بنانے کے کام کا موقع مل جائے گا۔ میں نے انہیں نہیں بتایا کہ میں کیا کام کرتا ہوں۔ میں ٹرنک میں خراد کی مشین سے سوراخ کیا کرتا تھا۔ سوراخ کرنے کے بعد میں اس میں فلپس کا بڑا پیچ لگا دیتا تھا۔ میں دو اورزار استعمال کرتا تھا۔ دونوں کی شکل پستول سے ملتی تھی۔ ایک سے میں سوراخ کرتا اور دوسرے سے سوراخ میں پیچ اور ربڑ کا واشر لگاتا۔ میرے ساتھ کام کرنے والے مجھے دو پستولوں والا لڑکا کہتے تھے۔ پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ میں مشین کے ساتھ باندھ دیا گیا ہوں۔ ایک بونے آدمی کے بیٹے کے لیے یہ بہت بڑا تجربہ تھا۔ میں مشین کے ساتھ بندھا بھی ہوا تھا اور اس سے متاثر بھی بہت تھا۔ مشین ہی کام کی رفتار کا تعین کرتی تھی۔ کار کی باڈی میں کمر تک دھنسا ہوا میں ایک ساتھ دو کام کرتا تھا۔ جب بھی میں فولادی چادر سے اپنا خراد لگاتا تو زور کی آواز آتی۔ جب میں اس چادر میں سوراخ کرنے لگتا تو کمر سے اوپر تک لرزنے لگتا۔ کام کرتے وقت میرا منہ پیچوں اور واشروں سے بھرا رہتا۔ سوراخ کرتے ہی میں وہ پیچ اور واشر منہ سے نکال کر اس میں لگا دیتا۔

ہر روز دوپہر کے کھانے کی گھنٹی مجھے کام سے بچاتی۔ اگر ذرا سی بھی دیر ہو جاتی تو میں بے ہوش ہو کر گر پڑتا۔ دو پستولوں والا لڑکا اپنا کھانا پورا نہیں کھا سکتا تھا۔ میری زبان پر چھالے پڑے ہوتے اور منہ سے ربڑ اور لوہے کی بدبو آرہی ہوتی۔ میں پانی کی کلیاں کرتا مگر بو پھر بھی باقی رہتی۔ میں کیفیے ٹیریا میں ٹرے لے کر کھڑا ہو جاتا اور اس میں کھانے کی

چیزیں لیتا۔ مگر جب بھی کھانے کی کوشش کرتا تو میرے ہاتھ کانپنے لگتے۔ میں مولی کے سوکھے پتوں کا آدھا سوپ پیتا او ر آدھا پیالہ چاول سے زیادہ نہیں کھا سکتا تھا۔ میرے سامنے چاولوں کا پیالہ رکھا ہوتا جس میں چاولوں سے زیادہ جو کی مقدار بڑھتی جا رہی تھی۔ سوپ اور چاولوں کے ساتھ کچی کے چند بد رنگ اور سوکھے ٹکڑے رکھے ہوتے۔ اگر مجھے اچھا کھانا بھی ملتا تب بھی میں نہیں کھا سکتا تھا۔ ٹول روم کا میرا اسسٹنٹ میرا انتظار کرتا کہ میں کب کھانا ختم کرتا ہوں۔ ہمیں جو کھانا ملتا تھا وہ ایک آدمی کے لیے بھی پورا نہیں ہوتا تھا۔ میں اپنا بچا ہوا کھانا اس کی طرف بڑھا دیتا اور وہ مسکرا دیتا۔ کھانے کی چھٹی کا باقی وقت کارخانے کی چھت پر گزرتا۔ وہاں سے سمندر نظر آتا تھا۔ گول سمندر، اونگانگ کی اندرونی بندرگاہ میں کارخانے کا سارا گندہ پانی جمع ہو جاتا تھا۔ پورٹ اتھارٹی کی اکیلی کشتی پانی پر بہتی ہوئی چیزیں صاف کرتی تھی۔ کارخانے سے زہریلا پانی اور فضلہ سب اسی طرف جاتا تھا۔ میں جہاں بیٹھتا تھا وہاں سے زہریلی گیس خارج ہوتی تھی۔ ان گیسوں میں بیٹھا ہوا اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔

چھت پر سے وہ کارخانہ بھی نظر آتا تھا جہاں یونگ ہوئی کام کرتی تھی۔ یونگ ہوئی نیلا کوٹ اور سفید ٹوپی پہنتی تھی۔ وہ ویونگ سیکشن میں کام کرتی تھی۔ اس کی ٹوپی پر زیرتربیت کے رکن کا بیج لگا ہوتا تھا۔ حلانکہ وہ جو کام کرتی تھی وہ پرانے کارخانوں سے مختلف نہیں تھا۔ ایک منٹ میں یونگ ہوئی تیز تیز ایک سو بیس قدم ادھر ادھر جاتی تھی۔ ویونگ مشین کی آواز کان پھاڑنے والی تھی اور اگر کوئی پُرزہ ٹوٹ جاتا تو بالکل بے کار ہو جاتا اور پھر الٹا سیدھا چلنا شروع کر دیتا۔ اگر بے کار ہو جاتا تو یونگ ہوئی اسے ٹھیک کرتی پھر وہ معمول کے مطابق کام کرنے لگتا۔ یونگ ہوئی کو دوپہر کے کھانے کے لیے زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ دیئے جاتے تھے۔ ویونگ سیکشن میں جو لوگ کام کرتے تھے وہ باری باری کھانا کھانے جاتے تھے۔ اس عرصے میں فورمین مشینوں کی دیکھ بھال کرتا۔ یونگ ہوئی کی باری آتی تو وہ اپنی مشین فورمین کے حوالے کرتی اور کیفے ٹیریا کی طرف بھاگتی۔ جو کھانا وہ کھاتی وہ میرے ہی کھانے کی طرح ہوتا تھا۔ وہ جلدی جلدی کھاتی تا کہ کام میں دیر نہ ہو جائے۔ جلدی جلدی کھا کر وہ آدھی دوڑتی اور آدھی چلتی ہوئی مشین کی طرف جاتی۔ اس طرح وہ ایک گھنٹے میں سات ہزار دوسو قدم چلتی تھی۔ مشینوں کے کمرے میں درجہ حرارت ایک سو دو ہوتا۔ ویونگ

مشینوں سے جو حرارت پیدا ہوتی تھی وہ اس کے جسم کی حرارت سے بڑھ جاتی تھی۔ اونگا نگ کی حبس زدہ گرمی میں وہاں کا درجہ حرارت 95 ہوتا۔ مشینوں سے جو ہولناک آواز نکلتی اس کا کوئی حساب نہیں تھا۔ آواز کی سطح کا اندازہ ڈیسا ٹیبلز میں لگایا جاتا ہے۔ عام حالا ت میں آواز کی سطح زیرو ڈیسا ٹیبلز ہوتی ہے۔ 50 ڈیسا ٹیبلز ناممکن ہیں۔ ویونگ مشینوں سے جو اکٹھی آواز پیدا ہوتی وہ یونگ ہوئی کے پسینے میں بھیگے ہوئے جسم پر حملہ آور ہوتی۔ رات کو سوتے ہوئے بھی یونگ ہوئی روتی ہوئی اٹھ جاتی تھی۔ وہ روتی تھی مگر ماں کو پتہ نہیں چلتا تھا۔ لیکن یونگ ہوئی کم عمر تھی اس لیے اسے نہیں معلوم تھا کہ اسے کس نے غلام بنا رکھا ہے۔ ایک دن وہ یونین کے دفتر گئی اور ورکر ہینڈ بک اٹھا لی۔ کام سے فارغ ہو کر وہ مزدوروں کے چرچ گئی۔ وہ چرچ صنعتی علاقے کے شمالی حصے میں تھا۔ پادری پیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ اس کی نظر بہت کمزور تھی۔ وہ مچھلی کی سی آنکھوں والے چشمے سے مزدوروں کو دیکھتا تھا۔ یونگ ہوئی سکڑ سکڑ کر مزدوروں کے درمیان بیٹھ گئی اور حمد گانے لگی۔

ابھرتا سورج ہمارا راستہ
صبح کی آمد زمین کی کروٹ
ابدی تخلیق کار انتھک پیداوار دے رہے ہیں
اور ہم محنت کش ہیں۔

یونگ ہوئی مدھم آواز میں یہ مناجات گھر میں بھی گایا کرتی تھی۔ یونگ ہو اور میں اس کے اندر ہونے والی یہ تبدیلی خاموشی سے دیکھتے رہتے تھے۔ ماں کو یہ فکر رہتی تھی کہ اس کے دونوں بیٹے کسی خطرناک کام میں نہ لگ جائیں۔ ہم سیول میں رہتے تھے تو وہ وہاں کافی مصیبت جھیل چکی تھی۔ وہ نہیں بھولی تھیں کہ جب ان کے بیٹوں کو کارخانے سے نکالا گیا تھا تو کتنی پریشانی ہوئی تھیں۔ باپ سیمنٹ کے پل پر بیٹھے شراب پی رہے رتھے۔

''آج ہمارے بیٹوں نے وہ کیا ہے جو دوسرے لڑکے نہیں کر سکتے''

شراب کا گلاس چڑھاتے ہوئے انہوں نے کہا تھا۔''انہوں نے کارخانے کے صدر سے کہا کہ مزدوروں کو اس کام کیلیے مجبور نہ کرو جس کام کے لیے تم اپنے آپ کو مجبور نہیں کر سکتے۔''

''پریشان ہونیکی ضرورت نہیں'' ماں بولیں۔''لڑکے اپنی پسند کے کسی بھی کارخانے میں نوکری تلاش کر لیں گے۔''

''تم کیا باتیں کر رہی ہو'' باپ نے کہا''۔اب تک تمام کارخانوں کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ ان لڑکوں کو کوئی بھی نہیں رکھے گا۔تم سمجھتی ہی نہیں ان لڑکوں نے آج کیا حرکت کی ہے۔''

'' اچھا چھوڑو ان باتوں کو'' ماں نے بے چینی سے کہا''۔کیا لڑکوں نے کوئی غلط بات کی ہے۔تم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے انہوں نے کوئی غداری کی ہو۔ مجرم تو وہ لوگ ہیں۔''

ماں ٹھیک کہہ رہی تھیں اور باپ بھی خوب جانتے تھے۔مگر جن لوگوں کو تکلیف پہنچی تھی وہ تو ہم ہی تھے۔ ماں کا خیال تھا کہ آئندہ ایسا نہیں ہو گا۔

یونگ ہو اور میں نے فیصلہ کیا کہ ماں جو کہیں گی ہم وہ کریں گے۔ ماں کو یونگ ہوئی کی فکر نہیں تھی۔انہیں اس وقت بھی فکر نہیں ہوئی جب اسٹیورڈ کے غائب ہونے کے بعد یونگ ہوئی اور یونین کے دوسرے کا کن اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہ اس وقت بھی پریشان نہیں ہوئی جب یونگ ہوئی انتظامیہ کے خلاف چھپنے والے پوسٹروں کا بنڈل لیے پھر رہی تھی۔ مسئلہ میرا تھا۔ میں یونگ ہو سے کیا ہوا وعدہ پورا نہیں کر سکتا تھا کہ ہم ماں کی بات پر عمل کریں گے۔

جس دن مجھے پہلی تنخواہ ملی اسٹیورڈ سے ملنے یونین کے دفتر چلا گیا''۔یہ میری تنخواہ ہے''

''میں کیا کروں'' اس نے پوچھا۔ وہ چالیس سال کے قریب نظر آتا تھا۔

''پچھلے دو مہینے میں روزانہ ساڑھے چار گھنٹے زیادہ کام کرتا رہا ہوں۔''

''پھر؟''۔

''انہوں نے فالتو ڈیڑھ گھنٹے کی تنخواہ نہیں دی۔''

''یہ صرف تمہارے ساتھ ہوا ہے؟''

''نہیں۔''

''تو ٹھیک ہے'' اسٹیورڈ نے کہا اور سگریٹ سلگایا''۔جاؤ اپنا کام کرو۔''

''جناب'' میں نے کہا ''آپ مہربانی کر کے یونین کے ضابطے دیکھیں گے؟۔دفعہ نو ذیلی دفعہ دو کے تحت مجھے یہ حق ہے کہ میں انتظامیہ کے غلط اقدام کے خلاف یونین سے اپنے تحفظ کا مطالبہ کر سکوں۔''

''اچھا۔۔۔تو انتظامیہ کے یہ غلط اقدام کیا ہیں؟''۔

''اوور ٹائم نہ دینا بنیادی لیبر لا کی خلاف ورزی ہے۔ اس کے تحت ایک دن کا اصل

معاوضہ اور اس کے علاوہ آدھے دن کا معاوضہ ملنا چاہیے۔کام کے اوقات آٹھ گھنٹے ہیں۔''

''میں تمہارا شکر گزار ہوں''اسٹیورڈ بولا''پہلے کسی نے یہ مسئلہ نہیں اٹھایا تھا۔تم یہی کہنا چاہتے تھے نا؟''۔

''میں اب پکا ہو گیا ہوں میں دستی خراد سے کام کرتا ہوں مگر میں مستقل ہو گیا ہوں۔''

''اور؟''

''مجھے ہیلپر کی تنخواہ ملتی ہے۔''

''اور کوئی بات؟''۔

''کمپنی نے بیسک لیبر لا کی دفعہ 27اور اجتماعی معاہدے کی دفعہ 21 کی خلاف ورزی بھی کی ہے۔''

''تمہارا مطلب ہے بلا وجہ برطرفی؟''۔

''صرف اسمبلی لائن سے کسی وجہ کے بغیر سات آدمی نکال دیئے گئے ہین۔''

''ناممکن''اسٹیورڈ نے میز پر اپنی انگلیاں بجائیں''بغیر وجہ کے نکال دیا؟۔یہ نہیں ہو سکتا۔''

''مگر یہ ہوا ہے۔اور اگر یونین نے کچھ نہ کیا تو یہ ہوتا رہے گا۔''

''ہم کمپنی سے سرکاری طور پر وضاحت طلب کریں گے۔''

''اور''میں بولا''یہ ایک مضمون جو میں نے اخبار سے پھاڑا ہے''۔

''میں نے بھی یہ مضمون دیکھا ہے۔''اسٹیورڈ یہ کہہ کر بیٹھ گیا''۔وہی نہ جس میں چیئرمین نے کہا ہے کہ سوشل ویلفیئر کے لیے سالانہ دوارب وون رکھیں گے۔یہی نا؟''ہر سال بدقسمت لوگوں کے لیے اتنی بڑی رقم دیں گے۔شاید انہوں نے کوئی فاؤنڈیشن بنائی ہے اور اس کا انتظام کرنے کے لیے لوگ بھی مقرر کر دیئے ہیں۔یہ تو اچھی بات ہے۔''

''مگر لیبر اور انتظامیہ کے اجلاس میں آپ کو ایک اور بات بھی یاد دلانی چاہیئے''۔

''وہ کیا؟''۔

''وہ رقم یونین کے ارکان کی ہے۔''

''کیسے؟''۔

''ہم میں سے کسی کو بھی اس کی محنت کا پورا معاوضہ نہیں دیا جاتا۔تنخواہیں کم ہیں اور جو

رقم میری تنخواہ سے کاٹی جاتی ہے وہ ان دو ارب وون میں شامل ہے۔''

''یہ صحیح بات ہے۔''

''یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ مزدوروں کے حق میں سے جو رقم کاٹ کر جمع کی جاتی ہے وہ دوسرے لوگوں پر کیسے خرچ کی جاسکتی ہے؟''۔

''تم ٹھیک کہتے ہو'' وہ ہمیں دھوکہ دے رہے ہیں۔''

''یونین کو اس رقم کا حساب لینا چاہیئے اور وہ یونین کے ارکان کو ملنا چاہیئے''۔

''ہاں بالکل ملنا چاہیئے۔''اسٹیورڈ نے کہا''تم اور کیا کہنا چاہتے ہو؟۔''

''بس یہی کہنا تھا۔''

''میں نے اونگا نگ موٹرز میں تین دن اور کام کیا۔ یہ تین دن میرے لیے بہت مشکل تھے۔ ایک رات میری نکسیر پھوٹ گئی۔ پھر میرے چھوٹے اوزاروں کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہونے لگا۔ خراد پھنس گئی اور فولادی پلیٹ پھٹ گئی۔ میں دوسری خراد مشین لینے بھاگا بھاگا ورک روم گیا مگر وہ مشین پھر خراب ہوگئی۔

مشین روم کا میرا وہ اسسٹنٹ جسے میں اپنا بچا ہوا کھانا دیتا تھا اور وہ اس پر مسکراتا تھا اب اس نے مسکرانا بند کر دیا۔ میرا فورمین میرے سر پر سوار رہتا۔ میں مشین کی تیز رفتار کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا۔ لرزتے ہاتھوں پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے مشین چلاتا۔ اب میں جو بھی کام کرتا اس پر اعتراض کر دیا جاتا۔ ان تین دنوں میں مجھے احساس ہوا کہ کوئی سازش کی جا رہی ہے۔ یونین کا اسٹیورڈ کمپنی کا آدمی تھا۔ مزدوروں کے لیے کچھ بھی نہیں کرتا تھا۔

قبل اس کے کہ میرا نام برطرف کئے جانے والے مزدوروں میں شامل ہوتا میں نے نوکری چھوڑ دی۔ میرا نام بلیک لسٹ کئے جانے والے ملازموں میں شامل نہیں ہوا۔ اب میں اونگا نگ ٹیکسٹائل میں چلا آیا۔ وہاں چھوٹے موٹے کام کرنے لگا۔ ماں نے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ یونگ ہو بھی کچھ نہ بولا، یونگ ہوئی نے میرا قصہ جنرل کونسل کے ایک آدمی کو سنایا۔ وہ اسے چرچ میں ملا تھا انہی دنوں میں نے وہ کتاب دیکھی جس مین میری ماں اپنا بجٹ لکھتی تھیں۔

جاپانی سوئے سوس 120
نمکین میکرل 150
گندم 3800
یونگ ہوئی کی ٹی شرٹ 900
حادثے میں زخمی ہونے والے پڑوسی کے بچے کی عیادت230
سیرپ 50
کمرے کا کرایہ 15000
یونگ ہو کے ساتھی کی پارٹی 500
بوڑھی عورت کی مدد 140
چوکیدار کی تنخواہ 50
چاول 6100
یونگ ہو پر خرچ 450
اسپرین 100
گوبھی 220
آلو اور مرغی 110
دانت کی دوا 120
یا ٹک میکر 180
نمک 100
کوئلہ 2320
آٹا 3820
یونگ ہوئی کی سہیلی سے ملنے گئی 380
ریڈیو کی مرمت 500
پڑوسی کی مدد 150
دہی 80

ماں کے بجٹ کی کتا ب اس طرح کی خبروں سے بھری ہوئی تھی۔ میں نے سوچا

MashalBooks.org

اونگا نگ میں رہنے کیلیے ہمیں کتنی رقم کی ضرورت ہے۔صرف زندہ رہنے کے لیے جتنی رقم کی ضرورت ہے میرا بھائی،میری بہن کارخانوں میں کام کر کے مرے جا رہے تھے۔ہمیں جتنی تنخواہ ملتی تھی وہ اس دولت سے بہت ہی کم تھی جو ہم کارخانوں کی پیدا وار کی شکل میں پیدا کرتے تھے۔اس سال چار افراد کے خاندان کا کم سے کم خرچ83,480وون تھااور ماں کے حساب کے مطابق میرے بھائی، میری بہن اور میری تنخواہ ملا کر ہماری کل آمدنی 80,231وون تھی۔لیکن بیمے کی رقم یونین کے چندے،میوچل فنڈ اور کیفے ٹیریا کے خرچ کے بعد ہمارے پاس صرف62,351وون بچتے تھے۔اتنی سی کمائی کرنے کے لیے ہمیں اپنی صحت داوٴ پر لگانا پڑتی تھی۔ہماری ماں ہر وقت پریشان رہتی تھی۔

دائیں جانب کا دانت نکلوانا 1500

بائیں جانب دانت کا نکلوانا 1500

میں نے بجٹ والی کتاب بند کر دی۔اگر ماں اپنے دادانت نہ نکلواتی تو ہم فلم دیکھنے کے لیے تین ہزار کے قریب بچا سکتے تھے۔بجٹ کی کتاب کا یہی حساب تھا۔آخر کار میں نے اس واقعے پر توجہ دینے کا فیصلہ کیا جو یونگ ہوئی سنا رہی تھی۔ایسے واقعات لی لی پٹ شہر میں پیش نہیں آتے۔اور پھر میں نے ایک اور لی لی پٹ شہر کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔

☆☆☆

MashalBooks.org

قصور دیوتاؤں کا بھی ہے

میں سیدھی سادی دنیا کے خواب دیکھا کرتا تھا۔اسی سادہ سی دنیا کے جس کا خواب میرے باپ نے بھی نہیں دیکھا تھا۔ چاند پر جانا اور وہاں رصد گاہ قائم کرنا، یہ میرے باپ کا خواب تھا۔ اگر ان کا خواب پورا ہو جاتا تو وہ پانچ ارب نوری سال دور کہکشاں دیکھ سکتے تھے۔ مگر بیچارے باپ کچھ بھی حاصل کیے بغیر اس دنیا سے چلے گئے۔ ان کا جسم مردے جلانے والی جگہ پر آدھی مٹھی راکھ بن گیا۔ میں بہتے پانی کو دیکھ کر رو رہا تھا اور ماں کو پانی میں راکھ بہاتے دیکھ رہا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب ہمارے بونے باپ خلا میں غائب ہو رہے تھے۔ انہوں نے پیدا ہوتے ہی تکلیفیں اٹھانا شروع کر دی تھیں۔ اب چونکہ وہ چھوٹے قد کے تھے اس لیے ضروری تو نہیں تھا کہ ان کو زندگی بھی مختصر ملتی۔ موت نے ان کی وہ تکلیفیں ختم کر دیں جو ان کے جسم سے بڑی تھیں۔ وہ اپنے بچوں کو پیٹ بھر کھلا پلا نہیں سکتے تھے۔

MashalBooks.org

اور ہمیں سکول بھی نہیں بھیج سکتے تھے۔ ہمارے گھر میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں تھی جسے نیا کہا جا سکے۔ ہمیں پیٹ بھر کر کھانے کو نہیں ملتا تھا۔ غذا کی کمی کی وجہ سے ہمارے اندر جسمانی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ پروٹین کی کمی کی وجہ سے ہمارے اندر خون کی کمی رہتی تھی۔ جسم پہ ورم آ جاتا تھا اور دست آتے رہتے تھے۔ انہوں نے بہت محنت سے کام کیا مگر انسانی حُرمت سے محروم رہے۔ اس لیے آخری عمر میں وہ سارے زمانے سے نا راض تھے۔ اان کے زمانے کی خاصیت ہی یہ تھی۔ حقوق تسلیم نہیں کیے جاتے تھے اور فرائض کی پابندی کرائی جاتی تھی۔ میرے باپ نے اپنے معاشرتی اور معاشی حقوق مانگے تھے۔ ان کے زخم نہ بھر سکے اور وہ اینٹوں کے بھٹے میں گر پڑے۔

حالانکہ میرے باپ ملنسار آدمی تھے۔ وہ محبت کرنے والے انسان تھے۔ وہ ایسی دنیا کا خواب دیکھتے تھے جہاں ہر ایک کو کام ملے۔ ایسی دنیا جہاں ہر ایک کو کام کے بدلے کھانے اور پینے کو ملے۔ جہاں ہر آدمی اپنے بچوں کو سکول بھیجے اور پڑوسیوں سے پیار کرے۔ اس دنیا کا حکمران طبقہ عیاشی کی زندگی نہ گزارے۔ انہیں بھی انسانی مصائب کا علم ہونا چاہیئے۔ جو لوگ عیاشی کی زندگی گزاریں سرکاری طور پر ان کے بارے میں تسلیم کیا جائے کہ وہ انسانوں کی محبت سے محروم ہو چکے ہیں۔ ایسے لوگوں کے گھر دھوپ، ہوا، پانی اور بجلی سے محروم کر دیئے جائیں۔ ایسے گھروں میں پیڑ اور پھول نہیں ہونے چاہیں۔ وہاں تتلیاں بھی نہ اڑتی پھریں۔ میرے باپ کی دنیا میں صرف ایک چیز کی حکمرانی ہو سکتی تھی اور وہ تھی محبت۔ اس میں پیار محبت کی پابندی لازمی تھی۔ محبت کی وجہ سے بارش ہو، اس سے سبزہ اُگے، محبت ہی ہوا چلائے اور وہی ہوا سب کو آرام پہنچائے۔ لیکن میرے باپ جس دنیا کی خواہش کرتے تھے وہ بھی مثالی دنیا نہیں تھی۔ کیونکہ اس میں محبت نہ کرنے والوں کے خلاف قانون بنانا پڑیں گے۔ اور یہیں سے گڑ بڑ شروع ہوتی ہے۔ اگر ایسی دنیا میں بھی قانون ہونگے تو پھر فرق ہی کیا ہوا۔ میں جس دنیا کی آرزو کرتا ہوں اس میں ہر انسان کو عقل و دانش کے مطابق زندہ رہنے کی آزادی ہو گی۔ میرے باپ کی دنیا میں قانون بنائے جائیں گے۔ میں قانون نہیں چاہتا۔ میں چاہتا ہوں کہ تعلیم کو ہر ایک شخص لئے لیے محبت کا ذریعہ بنایا جائے۔

میرے باپ نے میرے لیے جو بنیاد رکھی وہ محبت تھی۔ اور اپنے باپ کی طرح میں نے بھی محبت اور امید کو اپنا راہبر بنایا۔ لیکن یہ اونگا نگ شہر جہاں ہمارا چار افراد کا خاندان آیا

تھا وہ میرے دماغ میں بسنے والا شہر نہیں تھا۔ ہم نے اسے برداشت کیا۔ ہم خوش گوار ماحول کے لیے اونگا نگ گئے تھے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا کہ اونگا نگ کے کارخانوں کے قریب تمام جاندار ختم ہوتے جا رہے تھے۔ میں اونگا نگ مینو فیکچر نگ اینڈ سنتھیٹک ربڑ کے کا رخانے کے قریب سے گزرتا تو سانس روک لیتا۔ میرے سامنے کا لا گندہ پانی اور اس میں بہنے والا فضلہ ہوتا۔ مزدور سویرے سویرے کارخانے جاتے تھے اور شام کو اسی راستے سے واپس آتے تھے۔ کار خانے کی قبرستان والی شفٹ چوبیس گھنٹے چلتی تھی۔ وہاں سے آنے والے مزدوروں کی آنکھیں نیند سے بھری رہتی تھیں۔ نیند بھگانے کے لیے وہ دوائیں کھاتے تھے۔ انگلستان میں بھی کبھی یہی حالا ت تھے۔ میں ے پڑھا ہے کہ رووم فیکٹری میں کام کرنے والے بچوں کی پیٹھ پر کوڑے لگائے جاتے تھے کہ کہیں وہ سو نہ جائیں۔ میں نے تو یہ بھی پڑھا تھا کہ رووم فیکٹری تو بہت نرم دل فیکٹری تھی۔ لائٹن فیکٹری میں تو بچے کھانے کی ایک پلیٹ کے لیے آپس میں لڑتے تھے۔ ان کا جنسی استحصال بھی کیا جاتا تھا۔ فورمین بہت ہی خطرناک ہوتے تھے۔ وہ کارکنوں کی کلائی مشین کے ساتھ باندھ دیتے تھے۔ ایسے بھی واقعات ہوئے کہ دانتوں پر ریتی چلائی گئی۔ لائٹن فیکٹری کے مزدور سردیوں میں بھی قریب قریب ننگے کام کرتے تھے۔ وہ گھڑی نہیں رکھ سکتے تھے۔ پورے کارخانے میں ایک ہی گھڑی تھی جس کے حساب سے رات گئے تک کام کیا جاتا تھا۔ وہ مزدور اور ان کے خاندان کارخانوں کے قریب جھونپڑیوں میں رہتے تھے۔ وہ سستی مگر زیادہ نشہ دینے والی شراب پیتے تھے۔ ان کا ایک ہی سہارا تھا اور وہ تھی بائبل جس میں بتایا گیا تھا کہ مرنے کے بعد وہ جنت میں جائیں گے۔ کچھ ایسے بھی تھے جو غم مٹانے کے لیے افیون کھاتے تھے۔ حتیٰ کے اپنے بچوں کو بھی کھلاتے تھے۔ کارخانے کا مالک صاف ستھری جگہ پر بڑے مکان میں اپنے خاندان کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ اچھے کپڑے پہنتے تھے اور مزیدار کھانے کھاتے تھے۔ شہر کے باہر بھی ان کے محل ہوتے تھے۔ مقدس پادری ان کے لیے دعا کرتے تھے۔ انگلستان کے مزدور جب ان حالات سے بیزار ہو جاتے تھے تو کارخانوں پر حملہ کر دیتے تھے۔ سب سے پہلے جو چیزیں توڑتے تھے وہ مشینیں ہوتی تھی۔ فرانس میں مزدور جب مشینوں پر ہتھوڑے مار رہے تھے تو زور زور سے گا رہے تھے۔ یہ گانے ان کی مایوسی اور غصے کا اظہار تھے۔ ان حالات کے مقابلے میں اونگا نگ کے حالا ت بہت اچھے تھے۔ یہاں ایسا کوئی مالک نہیں

تھا جو مزدوروں کو مارے کوئی ایسا فورمین نہیں تھا جو مزدوروں کے دانتوں پر ریتی چلائے۔ ہم مزدوروں کو کھانے کی پلیٹ کے لیے بھی آپس میں لڑنا نہیں پڑتا اور ہم افیون بھی نہیں کھاتے۔ میں نے تو اپنی محبت کی وجہ سے تکلیف اٹھائی۔ میرے باپ نے بھی محبت کی وجہ سے ہی تکلیف اٹھائی ہوگی۔ انگلینڈ اور فرانس کے کارخانوں کے مالکوں نے کبھی تکلیف نہیں اٹھائی تھی۔لیکن ایک سو ساٹھ سال پہلے کے واقعات پڑھ کر آج ہمیں ہنسی آتی ہے۔

''اصل چیز آج کا زمانہ ہے'' یہ یون ہو بول رہا تھا۔

''بڑے بھائی'' یونگ ہوئی بولی۔'' ہم کس کے قریب ہیں؟''

''کیا مطلب؟''

''ہم ایک سو ساٹھ سال کی صورت حال کے قریب ہیں یا آج کی صورت حال کے؟''

''میں کیا کہہ سکتا ہوں۔''۔یونگ ہوئی مشین ٹیکنالوجی کی تاریخ نہیں جانتی۔

''بھائی'' یونگ ہو جب چھوٹا تھا تو اس نے کہا تھا ''یونگ ہوئی کچھ بھی نہیں جانتی۔''

''اپنے بارے میں کیا خیال ہے بڑے بھائی؟'' یونگ ہوئی بولی تھی۔

''میں جانتا ہوں''

''میں بھی مڈل سکول جاؤں گی تو سب جان جاؤں گی۔''

''تم اب بھی جان سکتی ہو۔ پانچویں جماعت تک صنعتی انقلاب کے بارے میں پڑھا یا جاتا ہے''۔

''نویں جماعت تک تعلیم لازمی کی جارہی ہے۔''

''اتنی خوش فہم بھی نہ بنو۔'' ہمارے باپ نے کہا تھا۔''اگر تعلیم لازمی نہ بھی ہوئی تب بھی ہم تمہیں مڈل اسکول تک پڑھادیں گے''۔

''سچ؟''۔

''ہاں ہاں سچ''۔

''آج کل ہوا میں عجیب سی تبدیلی محسوس ہورہی ہے۔''

''ماں نے کہا تھا'' کارخانے کے دھویں سے میرے سر میں درد رہنے لگا ہے۔''

اس سے تو کپڑے دھونا اچھا ہے۔'' یونگ ہوئی بولی'' جو بچے کارخانوں میں کام کرتے ہیں ان کی صحت بہت خراب رہتی ہے''۔

MashalBooks.org

یونگ ہوئی یہ پنسل تو خراب نہ کرو۔'' ماں نے کہا۔

''چلو ہم تمہیں مڈل سکول میں داخل کرادیں گے۔''

''میں تو وہ پنسل استعمال کر رہی ہوں جو بڑے بھائی نے پھینک دی تھی۔''

''اسے آخری سرے تک استعمال کرو ہم امیر لوگ نہیں ہیں۔''

بارش بند ہوگئی تھی۔ شام ہو رہی تھی اور جھاڑیوں میں جھینگر بول رہے تھے۔ ہمارے باپ وہ کشتی کھینچتے ہوئے آرہے تھے جو انہوں نے گندے نالے کے قریب باندھ دی تھی۔ .

یونگ ہوئی جو رات کی شفٹ میں کام کرتی تھی میرے جواب کا انتظار کر رہی تھی۔

''تمہارے پاس پیمانہ نہیں ہے؟''۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''نہیں ہے۔'' اسی لیے میں پیمائش نہیں کر سکتی۔''

''دنیا میں جنگلی گھوڑے دوڑتے پھر رہے ہیں''۔ یونگ ہو بولا۔ اسی لیے کوئی بات یقین سے نہیں کہی جا سکتی۔''

''اب ان کے بچے انہیں کارخانوں کی طرف لئے جاتے ہیں''۔ یونگ ہوئی نے کہا''۔ ان ملکوں میں یونین اور انتظامیہ کے لوگ برابر کی سطح پر بیٹھ کر مزدوروں کے معاملات پر بات کرتے ہیں۔''

''تمہاری یونین کے سٹیورڈ کا کیا ہوا؟''۔

''مجھے نہیں پتہ۔'' یونگ ہوئی بولی۔'' میرا خیال ہے اسے کمپنی کے لوگ اٹھا کر لے گئے ہیں''۔

''تمہیں دیر ہو رہی ہے'' ماں نے کہا ''تم نیند بھگانے کے لیے جو گولیاں کھاتے ہو وہ نہ کھاؤ تو اچھا ہے''۔ مجھے تو بڑے بھائی کا یونین کے ساتھ زیادہ میل جول بھی اچھا نہیں لگتا ہے۔'' اسے اپنا کام کرنا چاہیئے''۔

''جی اچھا۔''

لیکن میں اونگا نگ میں صرف اپنا کام ہی نہیں کرتا تھا۔ میرا بھائی، میری بہن اور میں انتھک کام کرتے تھے مگر کمرے کا کرایہ دینے اور کھانے کے خرچ کے بعد ہمارے پاس کچھ بھی نہیں بچتا تھا۔ جس کام کیلیے ہم اپنا خون پسینا ایک کر دیتے تھے اس سے ہم زندگی ہی نہیں گزار سکتے تھے۔ لیکن ہم اکیلے تو نہیں تھے۔ اونگا نگ کے تمام مزدور ایسے ہی تھے۔ ہم

معمولی کھانا کھاتے تھے، سستے کپڑے پہنتے تھے، گندے ماحول میں رہ کر اپنی صحت خراب کرتے تھے۔ان کا کوئی والی وارث نہیں تھا۔ میں سوچتا تھا کہ کارخانوں کے قریب رہنے والے بچے جب بڑے ہوں گے تو انہیں کیسی کیسی بیماریاں ہوں گی۔ اونگا نگ میں جب ہوا کا دباؤ کم ہوتا ہے تو مختلف کارخانوں سے نکلنے والی زہریلی گیس ہوا میں معلق ہو جاتی ہے اور پورے ماحول کو زہریلا کر دیتی ہے۔

اونگا نگ آنے کے بعد ماں کے سر میں مسلسل درد رہنے لگا۔ اکثر انہیں سانس کی تکلیف بھی ہوجاتی اور متلی بھی ہونے لگی۔ یونگ ہوئی کو سنائی کم دینے لگا۔ ویونگ سیکشن میں مشینوں کا جو شور ہوتا وہ اس کے لیے مصیبت بنا ہوا تھا۔ ان دنوں میں مینٹنس ڈیپارٹمنٹ میں اسسٹنٹ مکینک تھا۔جس وقت میں نے یونگ ہوئی کو رات کی شفٹ پر کام کرتے ہوئے دیکھا میرا جی چاہا میں مر جاؤں۔ اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی تھیں وہ مشینوں کے درمیان آنکھیں بند کئے ہوئے چل رہی تھی۔ اندر کا درجہ حرارت ایک سو دو تھا۔ اونگا نگ کی مشینیں کبھی بند نہیں ہوتی تھیں۔ یونگ ہوئی کا نیلا کرتا پسینے سے تر رہتا تھا۔ ایک بار یونگ ہوئی پر غنودگی طاری ہوئی تو کئی لوم بند ہوگئے۔ فورمین آیا اور اس نے یونگ ہوئی کے بازو پر تھپڑ مارا۔ اس نے لوم دوبارہ چلائے۔ اس کی آستین پر خون کا دھبہ نظر آرہا تھا۔ اس وقت صبح کے تین بجے تھے۔ سب سے مشکل وقت رات دو بجے سے صبح پانچ بجے تک ہوتا تھا۔ یونگ ہوئی نے اپنی آنسو بھری آنکھیں چھپاتے ہوئے بتایا۔ جب یہ واقعہ ہوا تو اس کا سب سے بڑا بھائی سامنے ہی اسسٹنٹ مکینک کے طور پر کام کر رہا تھا۔ میں ان مشینوں کو تیل دیتا جو مکینک ٹھیک کرتے تھے اور ان کے اوزاروں کی دیکھ بھال کرتا۔ میرا یونیفارم بھی تیل اور پسینے سے بھرا رہتا تھا۔

میرا جی چاہتا تھا کہ میں انقلاب لے آؤں اور اسے شروع کر دوں ان لوگوں کے دماغوں سے جو اونگا نگ کے کارخانوں میں کام کرتے ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ ان کے دلوں میں انصاف اور خوشی حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہو جو دوسرے لوگوں کو حاصل تھی۔ میں چاہتا تھا کہ انہیں یہ احساس ہو جائے کہ وہ اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں۔ یونگ ہوئی کئی گھنٹے مجھے دیکھتی رہی۔ ہر روز میں دفتر کے بلیٹن بورڈ کے سامنے کھڑا رہتا۔ اس پر ان لوگوں کے نام لکھے تھے جو ریٹائر کر دیئے گئے ہیں، یا معطل کیے گئے ہیں۔ میں نوٹس بورڈ کے

سامنے کھڑی تھی اور اپنے آپ کو اپنے باپ سے بھی چھوٹے قد کا محسوس کر رہی تھی۔''اس بونے کو دیکھو''۔میرے باپ سڑک پر چلتے تو لوگ کہتے۔ کار والے ہارن بجاتے، انہیں لوگ دیکھ کر ہنستے۔ یونگ ہو کہتا تھا کہ میں بارودی سرنگ بناؤں گا اور ان لوگوں کے راستے میں رکھ دوں گا۔ یونگ ہوئی نے کہا تھا''بڑے بھائی، ان بدمعاشوں کو مار ڈالو جو ہمارے باپ کو بونا کہتے ہیں۔''اس کے اندر جو زہر بھرا ہوا تھا اس سے اس کے ہونٹ کانپنے لگے۔ میں اپنے خوابوں میں بارودی سرنگیں پھٹنے کی آوازیں سنا کرتا تھا۔ ان دھماکوں سے ان کی کاریں آگ کی لپیٹ میں آجاتی ہیں۔ کاروں کے اندر پھنسے ہوئے لوگ چیخ رہے ہیں۔ اونگا نگ میں میں نے ایسی ہی چیخیں سنی تھیں جیسی خواب میں سنتا تھا۔ یہ چیخیں اسی وقت سنی تھیں جب المونیم الیکٹروراڈ فیکٹری کا ٹینک دھماکے سے پھٹ گیا تھا۔وہ ٹینک فرنس کے ساتھ منسلک تھا۔ ٹینک کے ساتھ وہ بھی پھٹا اور گہرا لال شعلہ آسمان تک بلند ہوا۔ اس پر پانی ڈالا گیا تو لوہے کے ٹکڑے اور ٹوٹی ہوئی اینٹیں اور سلیٹ کی کرچیاں نیچے گرنے لگیں۔ ساتھ کے کارخانوں کو بھی نقصان ہوا ان کی چھتیں بھی اڑ گئیں۔ ہم ادھر دیکھنے کے لیے دوڑے تو وہاں چاروں طرف مزدوروں کے جسم کے اعضا بکھرے پڑے تھے۔ وہ چھوٹا سا کارخانہ تھا مگر دھماکہ اتنا زوردار تھا کہ سارے اونگا نگ میں سنا گیا۔ جو مزدور بچ گئے وہ زخمی حالت میں اپنے مزدور ساتھیوں کے کندھوں پر وہاں سے باہر نکل پائے۔ وہ بھی چیخ رہے تھے۔

فیکٹری کے شمالی حصے کے چرچ میں ان کی یاد میں جو اجتماع ہوا میں نے بھی اس میں شرکت کی تھی۔ یونگ ہوئی مزدوروں کے ہجوم میں کھڑی دعا مانگ رہی تھی۔ پادری نے عینک اتاری اور آنکھیں بند کر لیں۔میں نے پادری کو اور نوجوان مزدوروں کو دعا مانگتے دیکھا۔ دیکھا کہ ان کی بند آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ ماں کی آنکھیں بھی تر تھیں۔ ماں نے اپنے میلے اسکرٹ کا دامن اٹھایا اور اپنے آنسو پونچھے۔ایک مزدور جو المونیم فیکٹری میں کام کرتا تھا ہمارے پڑوس میں اپنی نوجوان بیوی کے ساتھ رہتا تھا۔ جب دھماکہ ہوا تو وہ فیکٹری میں تھا۔ اس کے پرزے اڑ گئے تھے۔ اس کا پتہ ہی نہیں چلا وہ تیرا سو ون تنخواہ پر کام کرتا تھا۔ اس کی نوجوان بیوی نے گلے میں پھندا ڈال کر خودکشی کر لی۔ ماں نے بتایا کہ وہ ماں بننے والی تھی۔ اس کے پیٹ میں ایک اور زندگی پروان چڑھ رہی تھی۔ مجھے اس لیے

دکھ ہوا کہ مجھے اپنے باپ سے ورثے میں محبت ملی تھی۔ ہم محبت سے عاری دنیا میں رہتے تھے۔ پڑھے لکھے لوگ ہمیں تکلیف پہنچاتے تھے۔ وہ ان کرسیوں پر بیٹھے یہ سوچتے رہتے تھے کے کم سے کم خرچ پر مشین کیسے چلائی جا سکتی ہے۔ اگر انہیں ضرورت پڑ جائے تو وہ ہمارے کھانے میں ریت ملا دیں۔ یہی لوگ ہیں جنہوں نے گندے پانی کے ٹینک میں سوراخ کر دیا کہ وہ پانی فلٹر ٹینک کے راستے جانے کے بجائے سیدھا سمندر میں جا گرے۔ یونگ ہوئی نے بتایا کہ کمپنی کے آدمی یونین کے اسٹیورڈ کو اٹھا کر لے گئے ہیں۔ ایک دن انہوں نے کھڑے کھڑے تیس مزدور نکال دیئے۔

وہ ایسے کام کرتے ہیں جیسے وہ ہم سے بالکل مختلف ہیں۔ وہ ہم سے دس گنا زیادہ کماتے ہیں۔ شام کو اپنے خوش باش خاندانوں کے پاس ان گھروں میں چلے جاتے ہیں جو کار خانوں سے بہت دور ہیں۔ وہ گرم گھروں میں رہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ نوجوان مزدور، جو اپنی تکالیف کے لیے مظاہرے تو نہیں کرتے مگر وہ کچھ اور ہی سوچ رہے ہیں۔ انتظامیہ کا کوئی بھی آدمی دیکھنے کی کوشش نہیں کرتا اس لیے اسے اس تبدیلی کا علم بھی نہیں ہے۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے تو میں بتاؤں یہ ایک طرح کی طاقت ہے۔ وہ طاقت جو اخبار اور اقتدار سے نہیں ملتی۔

میں اکثر کتاب پڑھنے کے لیے مزدوروں کے چرچ چلا جاتا تھا۔ مجھے جس کتاب کی ضرورت ہوتی پادری وہ مجھے دے دیتا۔ پادری کہتا خوف ہمارا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اس نے تو اب بتایا تھا مگر مجھے یہ پہلے سے معلوم تھا۔ مجھے تو یہ بھی معلوم ہے کہ پادری خود ہی ڈر اور خوف سے کام لیتے ہیں۔ مزدوروں کے چرچ کا پادری مختلف تھا۔ وہ بھی ان لوگوں میں سے تھا جنہوں نے محبت اور شفقت کی وجہ سے تکلیف اٹھائی تھی۔ وہ مجھے معاشرتی علوم کے ایک گروپ کی میٹنگ میں لے گیا۔ یونین کا اسٹیورڈ کار خانے واپس نہیں گیا۔ اس کا استعفیٰ نوٹس بورڈ پر چسپاں کر دیا گیا۔ بس اتنا ہی ہوا۔ اونگا نگ لیبر یونین خاموشی سے بنائی جا رہی تھی۔ مجھے یقین ہے انتظامیہ مطمئن ہو گی۔ انہوں نے یونین کے نمائندوں کو بلایا اور اسٹیورڈ کے نائب کو اسٹیورڈ بنا دیا۔ کار خانے کے اندر سکون تھا۔ مشینیں پوری طرح چل رہی تھیں۔ برطرف کیے مزدوروں نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا اور مشینوں پر کام کرنے والے مزدور فرماں برداری کے ساتھ کام کرتے رہے۔ پلانٹ مینجر ڈائریکٹر بھی تھا۔ سیول میں

ڈائریکٹر کی جو میٹنگ ہوتی تھی اس میں وہ گردن اکڑا کر بیٹھتا تھا۔سینئر ڈائریکٹر اس کی تعریف کرتے تھے۔ تمام حصے دار اس کی تعریف کرتے تھے اور اونگا نگ گروپ کا سربراہ اس کی قابلیت کا معترف تھا۔ وہ سب اس خیال میں تھے کہ وہ دنیا میں جنت بنا رہے ہیں۔ اگر یہ جنت بن گئی تو وہ ان کی اپنی ہو گی مزدوروں کی نہیں ہو گی۔ میں نے سوچا اس کے دروازے کی کنجی ہمیں نہیں دی جائے گی۔ ہمیں باہر گندگی کے ڈھیر پر پھینک دیا جائے گا۔ وہ اپنی ایئر کنڈیشنڈ کاروں میں اپنے گھر والوں کے ساتھ ادھر سے گذریں گے تو ہمیں دیکھ کر کہیں گے کتنے گندے ہیں یہ لوگ''اور کتنے کاہل اور سست ہیں یہ لوگ۔'' وہ یہ نہیں سوچیں گے ہم جتنا کام کرتے ہیں اس کے مطابق یہ ہمیں معاوضہ نہیں دیتے۔

یونگ ہوئی نئے اسٹیورڈ کو مجھ سے ملانے لائی۔ جب وہ ویونگ کے شعبے میں نائب اسٹیورڈ تھی تو اس نے اس کے ساتھ کام کیا تھا۔ وہ بھی نائٹ شفٹ میں نیند بھگانے کے لیے دوائیں کھاتی تھی اور دن کی شفٹ ہوتی تو رات کو خواب آور دوائیں کھاتی تھی۔ میں نے اسے بتایا کہ آئندہ ہمیں کیا کرنا ہے اور وہ کتنا مشکل کام ہو گا۔ وہ ذہین اور خوبصورت لڑکی تھی۔ وہ لیبر قوانین کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتی تھی۔ چونکہ وہ کم عمر تھی اس لیے وہ اپنے خیالات اور احساسات منظّم نہیں کر سکتی تھی۔ میرا کام یہ تھا کہ اسے اس مخمصے سے نکالا جائے۔ ہر روز میں یونگی سے ملتا ہم معلومات اکٹھی کرتے، ان پر غور کرتے اور نوٹس لیتے۔ یونگ ہوئی اس یونگی کو ہمارے گھر لاتی۔ ماں یونگی کو پسند کرتی تھیں۔ اپنی باتیں اپنے تک ہی رکھنے کے لیے ہم چرچ نہیں جاتے تھے۔ کارخانے میں ہم ملتے تو یہ ظاہر کرتے جیسے ایک دوسرے کو جانتے ہی نہیں ہیں۔ یونگ ہوئی نے بتایا تھا کہ پادری کے خیال میں میں ایک اچھا مزدور لیڈر بن سکتا ہوں۔ یونگی کو بھی اس کا یقین تھا۔ ماں پریشان تھیں مگر وہ جانتی تھیں کہ مجھے اس کام سے روک نہیں سکتیں۔ ہمارے نمائندے کی حیثیت سے یونگی انتظامیہ سے جو کہتا میں وہ لکھ لیتا۔ یونگی نے یونین کی میٹنگ بلائی اور جنرل کونسل میں چار ارکان منتخب کئے گئے۔ اس نے انتظامیہ کے سامنے اپنے ارکان کی فہرست رکھی اور انتظامیہ نے اپنے ارکان کے نام دیئے۔ پلانٹ مینجر نے یونین کو بہت بڑا گلدستہ بھیجا۔ پروڈکشن ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ نے امید ظاہر کی کہ اسی طرح کارخانے میں امن رہے گا اور مزدوروں کو معاشی فائدہ ہو گا۔ ان کا خیال تھا کہ یونین کی طاقت ختم ہوگئی ہے۔انہوں نے

حسب معمول ان مزدوروں کے نام نوٹس بورڈ پر لگا دیئے جنہیں برطرف یا معطل کیا گیا تھا۔ وہ مزدور جنہوں نے رات کی شفٹ میں کام کیا تھا اور تیسرے پہر کی شفٹ میں کام کرنے والے مزدور ایک جگہ جمع ہو گئے اور مزدور یونین کے نمائندوں کو خوش آمدید کہنے لگے۔ مالکوں کے نمائندوں نے بھی مزدوروں کے نمائندوں کی طرف ہاتھ ہلائے۔ یونگی وہ نوٹ بک لے کے آئی جس کے بارے میں اس نے بتایا کہ میں نے لکھی ہے۔ یونگی سفید ڈریس اور سفید جوتے پہنے تھی۔ وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ یونگ ہوئی نے یونگی کے سینے پر اودے رنگ کا پھول لگا دیا۔ نوجوان مزدور ہنس پڑے۔ انتظامیہ کے لوگوں نے سیٹیاں بجائیں۔ یونگی نہیں ہنسی۔ مزدوروں کی طرف سے جو پانچ مبصر بنائے گئے تھے میں بھی ان میں شامل تھا۔ اس حیثیت سے میں اپنے کام کے کپڑے پہنے ہوئے کانفرنس روم میں داخل ہو ا۔انتظامیہ کے نمائندوں نے مجھے اس حال میں دیکھا تو ہنس پڑے۔شروع میں ماحول بہت خوشگوار تھا۔ کانفرنس میں شرکت کرنے والے ٹھنڈا مشروب پی رہے تھے۔ میں نے بھی وہ پیا تو میرے تیل لگے ہاتھوں سے گلاس بھی چکنا ہو گیا۔ بیس منٹ بعد ماحول بدل گیا۔ مالکوں کا نمائندہ نمبر 3 بولا: پروڈکشن ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ نے پیداوار بڑھانے کے بارے میں جو کہا ہے اچھا خیال ہے۔ اس پر ہم سب کا اتفاق ہو گا۔ کیونکہ یہاں دونوں جانب سے اس اجلاس کی روداد لکھی جا رہی ہے۔ اس لیے امید ہے کہ اس کی نقل ہر رکن کو ضرور دی جائے گی۔

مزدور کا نمائندہ نمبر 3: یہاں میں ایک پن کے بارے میں کچھ نہیں چاہوں گا۔

مالکوں کا نمائندہ نمبر 2: پن ؟۔

مزدور نمبر 3: جی۔ پن کا نوک والا حصہ، پروڈکشن ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ جانتے ہیں کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔

مالک نمائندہ 4: یہ کیا باتیں ہو رہی ہیں صاف صاف بتاؤ۔

مزدور نمائندہ 1: ان حالات میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔

مالک نمائندہ 4: کیوں ؟۔

مزدور نمبر 1: ہم یہاں پندرہ سو مزدوروں کے نمائندے کی حیثیت سے موجود ہیں۔

مالک نمائندہ 3: ٹھیک ہے پھر ؟۔

مزدور نمائندہ 1: ہم تو بڑی تمیز سے بات کر رہے ہیں مگر اسسٹنٹ مینجر تقریر کر رہے ہیں۔

مالک نمائندہ 1: ہماری غلطی ہے۔

مالک نمائندہ 3: روداد کا کیا ہوا؟۔ پہلا حصہ ٹھیک کرلو۔

مزدور نمائندہ 1: چونکہ شعبے کے سربراہ پن کے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتے ہیں اس لیے میں ان کے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔

مالک نمائندہ 4: میرے لیئے تو یہ خبر ہے۔

مالک نمبر 3: میں پھر کہوں گا اخلاق کے ساتھ بات کی جائے۔

مالک نمائندہ 4: ٹھیک ہے بڑے احترام کے ساتھ عرض کروں گا کہ مجھے پن کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے

مالک نمائندہ 2: بابی پن۔

ماں، یونگ ہوئی، بابی پن نہ بھولنا۔

یونگ ہوئی۔ کیوں ماں ؟۔

ماں: اگر ہمارے کپڑوں کا کوئی جوڑ کھل جائے تو بابی پن سے جوڑ لیتے ہیں۔

مزدور نمائندہ 3: یہ بابی پن مزدوروں کو رلا رہی ہے۔

یونگ ہوئی: اگر کسی نے میرے باپ کو بونا کہا تو میں اس کی آنکھوں میں یہ پن بھونک دوں گی۔

ماں: نہیں بیٹی۔ اس سے خون نکل آئے گا۔

یونگ ہوئی: میں تو ضرور ماروں گی۔

مزدور نمائندہ 3: یہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم رات کی شفٹ پر ہوتے ہیں۔ دو تین بجے تک کوئی بھی اپنی آنکھیں کھلی نہیں رکھ سکتا۔ کبھی تو ہم کھڑے کھڑے سو جاتے ہیں۔ اسی وقت فورمین ہمارے بازو میں زور سے پن چبھو دیتا ہے۔

مالک نمائندہ 4: فضول بات

مزدور نمائندہ 4: ہم کیڑے مکوڑے نہیں ہیں۔

مالک نمائندہ 5: تم دونوں خاموش رہو۔

MashalBooks.org

مزدور نمائندہ5:فورمین چٹکی میں پن پکڑے رکھتا ہے۔ وہ ہمارے بازومیں چبھوتا ہے۔ وہ پن ہمارے گوشت میں گھس جاتی ہے اور ہم ہوشیار ہو جاتے ہیں۔ پھر ہم مشینوں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔ پچھلے مہینے میں نے یونین کے کئی ارکان کو لومز کے درمیان ایسے بھاگتے ہوئے دیکھا کہ وہ دوڑ رہے ہیں۔

مزدور نمائندہ 4:میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ پید اوار بڑھانے سے بابی پن کا تعلق کیا ہے۔

مالک نمائندہ 4:کوئی تعلق نہیں ہے۔

مزدورنمائندہ 2:آپ بابی پن کے بارے میں جانتے ہیں یا نہیں ؟۔

مالک نمائندہ 4:یہ کیا بکواس ہو رہی ہے ہم یہاں یہ بکواس سننے جمع ہوئے ہیں ؟اگر کوئی فورمین بابی پن مارتا ہے تو یہ اس کا اپنا ظالمانہ فعل ہے۔ کمپنی کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مزدور نمائندہ 1: بہر حال اس کی تحقیقات ہونی چاہئیں۔

مالک نمائندہ 1:شعبے کے سربراہ صاحب، آپ تحقیقات کیجئے اگر الزام ثابت ہو جائے تو

ضرور کاروائی کیجئے۔

مزدور نمائندہ1:یہ بابی پن ویونگ سیکشن میں استعمال کی جاتی ہے۔ میں جانتا ہوں پیدا وار بہت ضروری ہے مگر ہم یہ نہیں چاہتے کہ جب ساری دنیا سو رہی ہو تو ہماری یونین کے ارکان چیختے چلاتے مشینوں کے درمیان پھر رہے ہوں۔

مالک نمائندہ 1:یونین کے اسٹیورڈ ٹھیک کہتے ہیں، ہم مہذب انسان ہیں۔ اگر یہاں ایسا کام ہوا تو شرم کی بات ہے۔

مالک نمائندہ 2:آپ جانتے ہیں کہ ہم آپ لوگوں کو تشدد کی دھمکیاں اور قید وغیرہ کے ذریعے کام کرنے پر مجبور نہیں کر سکتے اور نہ غیر قانونی پابندیاں لگا کر آپ کی آزادی سلب کر سکتے ہیں۔ آپ اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں، کام کرتے ہوئے اگر آپ سے کوئی حادثہ ہو جاتا ہے تب بھی ہم آپ پر ظلم نہیں کرتے ہیں۔

مزدور نمبر ایک :میں اس سے اختلاف کرتا ہوں مگر چونکہ ابھی یہاں اور باتین ہو رہی ہیں اس لئے میں اس پر نہیں جاتا۔

MashalBooks.org

مالک نمبر دو:نہیں نہیں بات کرو۔''

مزدور نمبر ایک :بڑے احترام کے ساتھ عرض کروں گا کہ آپ نے فرمایا آپ زیادتی نہیں کرتے مگر یہ نہیں کہا کہ ایسا کرنا جرم ہے۔ہمیں ابھی اور بھی چیزوں پر غور کرنا ہے اسی لئے میں یہ بات بڑھانا نہیں چاہتا۔ حالانکہ کئی ایسی مثالیں ہیں جہاں یہ پابندی نہیں کی جاتی ہے۔

مالک نمبر 5:اگر ہم ہر کام قانون کے مطابق کرتے رہے تو اونگا نگ کی تمام مشینیں بند ہو جائیں گی۔

مالک نمبر 4:اور اگر مشینیں بند ہوگئیں تو انہیں زنگ لگ جائے گا اور پھر کارخانہ بند کرنا پڑے گا اور اگر ایسا ہوا تو تم سب کی نوکریاں چلی جائیں گی۔

مالک نمبر ایک :،یہ بہت دور کی بات ہے مگر آپ دونوں جو بات کر رہے ہیں اس میں بھی چند مشکلات ہیں۔

مالک نمبر 2:، جی، ضرور نکال دیجئے۔

نمبر ایک لڑکا :،انہیں رہنے دو۔

لڑکا نمبر 2:، کیوں ؟۔

لڑکا نمبر ایک :،ہم بونے آدمی کے بچوں کے ساتھ نہیں کھیلتے۔

یونگ ہو :، بڑے بھائی ؛

میں :۔ذرا صبر سے کام لو۔

یونگ ہو :۔تم بیچ میں نہ بولو۔ میں اس گدھے کو مار ڈالوں گا۔

لڑکا نمبر ایک :۔دیکھو دیکھو۔اس آدمی نے مجھے مارا۔

یونگ ہو :، میں تمہیں مار ڈالوں گا۔ مار ڈالوں گا۔

نہیں :،اسے جانے دو یونگ ہو۔

لڑکا نمبر 3:،لو وہ بونا آ گیا۔

لڑکا نمبر 4:،ہاں بونا آ گیا۔

مزدور نمبر 2:،کا خانے کا کیا ہوا ؟۔

مالک نمبر 2:، کیا مطلب ؟۔

MashalBooks.org

مالک نمبر ایک :، جہاں تک ہمارا تعلق ہے کارخانے میں امن وامان کیلئے مزدوروں اور انتظامیہ کا اتفاق ضروری ہے۔

مزدور نمبر ایک :،ہم انتھک کام کرتے ہیں۔ ہم تو یہ بھی کام کرتے ہیں کہ مشین زیادہ تیز رفتار سے چلیں۔ لیکن ہم مزدور انسانوں کی زندگی نہیں گزارتے۔ ہم ہر وقت گھر کے اخراجات اور اپنی تنخواہ کے بارے میں سوچتے رہتے ہیں۔ اسسٹنٹ پلانٹ مینجر نے جو کہا ہے اس کے برعکس ہم تو اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ہم پسماندہ ملک میں بہت ہی پسماندہ زندگی گزار رہے ہیں۔ ہم سوچتے

ہیں کہ اگر مشینوں کی رفتار تیز کرنا ہے تو ہمیں انسانوں کے لائق زندگی گزارنا ہوگی۔

مالک نمبر ایک :، یہ خطرناک بات ہے۔ اگر تم ایسا سوچتے ہو تو ہم بھی تمہاری طرح مزدور ہیں۔ ہم بھی محنت کر کے دولت کماتے ہیں۔

مزدور نمبر ایک :، اس اعتبار سے ہم ایک ہیں کہ ہم سب کو تنخواہ ملتی ہے۔ مگر ہمیں تنخواہ کا جو لفافہ ملتا ہے وہ اتنا بھاری نہیں ہوتا جتنا آپ کا ہوتا ہے۔ ہمارا تو بہت ہی ہلکا ہوتا ہے۔ آج ہم آپ کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ہم ہمیشہ کیلیے یہ ہلکا لفافہ قبول نہیں کر سکتے۔

مالک نمبر ایک :،آپ نے اچھی بات کی۔ مگر میں ایک سوال کر سکتا ہوں ؟۔

مزدور نمبر ایک :جی ؟۔

مالک نمبر 2:،اتنے اچھے کپڑے پہننے کے لیے آپ کو رقم کہاں سے ملتی ہے اگر لفافہ ہلکا ہوتا ہے تو آپ لوگ کھانا کہاں سے کھاتے ہیں اور کپڑے کہاں سے پہنتے ہیں اور جوتے کیسے خریدتے ہیں۔

مزدور نمبر ایک: میں اکیلا رہتا ہوں میرے ماں باپ مر چکے ہیں اور میرا کوئی چھوٹا بھائی بھی نہیں ہے کہ اس کی پڑھائی کی فیس بھی مجھے دینا پڑے۔ میں زیادہ نہیں کھاتا اور مجھے دوسری چیزیں کھانے کی عادت نہیں ہے۔ جب میں کام نہیں کر رہا ہوتا تو تھک کر سو جاتا ہوں اور میں کپڑے اس لیے صاف رکھتا ہوں کہ وہ زیادہ دیر چلیں۔ میں نے یہ کپڑے اور جوتے اس رقم سے خریدے ہیں جو میں نے بچائی تھی۔ اور اب چونکہ میں ملازموں کی نمائندگی کر رہا ہوں اس لیے مجھے صاف ستھرا نظر آنا چاہیے۔ معقول نظر آنے کے لیے میں نے گریڈ تھری کے مزدور کے مقابلے میں زیادہ قیمتی کپڑے خریدے ہیں۔

MashalBooks.org

مالک نمبر ایک :۔آپ کے مطالبات کیا ہیں ؟۔

مزدور نمبر ایک :۔تنخواہ میں 25 فیصد اضافہ، دوسو فیصد بونس اور جو مزدور نکالے گئے ہیں یا جنہیں معطل کیا گیا ہے ان کی غیر مشروط بحالی۔

مالک نمبر 3:۔ذرا ان صاحب کی باتیں سنو۔

مالک نمبر 4:۔تو پھر بات نہیں ہوسکتی۔ اس کے پیچھے تخریبی عنا صر ہیں جو ان کو سکھا رہے ہیں۔

یونگ ہوئی :۔ماں، بڑے بھائی نے وہاں بڑے گھر کی گھڑی توڑ دی ہے۔

ماں :۔میں جانتی ہوں، تمہارے باپ وہاں گئے ہیں۔

یونگ ہوئی :۔ وہاں جو لڑکا رہتا ہے وہ ہمارے باپ کو چھیڑتا ہے۔ وہ انہیں بونا کہتا ہے۔ وہ وہاں کیوں گئے ہیں ؟'۔

ماں :۔اگر تم غلط کام کرو گے تو تمہارے باپ کو ہی اسے دیکھنا پڑے گا۔

یونگ ہوئی :۔کب تک ؟۔

ماں :۔جب تک تم بڑے نہیں ہو جاتے۔

مالک نمبر ایک :۔آئندہ اگر کوئی حادثہ ہوا تو اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔

ماں :۔جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو اپنی ذمہ داریاں خود سنبھالو گے۔

مالک نمبر 2:۔آپ لوگوں کی تنخواہ گزشتہ فروری میں بڑھا ئی گئی تھی اور اس وقت جو سمجھوتہ ہوا تھا اس کے مطابق ہی آپ کو تنخواہ مل رہی ہے۔ جہاں تک بونس کا تعلق ہے وہ ہم نے پچھلے سال دے دیا تھا۔

مزدور نمبر ایک :۔آپ نے یک طرفہ طور پر تنخواہ میں اضافہ کیا تھا اور جو بونس دیا تھا اسے بونس نہیں کہا جا سکتا وہ اتنا کم تھا۔ وہ تو ایک ہفتے کے اوور ٹائم سے بھی کم تھا۔

مالک نمبر 2:۔آپ کو اوور ٹائم ملتا ہے نا ؟۔ ہیڈ کوارٹر جا کر دیکھو۔ وہاں سب رات کے نو دس بجے تک کام کرتے ہیں اور چوں تک نہیں کرتے۔

مزدور نمبر ایک :۔آپ ان کے ساتھ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ ہماری طرح تنخواہ لینے کے لیے قطار میں نہیں کھڑے ہوتے اور وہ چھ سو فیصد سالانہ بونس لیتے ہیں۔ اگر وہ اوور ٹائم نہیں لیتے تو یہ ان کا مسئلہ ہے۔ ان کی غلطی درست کرنا ہمارا کام نہیں ہے۔

MashalBooks.org

مالک نمبر 5:۔ایسے کام نہیں چل سکتا۔

مالک نمبر ایک :۔یونین اسٹیورڈ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مالکوں اور مزدوروں کے تعلقات خراب ہیں؟۔

مزدور نمبر ایک:۔جی، یہاں اونگا نگ میں ایسا ہی ہے۔

مالک نمبر ایک :۔یہی تو خرابی ہے۔ اگر کام چلتا رہے گا تو جن کو فائدہ ہوگا وہ مزدور ہی ہیں۔

مزدور نمبر ایک :۔یہاں صرف مزدور کے فائدے کی بات نہیں ہے۔ اصل میں تو مزدوروں اور مالکوں دونوں کو فائدہ ہونا چاہیئے۔ہمارا مقصد تو یہ ہے۔لیکن اب حالات خراب ہیں۔ ماحول اچھا ہوگا تو کارخانوں میں امن قائم ہوگا۔

مالک نمبر 5:۔بند کرو یہ باتیں۔

مالک نمبر 3:۔آرام سے بات کرو۔

مالک نمبر 5:۔وہ لڑکی کیا جانتی ہے؟۔

مالک نمبر ایک:۔براہ کرم بیٹھ جایئے۔

مالک نمبر 5:۔میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ نے اس لڑکی کو صنعتی امن پر بات چھیڑنے کی اجازت ہی کیوں دی۔

مالک نمبر 3:۔بیٹھ جایئے، بیٹھ جایئے۔

مالک نمبر ایک :۔میں پھر کہتا ہوں آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔آپ کہہ رہے ہیں کہ کمپنی جو منافع کمائے اسے چند لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے؟۔یہ بہت خطرناک خیال ہے۔ کاروبار کا منافع پورے معاشرے کو ملنا چاہیئے۔وہ ملازموں اور حصے داروں میں تقسیم کیا جاتا ہے اور باقی پھر
کاروبار میں لگا دیا جاتا ہے۔

مزدور نمبر ایک :۔اگر آپ کے پاس کہنے کو کچھ ہے تو ضرور بتایئے۔

مزدور نمبر ایک :۔یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ شرم ناک منافع جو مزدوروں کو پورا معاضہ نہ دے کر کمایا جاتا ہے معاشرے کے حوالے کر دیا جاتا ہے؟۔اور حصے داروں میں وہ منافع تقسیم کرنے کا کیا فائدہ ہے؟۔ہمارے خیال میں تو اس قسم کا کاروبار بڑھنا ہی نہیں

چاہیئے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں پورے معاوضے سے محروم کر کے جو کمائی کی جاتی ہے وہ منافع نہیں ہے۔ آپ کو کچھ اور کہنا ہے؟ آج ہی میں نے اخبار میں پڑھا ہے کہ ہمارے چیف ایگزیکٹیو ضرورت مندوں میں سالانہ دو ارب وون تقسیم کرنا چاہتے ہیں۔ اور میں نے اخبار میں اپنے چیف ایگزیکٹیو کی تصویر بھی دیکھی ہے جو کھڑے ہنس رہے تھے۔ اگر انصاف کے ساتھ منافع تقسیم کیا جاتا تو ایسا ہو ہی نہیں سکتا تھا۔ کسی کمپنی کی طرف سے یہ دھوکہ ہے کہ ایک فریق سے قربانی مانگی جائے اور اسے معاشرے کی خدمت کہا جائے۔ ہمارے محترم چیف ایگزیکٹیو نے سوشل ویلفیئر فاؤنڈیشن بنائی ہے اس کے ڈائریکٹروں کی فہرست ہمارے پاس ہے۔ ہمیں ان سے بہت امیدیں تھیں۔ مگر وہ امیدیں خاک میں مل گئیں۔ وہ لوگ ہمارے ذہنی اور معاشی پریشانی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ اگر وہ واقعی اچھے ہوتے تو کہتے کہ جو فنڈ ضرورت مندوں میں تقسیم کیے جا رہے ہیں وہ مزدوروں کو دیئے جائیں۔ دوسرے غریب لوگوں کے لیئے کسی اور فنڈ سے چندہ دیا جائے۔

مالک نمبر 5:۔ ذرا اس کی بات سنو، میں اسے کبھی معاف نہیں کروں گا۔

مالک نمبر 3:۔ مہربانی کر کے بیٹھ جایئے۔

مالک نمبر ایک :۔ اسٹیورڈ صاحب وہ نوٹ بک لایئے اور اجلاس برخواست کر دیجئے۔

مزدور نمبر ایک :۔ ہمارے مطالبات کا جواب کب ملے گا ؟۔

مالک نمبر ایک :۔ بھول جاؤ اسے، ہم ایسے لوگوں کو کچھ نہیں دیتے جو مایوسی پھیلاتے ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم نے جو ترقی کی ہے آپ اسے کیسے جھٹلا سکتے ہیں۔

مزدور نمبر ایک :۔ معاملہ یہ نہیں ہے۔ یہ ہم ہی تو ہیں جو کارخانے چلاتے ہیں۔ ہم تو یہ کہہ رہے ہیں کہ منافع میں ہم کو بھی حصے دار بنایا جایئے۔ ایک طرف معشیت ترقی کرے اور دوسری طرف ہم تکلیفیں اٹھائیں۔

مالک نمبر ایک :۔ وقت ہر مسئلہ حل کر دیتا ہے۔

مزدور نمبر ایک :۔ مزدوروں نے بہت انتظار کر لیا ہے۔

مالک نمبر 5:۔ ان لوگوں کو جیل میں ہونا چاہیئے۔

مالک نمبر 3:۔ خاموش ہو جایئے اور بیٹھ جایئے۔

مالک نمبر ایک :۔ نہیں وہ ٹھیک کہتا ہے۔ رات کی شفٹ اور تیسرے پہر کی شفٹ کے

لڑکے باہر اکٹھے ہو رہے ہیں۔ یہ لڑکے یونین کے ارکان کو بھی بھڑکائیں گے۔ یہ پہلے ہی قانون کی خلاف ورزی کر چکے ہیں۔

مزدور نمبر ایک :۔جی نہیں :۔وہ تو یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اندر کیا ہو رہا ہے۔ اور اگر کوئی حادثہ ہو گیا تو اس کی وجہ یہ ہوگی کہ ہم غلط کام کر رہے ہیں۔ مالک بالکل مختلف چیز ہیں۔ اگر ہم قانون کی ایک خلاف ورزی کرتے ہیں تو مالک بار بار خلاف ورزی کرتے ہیں۔

مالک نمبر ایک :۔دروازہ بند کر دو۔

مالک نمبر 2:۔مہربانی کر کے دروازہ بند کر دیجئے ان بچوں کو باہر نہ جانے دیجئے۔

باپ :۔تھوڑی دیر کے لیے یونگ ہو کو باہر نہ جانے دینا۔

ماں :۔اچھا۔

یونگ ہوئی :۔بڑے بھائی نے کیا غلط کام کیا ؟۔یہ تو دوسرے گھر کے لڑکے کا کام ہے۔

باپ:۔لڑکے نے کیا کیا ؟۔

یونگ ہوئی :۔وہ آپ کا مذاق اڑا رہا تھا۔

باپ:۔اس لڑکے نے ہتھوڑا مار کر کھڑکی نہیں توڑی ہے۔ اس نے کوئی غلطی نہیں کی۔ تمہارا باپ بونا ہے۔

اور تین دن میں باہر کھیلنے نہیں گئی۔ میں نے ماں کے ڈبے سے سوئی نکالی اور اس سے مچھلی پکڑنے کا کانٹا بنا لیا۔ میں نے اسے آگ پر گرم کیا اور ایک سرے کو صحیح طریقے سے موڑ لیا۔ پھر میں نے دھاگا لیا اور ان پر موم لگایا پھر کانٹے کے ساتھ باندھ دیا۔ جس دن ماں نے مجھے جانے کی اجازت دی تو میں جھاڑیوں میں گیا اور ایک پیڑ کی شاخ توڑ کر اس سے مچھلی پکڑنے کی چھڑی بنا لی۔ اس سال پھر خشک سالی ہو گئی تھی۔ میرے باپ ہر روز کام پر چلے جاتے۔ پانی کی سطح بہت ہی کم ہو گئی تھی۔ میں تالاب پر گیا اور مچھلیاں پکڑنے لگا۔ میں نے جو چھوٹی سی مچھلی پکڑی وہ اچھل کر اینٹوں کے بھٹے کے سائبان کے قریب چلی گئی۔ یہی وہ وقت تھا جب میں نے اپنے باپ کے منہ سے سنا کہ میں بونا ہوں۔ ماں پانی کے نل کے پاس جو دھونے سے پہلے باورچی خانے میں چلی گئی تھیں۔ اگر مجھے کچھ ہو گیا تو ماں بھی مر جائیں گی۔ اس رات میں بہت دیر سے گھر پہنچا اس رات پورے اونگانگ کی فضا پر گرد

چھائی ہوئی تھی۔اور سانس لینا مشکل ہو رہا تھا۔ ماں خاموش بیٹھی تھیں۔ پہلے انہوں نے مجھ سے یونگی کے بارے میں پوچھا پھر یونگ ہوئی کے بارے میں۔ وہ یونگ ہوئی سے پہلے بات کر چکی تھیں اور اب یونگی سے کہنا چاہتیں تھیں کہ گھر میں عورت کے روایتی فرائض کیا ہوتے ہیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ یونگی کی پریشانی کب ختم ہو گی۔ اس دن یونگی کا سفید لباس صاف نہیں رہ سکا تھا۔ یونگ ہوئی نے صرف یہ کہا کہ اس نے دو دن اور ایک رات کا روزہ رکھا۔ مناجاتیں پڑھیں اور گھر واپس آ گئی۔ میں اکیلا گھر آیا۔ میں نے پھر اس دنیا کے بارے میں سوچا جس کے لیے میرے باپ بے چین رہتے تھے۔ ایسی دنیا جہاں زیادہ دولت اکٹھی کرنے والوں کے بارے میں اعلان کر دیا جائے گا کہ انہیں دوسرے لوگوں سے محبت نہیں ہے۔اس دنیا میں محبت سے عاری لوگوں کے گھروں کے گرد دیواریں کھینچ دی جائیں گی۔ ان کی دھوپ روک دی جائے گی، ہوا کے راستے بند کر دیئے جائیں گے، ان کی بجلی کاٹ دی جائے گی اور ان کا پانی بھی بند کر دیا جائے گا۔ اس دنیا کے لوگ پیار محبت سے کام کریں گے اور پیار سے اپنے بچوں کی پرورش کریں گے۔ پیار محبت سے ہی بارش ہوگی، محبت سے ہی فسادات ختم ہوں گے، محبت سے ہی ہوا چلے گی اور پھولوں پر جا کر ٹھہر جائے گا۔ میرے باپ کا کہنا تھا کہ محبت سے عاری لوگوں کو سزا دینے کے لیے قانون بنایا جائے مگر بات میری سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ مگر اس رات میں نے اپنی رائے تبدیل کر لی۔ میرے باپ ٹھیک کہتے تھے۔

ہر آدمی گناہ کر رہا ہے کسی استثنا کے بغیر، اونگا نگ میں دیوتا بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

☆☆☆

کلائن بوٹل

اونگا نگ میں بہت نا بینا لوگ رہتے تھے۔ وہاں رہتے ہوئے مجھے ہر بات بہت عجیب لگتی تھی۔ ظاہر ہے وہ صنعتی علاقے میں نظر نہیں آتے تھے۔ ان کے بارے میں مجھے اس وقت معلوم ہوا جب میں شہر کے اندر رہائشی علاقوں میں گیا۔ ایک دن دس منٹ کے اندر میں نے پانچ نا بینا آدمی دیکھے۔ اگلے دس منٹ میں تین دیکھے اور اس اگلے دس منٹ میں دو اور اندھے دیکھے جو میرے پیروں کے قریب چھڑی کھٹ کھٹاتے جا رہے تھے۔ مجھے بڑی حیرت ہوئی دنیا میں ایسے شہر بھی ہوں گے جہاں آپ گھنٹوں سڑکوں پر گھومتے رہیں اور آپ کو ایک بھی اندھا آدمی نظر نہ آئے۔ میری سمجھ میں نہ آیا کہ اونگا نگ میں اتنے آدمی کیوں ہیں۔ اونگا نگ کے باشندے نہیں جانتے تھے کہ ان کے پاس اتنے بہت سے اندھے ہوں گے۔ اس لیے کبھی کبھی تو مجھے احساس ہوتا کہ اونگا نگ کے تمام باشندے ہی بینائی سے محروم ہیں۔ میں نے سوچا کہ صرف ایک طریقہ ہے کہ اندھے لوگ دنیا دیکھ سکیں اور وہ یہ ہے کہ

MashalBooks.org

انہیں بینا ئی مل جائے۔ میری ماں کا خیال اور تھا ان کا انحصار ان آنکھوں پر ہے جن سے آپ دنیا دیکھتے ہیں۔وہ ایک ایسے بوڑھے کو جانتی تھیں جو ایک آنکھ سے خوب دیکھ سکتا ہے۔ اور وہ ر روز لکڑیاں چیرنے والی فیکٹری جاتیں لکڑیاں لینے کے لیے۔ اس فیکٹری کو اونگا نگ کی ریجنل پورٹ اتھارٹی نے لائسنس دیا تھا۔ وہاں انڈونیشیا سے درآمد کی ہوئی لکڑیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ تالا ب کا پانی فیکٹری تک آجا تا تو لکڑیاں پانی میں تیرنے لگتیں۔ ایک آدمی انہیں پانی سے نکالتا تھا۔ اس علاقے کے لوگ ان لکڑیوں کی چھال اتارتے۔ لکڑی کے تنے انڈونیشیا کی دھوپ میں خوب لمبے ہو جاتے تھے۔ لوگ ان کی چھال اتارتے اور اپنے گھروں میں ایندھن کے طور پر استعمال کرتے۔ جو باقی چھال بچتی اسے فروخت کر دیتے۔ میری ماں اور ایک آنکھ والا آدمی مل کر چھال اتارتے تھے۔ وہ آدمی کاسٹنگ پلانٹ پر کام کرتا تھا اور وہیں اس کی آنکھ بھی ضائع ہوئی تھی۔تیس سال سے وہ دنیا کو ایک ہی آنکھ سے دیکھ رہا تھا۔ وہ آندھوں میں کانے راجہ سے مختلف تھا۔ کانا راجہ سمجھتا تھا کہ وہ دوسروں کے مقابلے میں ایک آنکھ سے زیادہ اچھا دیکھتا ہے۔لیکن جو دنیا وہ دیکھتا تھا وہ آدھی دنیا تھی۔ وہ جب تک ایک آنکھ پر بھروسہ کرتا رہا اور اس نے دنیا کو دوسرے انداز سے دیکھنے کی کوشش ہی نہ کی اس وقت تک وہ دنیا کے دوسرے آدھے حصے کے بارے میں کچھ بھی نہیں جان سکا۔ماں انڈونیشی لکڑی کے لٹھے کی چھال چھیل کر اپنی پیٹھ پر لادتیں اور پہاڑی کی چڑھائی چڑھتی ہوئی گھر لے آتیں۔ ایک آنکھ والا ان کے پیچھے پیچھے آتا پہلے وہ ان کے گھر پہنچتے۔ ایک آنکھ والے آدمی کے گھر چھال کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔اس دن ایک چرچ کے طلبہ ایک آنکھ والے آدمی کے گھر آئے۔ ایک طالب علم نے اس سے پوچھا ''،دادا جی آپ کا کیا خیال ہے، مستقبل میں آپ کی زندگی کیسی ہوگی ؟''۔ایک اورلڑکے نے چھ سوال کیے اور اس آدمی سے کہا کہ ان میں سے ایک منتخب کرلو۔

''بہت اچھی

''کچھ اچھی

''نہ اچھی نہ بری

''اس بھی بری

''بہت بری

''کوئی جواب نہیں

بوڑھے آدمی نے سادہ سا جواب دیا ''بہت اچھی۔'' مگر وہ زندگی مجھے دے دو۔''

طلبہ چھال کے دروازے کے پاس کھڑے ہو گئے۔ ان کے چہروں سے نظر آ رہا تھا کہ انہیں اس جواب کی توقع نہیں تھی۔

''میں عنقریب مر جاؤں گا'' ایک آنکھ والے نے کہا

''تمہارے باپ کی طرح اس بوڑھے آدمی کو بھی مرنے کے بعد ہی سکون ملے گا''۔ میری ماں نے کہا۔ ان طلبہ نے جب میری ماں سے بھی وہی سوال کئے تو انہوں نے کہا ''آئندہ ہماری زندگی بہت بری ہو گی۔'' ماں میری وجہ سے بہت پریشان رہتی تھیں۔ ان کا خیال تھا کہ میں ہاری ہوئی جنگ لڑ رہا ہوں۔ مجھے یہ اچھا نہیں لگتا تھا کہ میری ماں لکڑیاں لینے آرا مشین پر جائیں۔

''خدا کے لئے آپ وہاں جانا بند کر دیجئے۔'' میں نے کہا ''آپ کے آرا مشین پر جانے سے ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔ لکڑی کی چھال ہماری مدد کیسے کر سکتی ہے؟''۔

''میں تمہارے لئے ہی یہ کرتی ہوں'۔ ماں نے بھیگی ہوئی چھال دھوپ میں ڈالتے ہوئے کہا۔'' میں اس وقت کے لیے انتظام کر رہی ہوں جب تم یہاں نہیں ہو گے۔''

''کیا میں کہیں چلا جاؤں گا؟''۔

''تم ہمیشہ گھر سے جانے کی سوچتے رہتے ہو۔''

''مگر میں تو کہیں نہیں جا رہا ہوں۔''

''تم اس سے بیزار ہو جاؤ گے۔''

'کس سے؟''۔

''اچھا ختم کرو یہ باتیں۔'' ماں نے پیٹھ موڑ لی۔'' اس کے بارے میں کیا خیال ہے جو تم آٹھ دس دن گھر سے باہر رہے تھے؟۔ اب یہ کہنا کہ تم بھول گئے۔''

''آپ جانتی ہیں میں یونین کے کام سے گیا تھا۔''

''ایک ہی بات ہے، تم وہاں مار کھاتے ہو اور خونم خون گھر آتے ہو، تم ہمیں چھوڑ جاؤ گے اور اپنی ان بیہودہ سرگرمیوں میں لگے رہو گے۔ تم ہمارے لئے پریشانیاں ہی چھوڑ جاؤ گے۔''

MashalBooks.org

''فکر کی کوئی بات نہیں ہے''۔میں نے کہا'' کچھ نہیں ہوگا۔

''بہانہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔''ماں جانتی تھیں ''ابھی تو یہ کام شروع ہوا ہے''۔انہوں نے یہ کہا اور چھال سوکھنے کیلیے پھیلا دی۔''تم جو بھی کرنے لگے ہو اس کی ابتدا ہے۔ میں نہیں جانتی یہ ہے کیا۔تم کیا کرنے والے ہو اور کس کے لیے یہ سب کر رہے ہو۔''

''میرے اندر دوسروں کے لئے کام کرنے کی طاقت نہیں ہے۔''

''تم مجھے بے وقوف نہیں بنا سکتے۔''

''اگر آپ جانتی ہیں تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہی ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''ماں کھڑی ہوگئیں۔''ہم سے غلطی ہوگئی ہمیں اونگا نگ نہیں آنا چاہیئے تھا۔ہر رات میں تمہارے باپ کو خواب میں دیکھتی ہوں۔''

''اچھا۔۔۔تو آپ کو برے خواب آتے ہیں''میرے باپ نے کیا کہا تھا۔''تم سب برے خواب دیکھتے ہو۔تم سب''۔

''مگر وہ اچھے خواب ہوتے ہیں۔''یونگ ہو بولا۔''میں ہر طرف اڑتا پھر رہا ہوں۔ اڑتے اڑتے دریا کے پار چلا جاتا ہوں۔''

''تم بڑے ہو رہے ہو۔''میں نے کہا''اسی لئے خواب آتے ہیں۔''

میرے باپ نے میرے سر پر ہاتھ رکھا''ان بچوں کو دیکھو۔''انہوں نے دروازے کے باہر اشارہ کیا۔ پڑوس کے بچے گندے نالے کے قریب بیٹھے تھے اور مٹی کھا رہے تھے۔ یونگ ہوئی انہیں دیکھ رہی تھی اور کچے چاول کھا رہی تھی۔

''میں بھی مٹی کھاتا تھا؟''۔میں نے پوچھا

''میں نہیں کھاتا تھا۔''یونگ ہو بولا۔

''تم کھاتے تھے''یونگ ہوئی نے کہا اور کچے چاول منہ میں رکھ لیے''جن بچوں کے پیٹ میں کیڑے ہوتے ہیں وہ مٹی کھاتے ہیں۔''

''تمہارا مطلب ہے گینڈوے؟''۔

''ہاں۔''

''یونگ ہوئی، کچے چاول نہ کھاؤ''ماں نے کہا۔

''مجھے اچھے لگتے ہیں۔''

MashalBooks.org

''تم خوب پیسے کمانے لگو تو گوشت لایا کرنا۔ انہیں پورا کھانا نہیں ملتا اس لئے وہ کچے چاول کھاتے رہتے ہیں۔''

''اچھا، اچھا۔''

''میرے باپ گھر سے باہر چلے گئے۔ وہ دو چھریاں ایک دوسری کے اوپر ایسے رگڑتے ہوئے دور چلے گئے جیسے ان کی دھار تیز کر رہے ہوں'۔

تمہارے باپ نے غلطی کی۔ کی نا ؟'' ماں نے کہا ''ہمیں کسی گاؤں میں جانا چاہیئے تھا۔ کسی بھی گاؤں۔ پھر تمہارے باپ نہ مرتے۔''

''وہ وہاں کیا کرتے ؟''۔

''کاشت کاری کرتے''۔

''کیا ہمارے پاس زمین ہے؟''۔

''کسی اور کی زمین پر کام کرتے۔ یہاں سے تو اچھا ہی ہوتا۔'' باقی چھال پھیلا کر وہ میری طرف مڑیں۔ ''تم کارخانے کے کام پر دل کیوں نہیں لگاتے۔'' ان کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔ ''آخر تم کرنا کیا چاہتے ہو، تم اپنا کام کیوں نہیں کرتے۔''

''ماں'' میں نے کہا۔ ''میں انسانوں کی طرح زندہ رہنا چاہتا ہوں۔''

''یہ تم سے کس نے کہا کہ انسانوں کی طرح زندہ رہو''۔

''ایسے لوگ ہیں جو ہمارے راستے میں روڑے اٹکاتے ہیں۔ دوسرے بچے یہ نہیں سمجھتے۔''

''لوگ جو کر رہے ہیں انہیں کرنے دو اور جو بچے نہیں سمجھتے ہیں وہ ان کا کام ہے۔''

''اگر تم نے میری بات نہ سنی تو تمہارے ساتھ بہت برا ہو گا۔ تم جرم کرو گے اور عدالت میں جاؤ گے پھر تمہیں قید ہو جائے گی۔ اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہاری ماں اور تمہارے بہن بھائی جیل کی دیواروں سے سر ٹکرائیں تو تم اپنے آپ کو ٹھیک کر لو۔''

میں چھجے پر چلا گیا ماں چھال سکھانے کے لیے اسے دھوپ میں پھیلا رہی تھی۔ سمندر میں جوار بھاٹا کا دورانیہ بارہ گھنٹے پچیس منٹ تھا۔ ماں شاید یہ نہیں جانتی تھیں کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے سے یہ جوار بھاٹا پیدا ہوتا ہے۔ جب بھی کوئی جہاز بندرگاہ پر آتا ہماری ماں عمارتی لکڑی کے گودام میں پہنچ جاتیں۔ سمندر میں جب لہریں بلند ہوتیں تو فالتو لکڑی پانی پر

تیرنے لگتی۔ جیسے دوسری چیزیں تیرتیں۔ ماں کو یہ خوف تھا کہ ان کا بڑا بیٹا اونگا نگ میں ان سے بچھڑ جائے گا۔اونگا نگ شہر بہت بڑا تھا اور اس کی گلیاں اور سڑکیں بہت پیچ دار تھیں۔ یونگ ہوئی کہتی تھی کہ اونگا نگ شہر صرف خطرناک ہی نہیں بلکہ یہ جرائم کا بھی گڑھ ہے۔ ایک آنکھ والے آدمی نے جو لکڑی کی چھالوں سے دیوار بنائی تھی اس کے ساتھ ہی پولیس کو مطلوب اشتہاری مجرموں کے لیے پوسٹر بھی لگے ہوئے تھے۔ ان مجرموں پر قتل، اقدام قتل، ڈاکے عصمت دری، جعل سازی، دھوکے بازی، رشوت خوری، اور دوسرے الزام تھے۔ لیکن جن مجرموں کو میں جانتا تھا ان کا کہیں نام نہیں تھا۔ ان میں سے بعض مجرموں کے نام پر مہر لگی ہوئی تھی۔ ''گرفتار کر لیا گیا۔'' قانون توڑنے والے بڑے لوگ ہم سے دور کہیں اور ہی رہتے تھے۔

میری ماں کے لیے سب سے ہولناک بات یہ تھی کہ ان اشتہاری مجرموں میں میرا نام بھی آ گیا تھا۔ اونگا نگ پلانٹ کے مالکوں نے ان میں میرا نام بھی شامل کر دیا تھا۔ الزام تھا یونین کی سرگرمیوں میں حصہ لینا۔ میں چھوٹا شیطان تھا۔ جس آدمی کو وہ سب سے زیادہ نا پسند کرتے تھے وہ مزدوروں کے چرچ کا پادری تھا۔ وہ ان لوگوں کو پسند نہیں کرتے تھے جو پیار محبت اور ہمدردی کی بات کرتے تھے۔ مجھے پادری ولی اللہ معلوم ہوتا تھا۔ میں جب بھی اسے دیکھتا مجھے ولی اللہ کا خیال آ جاتا۔ مگر میرے لیے اسے سمجھنا بہت مشکل تھا۔ میرا خیال تھا کہ اگر ہم اچھے کام کریں تو ہمیں نجات مل سکتی ہے۔ یہ بات میں نے اس کے سامنے کہی تو صرف مسکرا دیا۔ اس کے سامنے میں ہمیشہ کم عمر طالب علم ہی رہتا تھا۔ سوائے جسمانی کمزوری کے پادری بہت ہی علم و عقل والا آدمی تھا۔ سیاست، فلسفہ۔ تاریخ، سائنس، معاشرہ اور مزدوروں کے بارے میں کوئی بات بھی ایسی نہیں تھی جو وہ نہ جانتا ہو۔ وہ دولت کو اس پانی سے تشبیہ دیتا تھا جو ایک چشمے میں پھوٹ رہا ہے اور وہ چشمہ ہے صنعتی پیداوار، اس پانی کو ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جاتے رہنا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ ایک ہی جگہ اکٹھا ہوتا رہے گا اور پھر اس میں بدبو، پیدا ہو جائے گی۔ یہ بات کسی نے سنی تو کہا کہ انسانی تاریخ میں ایسا ہی ہوتا رہا ہے۔ اس پر پادری نے اپنا گلاس ماتھے سے لگایا اور کہا، ''آپ لوگوں کو یاد رکھنا چاہیئے کہ دولت پیدا کرنے والے آپ ہیں۔ اصل معاملہ یہ ہے'' یہ بات معاشرتی علوم کے سلسلے میں کہی گئی تھی۔ ''میں نے آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو انتھک محنت کرتے

دیکھا ہے،''ایک دن پادری نے کہا ''میں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا'' جو دولت وصول کرے اور اسے صحیح طریقے سے بھی تقسیم کرے۔''انہی باتوں نے میرے دماغ میں ایک انجن چلا دیا تھا۔

انہوں نے تعلیم دینے کے لیے چھ مہینے کا جو پروگرام شروع کیا تھا میں نے اس سے بہت سیکھا، ،میں نے صنعتی سوسائٹی کے بارے میں سیکھا، انسانی معاشرتی نظام کے بارے میں سیکھا، تاریخ اور مزدور تحریک کے بارے میں سیکھا، مزدور اور انتظامیہ کی نئی صورت حال اور مزدور قوانین کے بارے میں سیکھا، میں نے سیاست، معیشت، تاریخ، مذہب اور ٹیکنا لوجی کے بارے میں سیکھا، ہم چودہ طلبہ اور طالبات تھے جو ہر سینچر کی سہہ پہر کو اکٹھے ہوتے۔ اکٹھے کھانا کھاتے، سوتے اور اتوار کی شام تک پڑھتے۔ ہم لوہے، فولاد، کیمیکل، الیکٹرانک، ملنگ، ٹیکسٹائل، ریلوے کے ڈبے، ایلومونیم، موٹر کار، شیشے، جہازسازی اور کپڑے کے کارخانوں کے دوسرے کئی شعبوں سے تعلق رکھتے تھے۔ہمارے درمیان ایک ہی چیز مشترک تھی جس نے ہمیں اکٹھا کر دیا تھا۔ ہم نے آنسو بھرے کھانے کھائے تھے ہم یہ گانا گاتے۔

جب میں بھوک سے بلک رہا تھا تو کیا تم وہاں تھے؟
جب میں کھانا مانگ رہا تھا تو کیا تم وہاں تھے؟
جب میں پیاس سے بے حال ہو رہا تھا تو کیا تم وہاں تھے؟
جب میں بیمار ہوا تو کیا تم وہاں تھے؟
جب مجھے توجہ کی ضرورت تھی تو کیا تم وہاں تھے؟
اور اپنے شعبوں کی طرف جانے سے پہلے ہم یہ گانا گاتے
اکٹھے منائیں گے ہم غم اور خوشی اکٹھے سہیں گے امید اور بیم

پادری نے کہا کہ اگر کارخانوں کے پیداواری نظام میں انسان دشمن عناصر ہیں تو ہمارا کام یہ ہے کہ ہم ان کی نشان دہی کریں۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہماری غلطی ہو گی۔ وہ ہمیں ایک ایسی نسل قرار دیتے تھے جسے نئے ماحول میں قربانی کے لیے مجبور کر دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ہماری خاموشی ہمارے حقوق کو نقصان پہنچا رہی ہے۔ چنانچہ ہم چودہ کے چودہ کارخانے پہنچ گئے اور اپنے آپ کو ایک مشکل کام کے لیے وقف کر دیا۔ ان میں

سے چھ یونین بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ بہت بعد میں مجھے احساس ہوا کہ ایک اعتبار سے وہ پادری بہت پرانے خیال کا انسان تھا۔ وہ ایسا آدمی تھا جو ایک لمحے کے لیے بھی اپنے خدا کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔ ہماری تعلیم کے سلسلے میں پادری نے ایک سائنس پڑھانے والے کا انتظام بھی کر لیا۔ ہر اتوار کی سہ پہر کو وہ آدمی آتا اور ہم سے ٹیکنالوجی کے بارے میں باتیں کرتا۔ اب مجھے اندازہ ہوا کہ ایک بالکل ہی غیر ہنر مند کاریگر کئی مشینیں چلا رہا تھا۔ وہ خود ایک ورکشاپ چلاتا تھا۔ بہت ہی چھوٹی ورکشاپ۔ اسے وہ ٹول شاپ کہتا تھا۔ اس ورکشاپ میں آٹومیٹک لیتھ، ٹول لیتھ۔ پیچ کاٹنے والی لیتھ، گھسنے والی مشین، ڈرلنگ مشین، ملنگ مشین اور چھوٹی سی کٹھالی تھی۔ وہاں ایک وقت میں دس آدمی ہی کام کر سکتے تھے۔ وہاں مختلف قسم کے پیچ بنائے جاتے تھے۔ قریب قریب تمام اوزار امریکہ سے برآمد کئے جاتے تھے۔ اس کے اوزار چاند پر جانے والے خلائی جہازوں، موسمی راکٹوں، ریموٹ کنٹرول راکٹ اور کمپیوٹر وغیرہ میں استعمال کیے جاتے تھے۔ لیکن وہ جو کام کرتا تھا وہ اس پر شرمندہ تھا۔ اس کا خواب تھا کہ وہ سائنس دان بنے۔ ''میرے حالات نے مجھے سائنس دان بننے نہیں دیا۔ اس نے کہا۔ اس کی دھیمی آواز میں ہمیشہ ایک کھنک ہوتی تھی۔ وہ اداس رہتا تھا۔ اس کی آواز اسے ناکامی کی طرف لے جاتی تھی۔ شروع میں کوئی بھی اس کی بات پر اعتبار نہ کرتا۔ اس کے خیال میں مشینوں کی ترقی نے ہنر مند کاریگروں سے ان کا روزگار چھین لیا ہے۔ اور نوجوان غیر کاریگروں سے کارخانے بھر گئے ہیں جو کم تنخواہ پر زیادہ دیر کام کرتے ہیں۔ چنانچہ کارخانے اور ان کے ساتھ ابھرنے والی جھونپڑیوں میں ایسے لوگوں کی تعداد بڑھتی جارہی ہے۔ وہ اپنی کھنک دار آواز میں وہ باتیں کر رہا تھا جو ہم پہلے سے جانتے تھے۔ البتہ اس کی یہ بات ہمارے دل کو لگی کہ مزدوروں کا نقصان مالکوں کا فائدہ ہے۔ اس نے کہا کہ دولت بڑھنے کا تعلق تنخواہ پانے والے مزدوروں کی تعداد کے اضافہ کے ساتھ ہے۔ اب ہمیں اس کی باتوں پر یقین آیا۔

تعلیمی پروگرام کے خاتمے پر ہم سیر کرنے ساحل پر گئے تو اسے بھی مدعو کر لیا۔ ہم اپنے ساتھ کھانے پینے کا سامان لے گئے تھے۔ آلودہ ساحل پر ہم نے کھایا پیا اور خوب گانے گائے۔ ہم پانی میں چھلانگ لگاتے تو ہمارے بدن پر چکنائی لگ جاتی۔ میں لہریں چیرتا ہو آگے جانے لگا تو اس نے مجھے واپس آنے کا اشارہ کیا۔ میں تیرتا ہوا ایک سوفٹ تک گیا

اور واپس آ گیا۔ میرا سارا جسم پانی میں بہنے والے گندے تیل سے بھر گیا تھا۔ پادری نے تولیہ سے مجھے صاف کیا تو سفید تولیہ کالا ہو گیا۔ میں ریت پر بیٹھ گیا اور الٹی کرنے لگا۔ سائنس والے آدمی نے لکڑی کی ایک کشتی لی اور اسے کھینچتا ہوا دور تک پانی میں لے گیا۔ اس نے سفید ٹکیہ لی اور اسے پانی کی سطح پر رکھا اور اندازہ لگایا کہ وہ کتنی گہرائی تک دیکھ سکتا ہے۔ وہ جگہ ماہی گیری کے لیے استعمال ہوتی رہی تھی۔ ایک مقام پر گہرائی 59 فٹ تھی۔ مگر شفافیت صرف 9 فٹ تھی۔ سائنس والے آدمی نے چچ چچ کر کے افسوس ظاہر کیا۔ ہم نے اس گندے سمندر کے قریب رات گزاری۔ میں رات بھر نا انصافی کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے نیند نہیں آئی۔ اس دن یونگ ہوئی کی رات کی شفٹ پر تھی۔ یونگ ہوئی ویونگ مشینوں کے درمیان دوڑی پھر رہی تھی اور یونگ ہو پالش کرنے والی مشینوں پر کام کر رہا تھا۔ اس رات ماں بہت فکر مند تھیں۔ میں سب سے بڑا تھا مگر کوئی کام نہیں کرتا تھا۔ میں کمائی تو کر رہا تھا مگر خود ہی خرچ کر دیتا تھا۔

''مجھے افسوس ہے'' میں نے کہا ''مجھے ہمدردی ہے یونگ ہوئی اور یونگ ہو سے۔''

اور پھر میری بہن اور بھائی بول پڑے۔

''فکر نہ کرو بھائی۔''

ماں بالکل مختلف تھیں۔ ''میں تو چاہتی ہوں کہ تم اپنے کارخانے کے کام پر توجہ دو'' ہمیشہ وہ یہی کہتی تھیں۔ ''خدا جانے وہ دن کب آئے گا مگر کیا وہ دن کبھی نہیں آئے گا جب ہم آرام سے زندگی گزاریں۔''

''آپ ٹھیک کہتی ہیں۔'' میں نے کہا ''ہم سب بوڑھے ہو جائیں گے اور مر جائیں گے۔''

''نہیں۔'' ماں نے دھیرے سے کہا ''تم نہیں۔ تمہارے باپ نے قدرتی زندگی نہیں گزاری''۔

اگر میں نے ماں کی بات مانی ہوتی تو میں اونگانگ ٹیکسٹائل میں اسسٹنٹ مکینک سے ترقی کر کے مکینک بن گیا ہوتا۔ میری تنخواہ بھی بڑھ گئی ہوتی۔ مگر میں وہ بیٹا نہیں بن سکا جو ماں چاہتی تھیں۔ میں نے خود ہی دوسرا راستہ اختیار کیا۔ مزدوروں کے چرچ میں تعلیمی پروگرام مکمل کرنے کے بعد میں نے مزدوروں کے امور سے متعلق ادارے میں داخلہ لے

MashalBooks.org

لیا۔ یہ ادارہ اونگا نگ یونیورسٹی کے ساتھ منسلک تھا۔ وہاں تین ہفتے کا کورس کرنے کے لیے ٹیکسٹائل کے مکنیکل شعبے میں تین ہفتے مسلسل رات کی شفٹ پر کام کرنا ضروری تھا۔ میں بہت ہی کمزور ہو گیا۔ کھانا بہت برا ہوتا تھا مگر میں وقت پر کھاتا بھی نہیں تھا اور میری نیند بھی پوری نہیں ہوتی تھی۔ انہی دنوں میں نے سنا کہ ملک کے جنوبی حصے کے صنعتی ادارے کا ایک آدمی مجھ سے ملنے آرہا ہے۔ پادری نے اس کے متعلق بتایا اور میں نے اس کے بارے میں دوسری باتیں بھی سنیں۔ اس نے کئی کارخانوں میں کام کیا تھا اور یونین سازی کا ایسا ماہر تھا کہ جہاں بھی جاتا وہاں مزدوروں کی یونین بن جاتی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مزدور کام بند کر دیتے۔ کارخانہ بند ہو جاتا اور مالکوں کا منافع ختم ہو جاتا اور پھر انہیں مزدوروں کے ساتھ اپنا منافع تقسیم کرنے پر مجبور ہونا پڑتا۔ میں نے سنا تھا کہ اس کے جسم پر جگہ جگہ زخموں کے نشان ہیں اور جیسا کہ ایسے آدمیوں کی عادت ہوتی ہے آہستہ آہستہ بولتا ہے اور مزدوروں کی مشکلا ت فوراً سمجھ جاتا ہے۔ میں نے تمام باتوں پر اعتبار تو نہیں کیا مگر میں جان گیا تھا کہ اس نے بہت ہی مشکلات دیکھی ہیں اور اپنے مفاد کی بجائے دوسروں کے فائدے کے لیے کام کیا ہے۔ جب مجھے اطلاع ملی کہ وہ مزدوروں کے چرچ میں آ گیا ہے اور میرا انتظار کر رہا ہے تو میں ادھر بھا گا۔ وہ چی سوپ تھا مجھے حیرت نہیں ہوئی۔ ماں نے اسے دیکھا تو کچھ نہ بولیں۔ انہوں نے اپنا دامن اٹھایا اور آنکھیں پونچھیں۔ انہیں ہمارے باپ یاد آ گئے تھے۔ یونگ ہوئی اور یونگ ہو کو بھی باپ یاد آ گئے تھے۔ ہمیں سیول میں گزارے ہوئے اپنے آخری دن یاد آئے تھے۔

''مرنا آسان ہے جینا مشکل۔'' ماں نے کہا'' مگر اس کے لیے میں نے بچوں کے باپ کو کبھی پریشان نہیں کیا۔''

''ٹھیک کہتی ہو۔'' چی سوپ بولا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے زخم کے نشان تھے۔ اس کی ناک بھی تھوڑی ٹوٹی ہوئی لگتی تھی۔ اس نے اپنے دائیں ہاتھ سے بایاں ہاتھ چھپایا ہوا تھا۔ جس کی کئی انگلیاں کٹی ہوئی تھیں۔ اس کے لیے ماں بازار گئیں اور گوشت لائیں۔ اس گوشت میں سے کچھ تو بھون لیا اور باقی سوپ بنا لیا۔ یونگ ہوئی نے چولہے میں لکڑی کی چھال رکھی اور اسے آگ لگائی۔ ہمارا گھر دھویں سے بھر گیا۔ ماں نے دہکتے ہوئے کوئلے وہاں سے اٹھائے اور دوسرے چولہے پر رکھ کر گوشت بھونا۔ یہ پہلی بار تھی کہ ہم نے

اونگا نگ آنے کے بعد پیٹ بھر کر مزیدار کھانا کھایا تھا۔ ہمارے چاول کے ساتھ جو بھی نہیں ملائے گئے تھے۔ یہ منظر بالکل سیول والا تھا۔ چی سوپ نے چاول سوپ میں ڈالے اور ماں نے بھُنے ہوئے گوشت کی بوٹی ان کے چاولوں والے پیالے میں ڈالی۔ ماں نے بتایا کہ انہوں نے تھوڑا سا گوشت پکایا ہے۔ انہیں ڈر تھا کہ کہیں اس کی خوشبو نہ پھیل جائے اور وہی ہوا جب وہ گوشت بھون رہی تھیں تو خوشبو باہر تک پھیل گئی اور گلی کے بچے اپنا کھیل چھوڑ کر وہاں اکٹھے ہو گئے۔ چی سوپ نے گوشت کی بوٹی یونگ ہو کے پیالے میں ڈال دی پہلے تو یونگ ہو نے انکار کیا مگر پھر بوٹی لے لی۔ یونگ ہوئی وہاں سے اٹھی، باورچی خانے میں گئی اور وہاں سے چاولوں کی پیچ لے آئی۔ اس کا چہرا ستا ہوا تھا۔ اس کی ڈیوٹی ہر ہفتے بدل جاتی تھی۔ دوسرے مزدور بھی ایسے ہی کام کرتے تھے۔ کیونکہ کارخانہ چوبیس گھنٹے چلتا تھا۔ وہ وہاں کھڑی تھی، ہم سب سے چھوٹی، جس سے ہمارے باپ سب سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ میں نے اس کے چہرے کے پیچھے کارخانے کا گہرا آسمان دیکھا۔ ہمارے باپ یونگ ہو کو ہمیشہ اپنی پیٹھ پر اٹھانے کی کوشش کرتے تھے مگر وہ ان سے بھاگتی تھی۔

''نہیں، دن میں نہیں۔'' وہ کہتی۔ ''بچے میرا مذاق اڑائیں گے مجھے اچھا نہیں لگتا۔'' اس وقت وہ چھوٹی سی تھی

''وہ مذاق کیوں اڑائیں گے؟''۔ ماں کہتیں۔

''مجھے دیکھیں گے نا''۔

''دیکھو دیکھو۔'' بچے کہتے ''بونا اپنے سے بڑی لڑکی کو پیٹھ پر اٹھائے لیے جا رہا ہے۔''

یونگ ہوئی صرف رات کو باپ کی پیٹھ پر بیٹھتی تھی۔ ہم گھر میں بیٹھے گلی کے بچوں کے قہقہے سنتے تھے۔ ہمارے باپ یونگ ہوئی کو پیٹھ پر لادے ہوئے تالاب پر بنا ہوا لکڑی کا پل پار کر کے آتے۔ یونگ ہوئی زور زور سے ہنستی۔ ان کے گھر آنے سے پہلے ہی وہ ہنسی ہمارے گھر پہنچ جاتی تھی۔

''تمہیں شادی کر لینا چاہئے'' ماں نے کہا ''اس کے بغیر زندگی نہیں بنتی۔''

''مجھے کوئی امید نہیں ہے۔'' چی سوپ نے قہقہہ لگایا۔ ''میں تو ساری زندگی اسی طرح آوارہ گردی کرتا پھروں گا۔''

''ایسی باتیں نہ کرو۔ یونگ ہوئی سن رہی ہے۔''

''اس میں خرابی کیا ہے؟''۔

''میں تو اپنے بیٹوں سے مایوس ہوگئی ہوں۔''

''یونگ ہوئی اور یونگ ہو نے ماں کے ہاتھ پکڑ لیے۔

''کیا کر رہے ہو؟ چھوڑو مجھے۔''

''چھوڑ دو'' ہمارے باپ نے کہا تھا۔''میرے ہاتھ چھوڑ دو تم اپنے باپ کو روکنے کے لئے زبردستی کرتے ہو''

''باہر ابھی بہت ٹھنڈ ہے۔''

''بچے میری بات بھی نہیں سمجھتے ؟''ماں بولیں''میں تو اکیلی رہ گئی ہوں۔''

''کیوں؟''۔چی سوپ پھر ہنسا

''یہاں رکھ دو۔'' میرے باپ نے کہا وہ گندے نالے کے کنارے کھڑے تھے برف پگھلنا شروع ہوگئی تھی۔ میں نے کشتی باہر کی طرف دھکیلی۔ میرے باپ نے سارے جاڑے گھر پر گزارے تھے۔ انہوں نے مجھے چھوٹی سی کشتی پر بٹھایا اور دریا کے اندر لے گئے۔ برف کے ٹکڑے کشتی سے ٹکراتے اور ہماری کشتی ایک طرف ہوتی۔

''بچوں کا باپ کوئی غیر نہیں ہے۔''ماں نے کہا۔''ہم نے لاش جلا دی تھی۔ مٹھی بھر جو راکھ ملی تھی وہ پانی پر پھینک دی تھی۔''

''آپ کو سردی تو نہیں لگ رہی ہے؟''۔

''میں ٹھیک ہوں۔''میرے باپ نے چپو اٹھا لیے تھے۔''تم میرے سب سے بڑے بیٹے ہو۔اس لئے میں تم سے بات کر رہا ہوں۔تمہاری ماں نہ سنیں یہ بات۔''

''کیا بات ہے؟''۔

''ابھی بتاتا ہوں۔''میرے باپ نے گھر کی طرف دیکھا جو دور ہوتا جا رہا تھا۔

''میرا خیال ہے میں زیادہ دن زندہ نہیں رہوں گا۔''انہوں نے بہت ہی دھیمی آواز میں کہا۔''تم سب سے بڑے ہو اس لئے میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔''

''آخر کیوں؟''۔اس ہولناک خیال سے میں لرز گیا۔

''کیوں؟تم مجھ سے سوال کر رہے ہو؟''۔

MashalBooks.org

''جی'۔آپ مرنے کے بارے میں کیوں سوچ رہے ہیں؟''۔

''تم تینوں بچوں اور تمہاری ماں کی وجہ سے اور اس گھر کی وجہ سے۔''

''کبھی تو میں سوچتی ہوں کہ میں زندہ نہیں رہوں گی'' ماں نے کہا۔''مگر زندہ لوگ جئے ہی چلے جاتے ہیں۔''

''مگر ہم نے کیا غلطی کی ہے بابا؟''

''یہ تمہاری غلطی کا قصہ نہیں ہے۔''

''پھر؟''۔

''تم سمجھتے نہیں؟۔

''میں سمجھتا ہوں۔''میں نے کہا۔''مگر کیا آپ کے مرنے سے تمام مسئلے حل ہو جائیں گے؟''۔

''میں تمہارے اوپر بوجھ بننا نہیں چاہتا۔''

''آپ ایسا کیوں سمجھتے ہیں۔اگر آپ نے اپنے آپ کو مارا تو لوگ آپ کو بزدل کہیں گے''۔

''مگر میں کچھ نہیں کر سکتا۔''میرے باپ نے کہا۔''اگر تم میرا ساتھ دو تو میں مرنے کا نہیں سوچوں گا۔''

''بہت اچھا، ایسا ہی ہو گا، یہ کہہ کر میں ان کے اور قریب چلا گیا۔

''میں تم سے دور جانے کا سوچ رہا تھا۔کچھ دن کے لیئے''میرے باپ نے کہا

''وہ کبڑا شخص یاد ہے جو مجھ سے ملنے آیا تھا؟۔میں اس کے ساتھ کام کروں گا۔اب یہی ایک راستہ ہے۔اس کا ایک دوست ہے جو لولا ہے تم نے اسے دیکھا ہو گا۔اس کے دونوں پاؤں ٹیڑھے ہیں۔وہاں ایک بازی گر ہے جو نٹ کے تماشے کرتا ہے۔اس نے کہا ہے کہ وہ ہماری مدد کرے گا۔اس کے پاس بھی بہت دولت ہے۔اس کے پاس ایک دو کاریں بھی ہیں۔وہ دوائیں بھی بیچتا ہے۔کونسی ایسی جگہ ہے جہاں وہ نہیں گیا ہے۔وہ ہمیں اپنا حصہ دار بنا لے گا اور جو بھی کمائے گا سب میں تقسیم کرے گا۔میرے لیئے یہ آخری موقع ہے۔چند دن میں ہمارا گھر توڑ دیا جائے گا اور تم اسکول جانے کے بجائے کارخانے میں کام

کرنے چلے جاؤ گے۔ مجھے تو ایک دن بھی سکون نہیں ملے گا۔اور کوئی امید نہیں ہے۔میں تھک چکا ہوں۔ زندہ رہنے کے لیئے کچھ تو کرنا ہی پڑے گا۔''

''مگر آپ کبڑے تو نہیں ہیں اور آپ کے پاؤں بھی ٹھیک ہیں''۔

''ہاں'' وہ بولے۔''مگر میں تھک گیا ہوں۔''

''اب شاید انہیں سکون مل گیا ہے۔'' ماں نے دھیرے سے کہا۔

''خدا آپ کو لمبی عمر دے ماما'' چی سوپ بولا۔'' مجھے یقین ہے کہ آپ کے بچے آپ کی پوری دیکھ بھال کریں گے۔''

''کیا کبھی ایسا دن آئے گا؟''۔

''بالکل آئے گا۔''

''مجھے اعتبار نہیں، یقین نہیں آتا۔''

''میرے باپ گہرے پانی کی طرف کشتی لے گئے، کشتی سے برف کے جو ٹکڑے ادھر ادھر ہو گئے تھے وہ ایسے لگ رہے تھے جیسے شیشے کی کرچیاں پڑی ہوں۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ پانی کتنا گہرا ہے۔ ہوا ابھی تک ٹھنڈی تھی۔

''آپ کو ماں سے مشوارہ کرنا چاہیئے۔''میں نے کہا''اور مہربانی سے یونگ ہوئی اور یونگ ہو سے بھی بات کر لیجئے۔''

''ایسے تو گڑ بڑ ہو جائے گی۔''

''اگر ماں یونگ ہو اور یونگ ہوئی نے اعتراض نہ کیا تو میں خاموش رہوں گا۔ میں نہیں بتاؤں گا کہ آپ کیسے کپڑے پہنیں گے اور کبڑے اور لولے لنگڑے کے ساتھ مل کر کیسے کام کریں گے۔مگر آپ یہ سوچ لیجئے کہ وہ دوائیاں بیچنے والا آپ سے کیا چاہتا ہے۔ کیا وہ آپ کو بھی کبڑے اور لولے لنگڑے کے ساتھ نٹ کے تماشے پر لگانا چاہتا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ وہ آپ تینوں سے
فائدہ اٹھانا چاہتا ہے''

''بس بس۔''میرے باپ نے چپو رکھ دیئے۔''مجھے تکلیف ہوتی ہے۔تمہیں یہ احساس کرنا چاہیے کہ مجھے دکھ ہوتا ہے۔''

انہوں نے دوسرے کنارے پر کشتی کھڑی کردی۔ میں کشتی میں ہی بیٹھا رہا اور وہ کنارے پر پڑی سوکھی گھاس پر اتر گئے۔ کئی قدم آگے جا کر وہ بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے اپنا سر جھکایا اور اٹھے ہوئے گھٹنوں پر رکھ لیا۔ مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے چاقو کے نیلے فولادی پھل نے انہیں زخمی کر دیا ہے۔ان کے جسم سے خون نکل رہا ہے اور کوئی چیز، جسے میں پہچان نہیں پا رہا تھا وہ ان کے زخموں پر نمک چھڑک رہی ہے۔سیول کے دنوں سے ہی مجھے ایسے خیال آتے تھے اور پھر میں اداس ہو جاتا تھا۔ یہ میری بدنصیبی تھی کی میں ایک بونے آدمی کے گھر پیدا ہوا تھا اور بچوں میں سب سے بڑا تھا اور مجھے اپنی مرضی سے جینے کا کبھی موقع نہیں ملا تھا۔ ہاں، میں جن حالات میں پیدا ہوا، پلا بڑھا اور جس قسم کے تجربے حاصل کئے ان کی وجہ سے میں چی سوپ کو سمجھ سکتا تھا۔ اگرچہ اونگا نگ آنے کے بعد چی سوپ سے پادری اور سائنس والے آدمی سے ملتا تھا لیکن ایک اعتبار سے مختلف بھی تھا۔ اس کے اپنے بقول وہ بہت سے شہیدوں میں سے ایک تھا۔ ہمارے پورے خاندان نے دیکھا تھا کہ جب سیول میں ہمارا گھر گرایا گیا تھا تو لوگ چی سوپ کو گھسیٹتے ہوئے لے گئے تھے۔ اسے سیول سے ہی نکال دیا گیا تھا۔ اس کے بعد ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں وہ مزدوری کرتا پھرا تھا۔ پہلے اس نے فاؤنڈری کٹر کا کام کیا پھر سائکلیں مرمت کیں پھر کاسٹنگ پلانٹ میں کام کیا۔ وہ غیر ہنر مند مزدور کی حیثیت سے ادھر ادھر کام کرتا پھر ا۔البتہ اس نے مختلف کارخانوں میں کئی کاموں کا تجربہ حاصل کر لیا تھا۔ اگر دیکھا جائے تو اس کے مقابلے میں میرا تجربہ کچھ بھی نہیں تھا۔

چی سوپ کو میرے باپ پسند کرتے تھے۔ اس نے ایسے زمانے میں مزدور انجمنوں میں کام کرنا شروع کیا تھا جس زمانے نے میرے باپ کو بہت دکھ پہنچائے تھے۔ اور یہ اتفاق نہیں

تھا۔ شاید وہ ایک بونے آدمی کے خاندان کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ اس نے میرے باپ کے دل میں گھر کر لیا تھا۔ اس وقت میرے باپ کے ذہن میں ایک ایسی خوبصورت اور پاکیزہ دنیا کی تصویر بن گئی تھی جسے وہ چاند کی دنیا کہتے تھے۔ اپنے دماغ کی دنیا کو حقیقت میں بدلنے کے لئے وہ ایک بہادر انسان کی طرح اونگا نگ آئے۔ وہ یہ معلوم

کرنا چاہتے تھے کہ میرا نام مالکوں کے مخالفوں میں کیسے شامل ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ مطالبہ تھا کہ تنخواہوں میں پندرہ فیصد اضافہ کیا جائے۔ بونس سو فیصد بڑھایا جائے اور ان اٹھا رہ مزدوروں کو واپس لایا جائے جنہیں معطل کیا گیا ہے یا برطرف کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے یہ آسان کام نہیں تھا۔ ہماری تمام یونین کی اسٹیورڈ یونگی کو تفشیش کیلئے کسی نامعلوم مقام پر لے جایا گیا تھا اور یونین کے ارکان بھوک ہڑتال کر رہے تھے۔ یونگ ہوئی بھی ان میں شامل تھی۔ وہ نعرے لگاتی، گانے گاتی اور بے ہوش ہو جاتی۔ بعد میں انتظامیہ کو معلوم ہوا کہ جس شخص نے کارکنوں کو اکسایا ہے وہ اسسٹنٹ مکینک ہے۔ میں کپاس کے ڈھیر کے پاس بیٹھا اس آدمی کا گانا سن رہا تھا جو اسپننگ ڈیپارٹمنٹ میں دھاگا تیار کر رہا تھا۔ یونگی کو میں نے ایک ہفتے سے نہیں دیکھا تھا۔ اب وہ زرد اور بہت کمزور ہو گیا تھی۔ اسے پہچاننا مشکل تھا۔ اسے یونگ ہوی گھر لائی تھی۔ یونگی نے مجھے دیکھا تو رونا شروع کر دیا۔ میں لیٹا ہوا تھا اور اس کے آنسو اس کے دھنسے ہوئے گالوں سے میرے سینے پر گر رہے تھے۔ اونگا نگ سیکشن ٹول فیکٹری کے پیچھے کسی موٹے تازے سائے نے مجھے مارا تھا اور میں گر گیا تھا۔ چی سوپ نے کہا کہ کارخانے کے مالک نے غیر قانونی حرکت کی ہے جو معاہدے کے خلاف ہے۔ لیکن اس سے ایک فائدہ ہوا ہے کہ مزدوروں میں غصہ پیدا ہوا ہے۔ اور وہ اکٹھے ہو گئے ہیں۔ وہ میری تعریف کر رہا تھا۔

''میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا۔''

''ہاں ہاں، میں جانتا ہوں۔'' اس نے کہا۔

میری سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے یہ بات کیوں کی

''تم تو دوسروں کے نقش قدم پر چل رہے ہو۔'' اس نے کہا۔ ''اور اب تم نے اپنی غلطیاں پہچان لی ہیں۔''

''وہ کیا ہیں؟''۔

''تم جو کر رہے ہو اس میں غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔''

اب مجھے بھی کچھ کہنا چاہئیے تھا۔ اس نے کہا ''آپ جانتے ہیں کہ مجھے پڑھائی کا موقع نہیں ملا ہے۔ مجھے سکول چھوڑنا پڑ گیا تھا اور کالج کا سوال ہی نہیں تھا۔ جو کتاب میرے

ہاتھ لگ جاتی ہے وہ پڑھ لیتا ہوں۔ جو بات سمجھ میں نہیں آتی وہ کسی سے پوچھ لیتا ہوں۔ ہم یہاں آئے تو بہت سی چیزیں ایسی تھیں جو میں نہیں جانتا تھا۔ اس لئے میں مزوروں کے چرچ گیا اور وہاں پڑھا۔ اور میں نے کارسپائڈنس کا کورس بھی کیا۔

''تم نے اس سے کیا سیکھا؟''۔

''اس نے میری آنکھیں کھول دیں۔''

''تم ایسی باتیں کر رہے ہو جیسے تم نابینا پیدا ہوئے تھے۔''اس نے زور سے کہا''اگر تم جیسا آدمی صورت حال کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے تو پھر اور جاننے کی کیا ضرورت ہے۔ لیکن یہاں ایسے لوگ ہیں جو حالات کے بارے میں وہی جانتے ہیں جو تم انہیں بتا رہے ہو اور تم کہہ رہے ہو کہ تمہاری آنکھیں اب کھلی ہیں۔ تمہاری تو آنکھیں ہی نہیں ہیں۔ تم سب ایسی جگہ پھنس گئے ہو جہاں اپنے آپ کوئی کام نہیں کر سکتے۔ تمہاری جہالت نے تمہیں پھنسا دیا تم نے ان تمام نوجوانوں کو چھوڑ دیا جو تمہارے اوپر بھروسہ کرتے ہیں۔''

''یہ صیح نہیں ہے۔''میں نے کہا۔''میں نے تین اسٹڈی گروپ بنائے ہیں۔''میں نے کہا''۔ جنرل کونسل کے لوگوں نے ان کی رہنمائی کی ہے''

''اسٹیورڈ نے بہت اچھا کام کیا۔''

''تم نے کیا کیا؟''۔

پادری نے مختلف مزدور نمائندوں کے اجلاس بلائے تھے وہاں میں نے ہی باتیں کیں''۔

''اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو وہ حیران ہوتے کہ تم ایک اچھے لیڈر بن گئے ہو۔ اگر تم چاہو تو مزدوروں کے بڑے لیڈر بھی بن سکتے ہو اور مزدوروں کی تحریک چلا سکتے ہو۔''

''اسے تم کیا کہو گے اگر تم نے کوئی کام نہ کیا تو کسی اور نے کر لیا۔''

''پھر میں کیا کروں گا؟''۔

''جہاں ہو تم وہیں رہو گے۔''

''وہ تو وہی جگہ ہے جہاں میں کام کرتا ہوں۔''

''پھر وہیں رہو، اسے نہ چھوڑو، وہاں سوچو، وہاں عمل کرو اصل جگہ پر ڈٹے رہو۔ ایسی

جگہ جہاں مزدور اور مالک ملتے ہیں۔''

وہ مصروف آدمی تھا۔ یہ میں شروع سے ہی جانتا تھا۔ وہ جنوب سے بسیں اور ریل گاڑیاں بدلتا ہوا یہاں اس لئے نہیں آیا تھا کہ سیول کی باتیں یاد کرے۔ دریا کے کنارے چلتے ہوئے ہم باتیں کر رہے تھے۔ وہ بولا''لوگ کہتے ہیں کہ سمندر کے قریب جا کے سب سے اچھا کام یہ ہے کہ پانی پر چلا جائے۔ دوسرا اچھا کام یہ ہے کہ اس پر کشتی چلائی جائے۔ اس کے بعد یہ بہتر ہے کہ پانی کو دیکھا جائے۔ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں ہے کیونکہ ہم تیسرا بہتر کام کر رہے ہیں۔اس کی آواز بہت دھیمی تھی ایسا لگ رہا ہے جیسے شعر سنا رہا ہے۔ اس رات وہ بالکل مختلف شخص تھا۔ اس نے مزدوروں کے چرچ میں ڈیڑھ گھنٹے تقریر کی۔ جتنی دیر وہ تقریر کرتا رہا یونگ ہوئی روتی رہی۔ یونگی نے اسے آنسو پوچھنے کے لئے رومال دیا اور جب اس پر بھی آنسو نہ روکے تو یونگ ہوئی نے وائس اسٹیوارڈ کا رومال لیکر آنکھوں پر رکھ لیا۔''مجھے خدا کی عنایات یاد آرہی ہیں۔''یونگی نے مجھے یونگ ہوئی کی بات سنائی میں نے سوچا کاش یونگ ہوئی کا خدا بہت نرم دل ہوتا۔ یونگ ہوئی نے اپنے خدا سے جو سب سے بڑی چیز لی تھی وہ اس کی فراخ دلی تھی۔ جس دن چی سوپ واپس گیا اس دن یونگ ہوئی کارخانے میں کام کر رہی تھی۔ وہ اس سے نہ مل سکی میں اور یونگ ہو بھی اسے رخصت نہ کر سکے۔ یونگی اور یونین کے تمام امور کے نمائندوں نے اسے ریلوے اسٹیشن پر رخصت کیا۔ پادری اور دوسرے لوگ بھی وہاں گئے تھے۔ یونگ ہوئی نے مجھ سے کہا کہ چی سوپ کے اس مختصر دورے کا ہمارے اوپر کیا اثر ہوگا اس نے کہا کہ ہم نے یہ معلوم کرنے میں کافی وقت ضائع کر دیا ہے کہ کیا صحیح ہے اور کیا غلط۔

چی سوپ کے جانے کے بعد جس شخص نے میرے اندر تبدیلی محسوس کی وہ سائنس والا آدمی تھا۔''اگر تم سوچو تو میں او ر پادری ایک ہی خیال کے نہیں ہیں۔''اس نے کہا''میں اس قابل نہیں ہوں۔''اس نے کہا''لیکن یہ تمہاری ہی کلاس ہے تم اس سے باہر کیسے رہ سکتے ہو۔'' ورکشاپ پر اس نے اپنے کمرے میں ایک بوتل دکھائی میری سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا ہے۔ میں نے اسے بوتل تو کہہ دیا ہے مگر وہ عام بوتل نہیں تھی جس میں ایک طرف سے منہ ہوتا ہے اور دوسری طرف سے بند ہوتی ہے۔ وہ ایک خاص قسم کی بوتل تھی جو ایک ٹیوب

میں سوراخ کرنے کے بعد بنائی گئی تھی۔ سوراخ میں ایک ٹیوب ڈالی گئی تھی سائنس والا آدمی اسے کلائن بوٹل کہتا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے یہ بوتل کیوں دیکھائی ہے؟۔تو اس نے کہا کہ تم ایسے وقت آئے ہو جب میں نے یہ بوتل مکمل کی ہے۔مگر مجھے یہ محض اتفاق معلوم نہیں ہوااور میں وہاں سے چلا آیا۔ اونگا نگ ہیوی انڈسٹری کے مزدوروں نے اپنا اوور ٹائم پورا کر لیا تھااور بڑے دروازے سے باہر آرہے تھے۔ اس فیکٹری اور المونیم فیکٹری کے درمیان ایک خالی جگہ تھی۔ مزدوروں کے چہرے ٹمٹما رہے تھے۔ میں دیر سے گھر پہنچا تو میری ماں رقم گن رہی تھی۔ یہ رقم لکڑی کی چھال فروخت کر کے ملی تھی۔ وہ انگلی پر تھوک لگا کر رقم گن رہی تھی۔ میں چھت پر گیا اور لیٹ گیا۔ یونگ ہو کارخانے سے واپس آیا اور یونگ ہوئی رات کی شفٹ پر چلی گئی۔ جہاں میں لیٹا تھا وہاں سے ایک آنکھ والے پڑوسی بڈھے کے کھانسنے کے آواز آ رہی تھی۔ جس جوڑے نے اس بوڑھے آدمی سے ایک کمرا کرائے پر لیا تھا وہ کھانے کی پلیٹ پر لڑ رہے تھے۔ بچہ رو رہا تھا۔

''یونگ ہو'' ماں نے ایک دن مجھے بلایا اور پوچھا ''کیا کارخانے میں آجکل کوئی گڑ بڑ ہو رہی ہے؟ کیا تم پھر کچھ کر رہے ہو؟۔

''جنرل کونسل اور اسٹیوارڈ کا الیکشن ہو رہا ہے۔ کمپنی کے ساتھ کچھ اختلاف بھی چل رہے ہیں۔مگر کوئی گڑ بڑ نہیں ہے۔کچھ نہیں ہوگا۔''

''تو پھر تم دوسرے کارخانوں کے مزدوروں سے کیوں مل رہے ہو؟۔چی سوپ کے گروپ سے کیا تعلق ہے اس کا؟''۔

''ہم سب اونگا نگ گروپ فیکٹری میں کام کرتے ہیں۔ چی سوپ بھی انہیں میں کام کرتا ہے۔ وہ جنوب میں کام کرتا ہے۔اونگا نگ گروپ کے بہت سے کارخانے ہیں۔

''پھر؟''۔

''ہم اپنی یونین کے لئے کام کر رہے ہیں۔ہم مزدوروں کے مسائل پر غور کرتے ہیں، تنخواہیں بڑھانے کے لئے ان کے مطالبات پر غور کرتے ہیں۔ جن کا ر خانو ں میں مزدوروں اور مالکوں کے درمیان اختلاف ہیں وہاں ہم مزدوروں کی رہنمائی کرتے ہیں ہمیں معلومات حاصل کرنے کے لئے زیادہ میٹنگ کرنا پڑتی ہیں۔''

''اچھا؟۔۔۔۔؟۔

''جی۔''

''پھر ٹھیک ہے۔''ماں نے کہا''میں نے بہت برا خواب دیکھا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ تم گرفتار ہو گئے ہو۔تم صدر دفتر گئے ہو اور وہاں تم نے ایک بڑے افسر کو مار ڈالا ہے بہت ہ خوفناک خواب تھا۔''

''ماں خدا کے لئے پریشان نہ ہوا کیجئے۔''

''اگر تمہیں کچھ ہوا تو ہم سب ختم ہو جائیں گے۔''

''میں جانتا ہوں۔''

''میری بات سنو، فیکٹری کا ہی کام کرو۔اگر تم نے میری بات نہ مانی تو ضرور گرفتار ہو جاؤ گے۔تم کوئی جرم کرو گے اور تمہیں سزا ہو جائے گی۔تم جیل جاؤ گے۔''

''میں نے کہا نا میں جانتا ہوں۔''

''جاڑا بہت تھا اور مایوسی پھیل رہی تھی۔ اچانک مجھے احساس ہوا جیسے میرا سب کچھ چھن گیا ہے۔ میں اور کچھ نہیں کر سکتا۔کوئی بھی ایسا نہیں جو میرے خیالات سے واقف ہو۔ میں یہ سوچ کر پادری کے پاس گیا کہ جو کام ہم نے شروع کیا تھا اس کی بجائے کچھ اور باتیں کروں گا مگر وہ باتیں نہ کر سکا اور واپس چلا آیا۔ یہی سائنس والے آدمی کے ساتھ بھی ہوا۔جب میں نے اس کے متعلق سوچا تو خیال آیا کہ ہمارے پاس ادھر ادھر کی بات کرنے کے لئے وقت ہی نہیں ہے۔ کمپنی کے لوگ ہمارا گلا گھونٹ رہے تھے۔ ہم کمپنی کے اعلیٰ افسروں کو یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ ہم سب ایک ہی کشتی میں سوار ہیں۔مگر ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ ہٹ دھرمی کے ساتھ سوچ رہے تھے کہ وہ کسی دوسری کشتی میں سوار ہیں۔ اس لئے وہ ہم سے یک طرفہ مطالبات کر رہے تھے۔ میں ان لوگوں کے خلاف اپنے غصہ پر قابو نہیں رکھ سکتا تھا جو محنت سے کام کرنے کی بجائے موقع پرستی، بیرونی حمایت، جہالت، تشدد، قسمت اور اقربا پروری سے منافع کما رہے ہیں۔

ایک دن جب سردی کم ہو گئی تھی تو میں سائنس والے آدمی کے پاس گیا۔اس کی کھڑکی کے پاس کلائن بوتل رکھی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا اور کہا۔

''اب میں سمجھا۔''میں نے کہا ''اس بوتل میں اندرونی حصہ بیرونی بن جاتا ہے اور بیرونی اندرونی کیونکہ اس میں اندر باہر نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ اس کے اندر کچھ ہے۔ یہاں بند کرنے کا سوال ہی نہیں ہے۔ اگر آپ دیوا ر کے ساتھ چلتے رہیں تو باہر چلے جائیں گے اس طرح اس دنیا میں چاروں طرف سے گھری ہوئی جگہ محض ایک واہمہ ہے۔''

سائنس والے آدمی نے خالی نظروں سے میری آنکھوں میں جھانکا۔''بالکل ایسا ہی ہے جیسا تم نے کہا ہے''وہ بولا۔

اس نے بوتل اٹھائی اور میری طرف مڑا مگر میں وہاں سے چلا آیا۔

اونگا نگ ٹیکسٹائل کے مینٹینس ڈیپارٹمنٹ کا اسسٹنٹ مکینک خاموشی سے کھڑکی کی طرف چل پڑا۔

☆☆☆

MashalBooks.org

مچھلی جال میں آ گئی

صبح کے پانچ بج گئے تھے مگر ابھی تک اندھیرا تھا۔ اب تک روشنی کی پہلی کرن میری کھڑکی تک پہنچ گئی ہو گی جہاں پردے اسے جذب کریں گے اور میرے کمرے سے اداسی باہر چلی جائے گی۔ اس نے سر ہانے رکھے ہوئے انٹر کام کا بٹن دبا یا اور با ورچی خانے سے ملایا۔لڑکی کی سوئی ہوئی آواز سے انٹر کام کا اسپیکر لرز گیا۔ میں نے اس سے کہا مجھے کافی چاہیئے اور پھر اٹھ کر میں نے پر دے کھول دیئے۔ کھڑکی پر دھند چھائی ہوئی تھی اور وہ زمین کی طرف سرکتی جا رہی تھی۔ میں نے بوڑھے کتے کو کہر میں چلتے دیکھا۔ وہ ابھی تک زندہ تھا وہ کہر کو چیرتا ہوا جا رہا تھا۔ یہ کتا میرے مرحوم دادا کا ہے۔ یہ کتا میرے چچا کو ایک جرمن تاجر نے تحفے میں دیا تھا۔ میرے چچا نے میرے دادا کو دے دیا اور یہ بتا دیا کہ اس کی نسل

ہیوہن زولن کے شاہی خاندان سے ملتی ہے۔ اس کتے کے بزرگوں نے دوسری جنگ عظیم میں حصہ لیا تھا۔ وہ نارمنڈی کے ساحل پر پہرا دیتے تھے اور انہوں نے افریقہ کا ریگستان بھی پار کیا تھا۔ یہ کہانی مجھے بہت دلچسپ لگی تھی۔ بلا چوں، چرا اپنے افسر کا حکم ماننا اچھی بات ہے۔ بوڑھے کتے کے بزرگ اپنے مالکوں کے ساتھ جنگ پر گئے تھے۔ وہ ان خندقوں کے باہر پہرا دیتے تھے۔ مالک نے حکم دیا' 'حملہ کرو' میرے اوپر بھروسہ کرو، میرا حکم مانو اور لڑو''۔اس نے کہا۔ اس کے مالک خالص یورپی تھے اور انہوں نے اچھی تعلیم حاصل کی تھی۔ وہ لوگ پوری طاقت سے لڑے تھے۔ میں ان کی تاریخ کو سلام کرتا ہوں۔ دادا کے کتے نے جوہڑ کے کنارے بیٹھے بیٹھے اپنا پنجہ بڑھا کر اس چڑیا کو پکڑ لیا جو وہاں دانے دنکے کی تلاش میں آئی تھی۔ میرے باپ کہتے تھے کہ انہوں نے ایسا تیز اور چالاک کتا نہیں دیکھا جو اتنی صفائی سے شکار کرتا ہے۔ میرے دادا جب بھی شکار کرنے کے لئے جاتے تو واپسی میں ان کی کار جانوروں کے خون سے بھری ہوتی تھی۔ دادا کا شکار کیا ہوا جانور گھسیٹتے ہوئے ڈرائنگ روم میں لے جاتے جس سے قالین بھی خراب ہو جاتا۔ وہ زور زور سے قہقہے لگاتے۔ ان کا کتا جو اس شکار میں آگے آگے ہوتا تھا اپنے گھر میں چلا جاتا اور شکار کی ہڈیاں چباتا رہتا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب وہ جوان تھا۔ اب بڈھا کتا آہستہ آہستہ چلتا تھا۔ میں نے کتاب اٹھائی اور کتے پر پھینک دی۔ وہ اس سے دور سوئمنگ پول کے پاس گری اور کتا کُہر میں غائب ہو گیا۔

دادا کے مرنے کے بعد کتے نے کھانا چھوڑ دیا تھا۔ چچا اس کتے کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ مگر میرے باپ نے اسے روک دیا۔ کتے کی جوانی ختم ہو چکی تھی اور اب وہ بوڑھا ہو گیا تھا وہ کسی کام کا نہیں تھا لیکن میرے باپ کا کہنا تھا کہ اس کتے کو دادا کی سی عزت ملنی چاہیے۔میرے چچا کو اونگانگ فیکٹری کے ایک مزدور نے چھرا مار دیا۔ وہ مر گئے تو میرے باپ نے جو میری چچی اوران کے بچوں کے ساتھ کھڑے تھے جیب سے رومال نکال کر اپنی آنکھیں صاف کیں۔ میں نے مشکل سے اپنی ہنسی روکی۔ عدالت میں جہاں میں بیٹھا تھا وہاں سے میں نے اس مزدور کو دیکھا جس نے میرے چچا کو مارا تھا۔ بوڑھا کتا غائب ہو گیا تھا اور میرے باپ کے سیکورٹی گارڈ نے کہر میں جا کر وہ کتاب اٹھائی جو میں نے کتے کو جان سے مارنے کے لئے پھینکی تھی۔

لڑکی کتا ب اور کافی لیکر آئی۔ ''تمہاری چچی اپنے بیٹے کے ساتھ آئی ہیں۔''اس کی آواز میں ابھی تک نیند بھری ہوئی تھی۔ وہ ہلکے نیلے لباس پر سفید اورآل پہنے ہوئے تھی۔ ''اور بھی کوئی ہے؟''۔میں نے سوال کیا۔''وہ وکیل کو لائی ہیں۔ میں قمیض اتا رکر سویا تھا اس لئے لڑکی مجھ

سے نظریں چرا رہی تھی۔ وہ پندرہ سال کی عمر میں یہاں آئی تھی جب میں کالج میں داخل ہوا تھا۔ مجھے احساس ہی نہیں ہوا کہ دو سال میں وہ اتنی بڑی کیسے ہوگئی۔ اس کا سینہ حیرت انگیز طور پر باہر اٹھاہوا تھا۔ وہ جانے لگی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا''شرطیہ کہتا ہوں کہ کمرے میں رکھے ہوئے ٹیلی ویژن پر یہ نظرنہیں آئے گا۔''میں نے ایک وڈیوکیسٹ اٹھایا اور اپنے وی سی آر کا بٹن دبا دیا۔ لگتا تھا رات کی نیند اس پر سوار تھی۔ میں نے کافی کا کپ اس کے ہونٹوں سے لگایا۔''وہ مجھے گھر بھیج دیں گے''اس نے کہا اس وقت برلوز کا سنگیت کمرے میں پھیلا ہوا تھا۔ اور ٹی وی سکرین پر ایک لڑکی کے بال لہرا رہے تھے۔ یہ یورپ کے لوگو ں کو کیا ہوگیا ہے کوئی ملک ہوٹیپ پر برلیوز کا سنگیت نہیں بجایا جاتا ہے۔ ایک سولہ سال کی لڑکی جس نے سرخ سویٹر پہنا ہوا تھا اپنے دوست کو الوداع کہہ رہی تھی۔ میں نے فاسٹ فارورڈ کر دیا آخر تک اسکرین پر کئی عجیب وغریب چیزیں نظر آرہی تھیں''کیا ہوا؟''میں نے تو تمہارے ساتھ کچھ نہیں کیا۔''میں نے محسوس کیا کہ اس کا جسم نیند سے بیدار ہوگیا ہے۔ اس کی نظریں اسکرین سے ہٹ کر میرے اوپر جم گئیں تھیں۔ اس نے اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔

تین آدمی جو صبح ہی صبح میرے باپ سے ملنے آئے تھے وہ ڈرائنگ روم میں تصویر بنے بیٹھے تھے۔ میرے ماں باپ ابھی تک سو رہے تھے۔ چچی جس وکیل کو ساتھ لائی تھیں نے بھی آنکھیں بند کر لیں تھیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے متلی ہونے لگی میرا چچا زاد ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھا ہوااخبار الٹ پلٹ کر رہا تھا۔

''ہیونگ''میں نے اسے بلایا'' یہاں آجاؤ''

''تم بڑی جلدی اٹھ گئے۔''میری چچی نے کہا میں نے نظر انداز کر دیا۔ وکیل نے جو اب جاگ گیا تھا۔ اپنا چشمہ ٹھیک کیا اور مجھے دیکھا۔ جب سے چچا مرے تھے یہ چچی کا وکیل تھا۔ میرا چچا زا د سیڑھیوں پر چڑھا جہاں میں کھڑا تھا۔''تم جلدی جاگ گئے تھے؟''میں نے پوچھا۔ ہم دونوں ہال کے آخر تک گئے اور پچھلے راستے سے نیچے اتر گئے۔ دھند ختم ہوگئی

تھی۔ ہم جہاں

اترے وہاں سورج کی پہلی کرن پڑی۔ پھولوں کی سفید چادر دیوار پر پھر اونچے درختوں کے پتوں پر پڑی۔ میرا چچا زاد کالا سوٹ پہنے تھا اور ٹائی لگائی ہوئی تھی۔

''تم یہاں کیا کر رہے ہو''۔

''میرے چچا زاد نے منہ بنایا۔

''چلو، اس کے بارے میں بات نہ کرو۔''

''جب چچا کا قتل ہوا اس وقت میرا چچا زاد امریکہ میں تھا۔ میرے دو بڑے بھائی بھی امریکہ میں پڑھ رہے تھے مگر وہ ایسے نہیں تھے کہ چچا کے مرنے پر یہاں آجاتے۔ ہاں، اگر چچا کی جگہ میرے باپ ہوتے تو وہ یہاں آنے کے لئے بے چین ہو جاتے۔ لیکن وہ جہاز میں بیٹھ کر آنسو نہ بہاتے۔ ان کی سب سے بڑی پریشانی یہ ہے کہ انہیں باپ کی جائیداد میں سے کتنا حصہ ملے گا۔ یہ سوچ سوچ کر میں رات بھر جاگتا رہا تھا۔ ظاہر ہے کہ میرا حصہ کم سے کم کرنے کے لئے وہ ہر کام کر سکتے ہیں۔ ہم گلاب کی کیاریوں کے پاس سے گزرے۔ سیکورٹی گارڈ کتے کو تھپکیاں دے رہا تھا۔ ظاہر ہے میری نیت اتنی بھی خراب نہیں تھی۔ گارڈ کتے کے سر پر لگے ہوئے زخم کو سہلاتا ہوا دور لے گیا۔

''واپس امریکہ چلے جاؤ۔''

''سوئمنگ پول کے قریب جا کر میں نے جوتے اتار دیئے۔ میرے چچا زاد کیاری کے پاس ایک بنچ پر بیٹھ گیا اور سگریٹ پینے لگا۔

''یہ سوچو کہ میں بھی بھائی ہوں۔''اس نے افسردگی کے ساتھ کہا۔

''نہیں''میں نے کہا ''یہاں کوئی بھی نہیں ہے جو تمہیں بھائی سمجھتا ہو۔ میں نے جب واپس امریکہ جانے کو کہا تھا تو میرے دماغ میں تمہارا فائدہ ہی تھا۔''

''شکریہ''

اس کے بعد جو اس نے کہا وہ میں نے نہیں سنا۔ میں ڈائیونگ بورڈ پر کئی مرتبہ چڑھا اور پانی میں چھلانگ لگائی۔ سوئمنگ پول کی تہہ ابھی تک دھندلی تھی اور پانی برف بنا ہوا تھا۔ میں ایک منٹ کے قریب پانی کے اندر رہا۔ میں نے سانس روکے رکھی اور پول کے ایک کونے میں بیٹھا رہا۔ اس ایک منٹ میں مجھے افسردگی نے اپنی گرفت میں لے لیا جیسے

MashalBooks.org

میری دنیا مجھ سے دور ہوتی جارہی ہے۔ پھر میں وہاں سے اوپر آیا۔ پانی کے بلبلوں کے پار میرا چچا زاد بیٹھا ہوا تھا۔ میں تیرتا رہا۔ پانی کے اندر سانس روک لیتا باہر آ کر سانس چھوڑتا۔ میں باہر آیا اور میرے چچا زاد نے میری طرف تولیہ پھینکا۔ اس وقت دھوپ گرم لگی۔ سوٹ پہنے ہوئے میرے چچا زاد کے ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہو رہے تھے۔ درختوں کی اوٹ سے میں نے دیکھا کہ میرے باپ کے ڈرائیور نے کار کھڑی کی اور باہر نکل آیا۔

''چچی کو کچھ غلط فہمی ہوئی ہے۔''میں نے کہا''میرے خیال میں تمہیں بھی اندازہ ہو گا کہ وہ کتنی غلط باتیں کر رہی ہیں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا کیا ہو رہا ہے۔تم ٹھیک کہہ رہے ہو مجھے واپس امریکہ جانا چاہیئے اور اپنی پڑھائی مکمل کرنی چاہیئے''۔

''باپ سے ملو تو ان سے یہی کہو۔ چچی جو کہہ رہی ہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔''

''ٹھیک ہے، اس طرح چچا مطمئن ہو جائیں گے۔''

''وہ بتائیں گے کہ تم اونگا نگ گروپ کے رکن ہو۔ یاد رکھو۔ ہماری کمپنیاں ملک بھر کے ٹیکسوں کا چار فیصد ادا کرتی ہیں۔ ملک بھر میں جو بھی چیز فروخت کی جاتی ہے اس کا 4.2 فیصد بنتا ہے اور ہماری درآمدات کا یہ 5.3 فیصد ہے۔''

''واہ وا''

''تمہیں ضرور حیرت ہو گی''میں نے کہا''میرے باپ بیکار کام نہیں کرتے تم کیا سمجھتے ہو کہ چچی جو چچا کے حصہ کی بات کر رہی ہیں اس سے میرے باپ متاثر ہو جائیں گے ؟۔اچھی بات یہ ہو گی کہ تم واپس جاؤ، تعلیم مکمل کرو اور واپس آ کر یہاں کام سیکھو اور کاروبار میں شامل ہو جاؤ۔ میرے باپ صرف تمہیں جانتے ہیں چچی ہمارے خاندان کا حصہ نہیں ہیں۔''

''وہ کیسے؟''میرا چچا زاد حیرت زادہ ہو گیا۔

''میرے باپ نے یہی کہا ہے۔''

''میرے چچا زاد نے میری طرف ایسے دیکھا جیسے اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا۔ میرے دو بھائیوں کے مقابلے میں وہ شرافت کا پتلا تھا۔ اونگا نگ کے اس نوجوان نے تیز چھری سے کیوں مارا ؟''۔اس نے دوسرے لوگوں سے پوچھا تھا۔ وہ بہت ہی سادہ تھا۔ وہ

MashalBooks.org

جاننا چاہتا تھا کہ چچا کو چھری ماری گئی تو کیا ان کے آخری وقت میں انہیں بہت تکلیف ہوئی تھی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ قاتل کا اصل نشانہ میرے باپ تھے تو وہ خاموش ہو گیا۔ میرا چچا زاد سمجھتا تھا کہ قاتل نفسیاتی مریض تھا اور قتل کے وقت وہ سمجھ بوجھ سے عاری ہو گیا تھا۔ میرے چچا زاد نے کہا تھا کہ قاتل پر مقدمہ نہیں چلنا چاہیئے۔ اس نے عدالت میں ملزم کو دیکھا تو کہا کہ وہ نارمل انسان ہے اور جب اس نے یہ کہا کہ جس شخص نے جان بوجھ کر اس کے باپ کو مارا ہے وہ اس نے محض اپنے دفاع کے لئے کیا تھا تو آس پاس بیٹھے لوگ حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔ مہمانوں کی گیلری فیکٹری کے مزدوروں سے بھری ہوئی تھی۔

میرے باپ کی نوجوان سیکریٹری بریف کیس میں کاغذات دیکھ رہی تھی۔ میرے باپ کی لگژری کار دھوپ میں جگ مگا رہی تھی۔ وہ کار جرمنی میں بنائی گئی تھی۔ میری کار بھی جرمن تھی۔ مگر چھوٹی تھی جو عام آدمیوں کے لئے تھی۔ اس کا رنگ سفید تھا۔ میرے چچا زاد نے ایک اور سگریٹ سلگایا۔ ''ایک دن مزدوروں نے کہنا شروع کیا۔'' میرا چچا زاد بولا ''کوریا کے مزدور کتنا مال تیار کرتے ہیں؟''۔ یونین لیڈر کے ساتھ سب مل کر بولے۔ ''انیس سینٹ فی گھنٹہ۔'' دس ہزار مزدوروں نے جلوس نکالا اور نعرے لگائے تو میرے چچا زاد نے سوچا کہ یہ جھوٹ بول رہے ہیں کیونکہ وہ ہمارے ملک کے ساتھ تجارت کا توازن برقرار رکھنا چاہتے ہیں۔ اسے یقین تھا کہ ایک انتظامی گروپ بھی ہے جو مزدوروں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ ماہانہ 45.60 ڈالر کے لئے کام کریں۔ چنانچہ اسی لئے اس نوجوان نے چاقو نکال لیا۔ اس نے کہا ہمارا نظام اندر سے تباہ ہونے والا ہے۔ اس نے یہاں تک کہا کہ ہم سہ رخی دنیا میں زندگی گزارتے ہیں۔ اس کے برعکس چھری والے نوجوان اور اس کا خاندان دو رخی دنیا میں رہتے ہیں۔ ہماری دنیا سے حقیقت غائب ہو چکی ہے۔ دو رخی دنیا میں حدیں مقرر ہوتی ہیں۔ میرے چچا زاد کی عادت ہے کہ وہ ہر چیز کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے۔ وہ بیزار کر دینے والا آدمی ہے اور اس کے ٹھیک ہونے کی کوئی امید نہیں ہے۔

''وکیل جا رہا ہے؟''۔

''میرے باپ کی سیکریٹری اس سے جان چھڑا رہی ہے۔'' میں نے کہا ''اسے میرے باپ کے وکیل سے ملنا چاہیئے تھا۔ چچی خواہ مخواہ اس کا وقت ضائع کر رہی ہیں۔''

''وکیل حالات کو صحیح سمجھتا ہے۔ عام آدمیوں کے مقابلے میں وہ مسئلے کی جڑ پر پہنچ جاتا

ہے۔ مجھے اس پر بھروسہ ہے۔ میری ماں نے صبح ہی صبح اسے فون کیا تھا کہ وہ یہاں آجائے۔ وہ رات بھر نہیں سوئیں تھیں۔ اس کے بغیر وہ کچھ نہیں کہہ سکتیں۔ وہ صحیح طریقہ سے مقدمہ پیش کر سکتا ہے۔ اب وہ چلا گیا ہے تو میری ماں کو چچی سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''دو تین سال ٹھہر جاؤ۔ تم خود بخود ہی بورڈ آف ڈائریکٹرز میں شامل ہو جاؤ گے۔'' میں نے مسکراتے ہوئے کہا ''جاؤ اندر جاؤ۔ میرے باپ جاگ گئے ہیں۔''

''کاش ان کے پاس اتنی دولت نہ ہوتی''۔ میرے چچا زاد نے تھکی ہوئی آواز میں کہا۔

اس کے لئے بہت مشکل دن تھا۔ میری چچی ڈرائنگ روم میں اکیلی بیٹھی تھیں۔ میں اوپر اپنے کمرے میں گیا، کپڑے تبدیل کئے اور واپس آ گیا۔ وہ اسی طرح بیٹھی تھیں۔ ان کے پیچھے دیوار پر دادا کی بہت بڑی قلمی تصویر لگی ہوئی تھی۔ جس میں وہ اونگا تنگ سینک بلڈنگ کو دیکھ رہے تھے۔ وہ اچھے موڈ میں نظر نہیں آ رہے تھے۔ دادا تبدیلی سے خوف زدہ تھے۔ مختلف مصنوعات فروخت کر کے انہوں نے جو منافع کمایا تھا وہ جدید ٹیکنالوجی اور مشینوں کا نتیجہ تھا۔ درآمد و برآمد

کے لئے انہوں نے جس مہارت سے کام کیا تھا اس کی وجہ سے حصے داروں کا مفاد بھی محفوظ رکھا اور اپنی دولت میں اضافہ بھی کیا۔ دادا کے مطابق اس تبدیلی کے لئے آگے رہنے کی ضرورت نہیں تھی جس کا سوسائٹی مطالبہ کر رہی تھی۔ جب تک منافع ہو رہا ہے اس وقت تک نئے طریقوں اور نئی ٹیکنالوجی کے لئے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آخر میرے باپ اور چچا نے مل کر انہیں تبدیلی پر راضی کر لیا۔ میرے باپ نے کہا کہ اگر ہم پرانے طریقوں پر ہی اڑے رہے تو ایک سال بعد منافع کم ہو جائے گا اس لئے اگلے سال موجودہ صورت حال برقرار رکھنا مشکل ہو جائے گی اور تیسرے سال ہماری سب سے بڑی صنعت کی پوزیشن برقرار نہیں رہے گی۔ اس وقت میری عمر کم تھی۔ مگر میں جانتا تھا کہ میرے باپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ جب میں بڑا ہو جاؤں گا اور میرے اپنے پوتے اور نواسے ہو جائیں گے تو ان بیہودہ زمانوں کا ذکر کریں گے جن میں ان کے دادا پردادا رہتے تھے۔ اور شرمندہ ہو جائیں گے۔ انہیں بتایا جائے گا کہ اس زمانے میں اخلاق، نظم و ضبط اور ذمہ داریاں

نقصان دہ مانی جاتی تھیں۔ میرے باپ نے اپنا دماغ استعمال کیا۔ انہوں نے سوچا کہ معیشت کی سطح بڑھ گئی ہے۔ اس کا ڈھانچہ زیادہ پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اس لئے کاروبار کا انداز بدلنا چاہیئے۔ دادا کے زمانے کی ہلکی صنعت کسی کام کی نہیں رہی تھی۔ میرے باپ نے اپنا دماغ استعمال کرتے ہوئے بھاری صنعتوں کی طرف توجہ دی۔ انہوں نے فولاد، کیمیکل، الیکٹرانک، جہاز سازی، کار سازی اور پٹرو کیمیکل کی طرف زیادہ توجہ دی۔ میرے دادا یہ ترقی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ میرے باپ اور چچا نے جو ترقی کی اسے دیکھ کر میرے دادا کو 1960 کا زمانہ بچوں کا کھیل نظر آتا تھا۔ اب میرے باپ نے استقبالیہ میں میری چچی اور اس کے بیٹے سے ملاقات کی۔

''تم ہمیشہ کے لئے واپس آ گئے ہو؟''۔ انہوں نے میرے چچا زاد سے پوچھا۔

''جی نہیں'' اس نے جواب دیا۔ ''میں واپس جانے اور تعلیم جاری رکھنے کا سوچ رہا ہوں۔''

''اچھا ہوا تم اپنے باپ کی تدفین میں شریک ہو گئے۔ مگر تمہیں فوراً واپس چلا جانا چاہیئے تھا۔ تم نے خواہ مخواہ تین مہینے ضائع کر دیئے۔ تم سمجھتے ہو کہ میں ایک کمپنی اٹھا کر تمہاری ماں کے ہاتھ میں دے دوں گا؟''۔

''مجھے نہیں معلوم''

''میری چچی کا چہرہ سفید ہو گیا۔

''تمہیں معلوم ہونا چاہیئے'' میرے باپ نے کہا ''تمہارے باپ تمہیں کبھی معاف نہ کرتے اور میں تمہارے باپ کی جگہ ہوں۔''

''مگر بھائی صاحب'' آخر میری چچی بھی بول پڑیں۔

میرے باپ نے ان کی ایک نہ سنی اور اپنی بات جاری رکھی۔ ''تم اپنے باپ کی جگہ لو گے۔ اپنی تعلیم پوری کرو اور یہاں آ کر اپنے باپ کا کام سنبھالو۔ تمہیں پتہ چل جائے گا کہ یہاں آرام کرنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ ہمارے بہت سے مفادات ہیں جن کی حفاظت کرنا ہے۔ اس کے ساتھ ہی ہم اس کام میں انقلاب لانے کا بھی سوچتے رہتے ہیں اور جو کام پر توجہ دینے سے ہی آ سکتا ہے۔ یہاں ایسے لوگ بھی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں یہ سب کچھ محنت کئے بغیر ہی مل گیا ہے اور وہ ہر وقت ہمیں نقصان پہنچانے کا سوچتے رہتے ہیں۔ اگر

ہم انہیں سمجھا نہیں سکتے تو ضروری ہے کہ ان سے پیچھا چھڑا لیا جائے۔ بہت سے ایسے لوگ بھی ہیں جن کے ساتھ ہم نے اتنی مہربانیاں کی ہیں کہ انہیں ہمارا شکر گزار ہونا چاہیئے۔ میں مرتے دم تک نہیں بھولوں گا کہ تمہارے باپ کے ساتھ کتنی بری حرکت کی گئی ہے۔ ہم اس سے بڑی قربانی اور نہیں دے سکتے۔ اگر یہ دو قوموں کے درمیان ہوتا تو جنگ چھڑ گئی ہوتی۔ مذہبی جنگ کے لئے یہ وجہ کافی ہے۔''

''میں آپ کی بات سمجھ گیا'' میرا چچا زاد بولا۔''اس بارے میں کارخانے کے مزدور بھی یہ کہیں گے۔ وہ بھی اپنا مسئلہ مذہبی جنگ کے طور پر ہی پیش کریں گے اور کہیں گے انہوں نے اپنی حفاظت کے لئے یہ کام کیا ہے۔''

''اچھا اب اور بات کرو۔ امریکہ کے لئے تمہیں جتنی رقم کی ضرورت ہو وہ برانچ آفس سے لے لو۔''

اب میرے باپ چچی کی طرف مڑے۔ میرے چچا زاد نے جیسے کہا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی سلیقے سے نہیں بول سکتی تھیں۔ میرے باپ یہ باتیں فوراً ختم کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے چچی کو ایک لفافہ دیا جس میں تصویریں تھیں چچی کے لئے یہ ناقابل برداشت تھا۔ میرے باپ نے بڑی آسانی سے میری چچی اور چچا زاد کے درمیان ایک خلیج پیدا کر دی تھی۔ چچی کے لئے تو میرے چچا کی موت ان کی آزادی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو اتنا بڑا کام نہ کرتیں۔ میں نے وہ تصویریں نہیں دیکھیں جس میں چچی ایک اور آدمی کے ساتھ ہم بستری کر رہی تھیں۔ انہوں نے جیسے ہی ان تصویروں پر نظر ڈالی ان کی بھوئیں سکڑ گئیں اور منہ سے اوہ کی آواز نکلی۔ اب کہنے کو کچھ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ اٹھیں اور باہر چلی گئیں۔

میں اور میرے چچا زاد نے ڈائننگ روم میں ناشتہ کیا۔ اس نے پوچھا کہ کیا میں ہر روز سوئمنگ پول میں تیراکی کرتا ہوں؟۔ میں نے بتایا کہ مجھے اپنی بڑی کشتی بنانے کا شوق ہے اپنے باپ کی طرح۔ اگر میرا یہ خواب پورا ہو گیا تو میں دنیا بھر کے سمندروں میں تنہا گھوموں گا۔ اس کے لئے میں تربیت لے رہا ہوں۔ یہ سن کر میرے چچا زاد کے چہرے پر حیرت چھا گئی۔ اس نے پوچھا کہ ہم اس ملک کے اندر، اپنی ٹیکنالوجی سے ایسی کشتی بنا سکتے ہیں جس قسم کی کشتی میں چائچسٹر نے دنیا بھر کا سفر کیا تھا؟۔ اور کیا میں اس قابل ہوں کہ اسی مہم پر روانہ ہو سکوں؟۔ ہاں ہاں بالکل، میں نے کہا۔ تم جانتے ہو گے کہ امریکی آبادی دنیا کی

آبادی کا صرف آٹھ فیصد ہے پھر بھی وہ دنیا کا نصف حصہ استعمال کر جاتا ہے۔ اور افریقہ اور ایشیا کا ایک غریب آدمی ایک ہفتے میں جتنی کیلوریز استعمال کرتا ہے امریکہ کا ایک آدمی ایک دن میں استعمال کر لیتا ہے جب تک یہ تسلیم کیا جاتا رہے گا کہ کمزور پر طاقت ور کی حکمرانی ہی چلتی ہے اس وقت تک ہمارے ملک کی پوزیشن بھی تسلیم کی جاتی رہے گی۔ میں نے وضاحت کے ساتھ بتایا کہ کس قسم کی ٹیکنالوجی ہم درآمد کرتے ہیں۔ میرا چچا زاد بولا کہ میری باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔ میں نے اسے سمجھایا کہ میرے سوا اور کوئی اس کا ہمدرد نہیں ہوسکتا ہے اور ایسے وقت جب خاندانی جھگڑے نبٹائے جا رہے ہیں۔ اور میں نے اسے جنسی خواہشات کا فرق بھی بتایا۔

''میری عمر کے دوسرے لڑکوں کے مقابلے میں میری جنسی خواہشات بہت تیز ہیں۔ اور مجھے یہ خواہشات پوری کرنے کا موقع بھی بہت ملا ہے۔''

میرے چچازاد نے مجھے دیکھا۔''تم عجیب آدمی ہو۔ ایک بات کرتے کرتے دوسری کوئی بات شروع کر دیتے ہو۔''

''میں جانتا ہوں اس وقت میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ یہ تصویریں تو بہت سے لوگوں نے دیکھی ہوں گی۔''

''ٹھیک کہتے ہو'' میں نے کہا ''اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو جس آدمی نے تمہارے باپ کو قتل کیا تھا اس کی سزا کے بعد فوراً امریکہ چلا جاتا۔ میں سب کچھ بھول جاتا اور وہاں عیش کی زندگی گزارتا۔ فکر نہ کرو تمہارے حصہ کا منافع جمع ہوتا رہے گا۔''

''ہاں یہ صحیح ہے۔'' میرے چچا زاد نے اٹھتے ہوئے کہا ''تم ہر پہلو کو جانتے ہو۔ ہے نا ؟''۔

میں نے سوچا اب میں اس کی فکر نہیں کروں گا۔ میں نے اس سے کہا کہ اسے میں چھوڑ دوں گا مگر اس نے انکار کر دیا اور دروازے سے باہر چلا گیا۔ باہر بہت گرمی ہے گرمیوں کی دھوپ میرے چچا زاد کے پریشان حال جسم پر پڑی۔ ایک بار اس نے کہا کہ تمہاری عادتیں، تمہارا قد کاٹھ اور خیالات ایسے ہیں کہ تم معلوم ہی نہیں ہوتے کہ کہاں کے رہنے والے ہو۔ اس کا خیال ٹھیک تھا۔ اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ میرے اندر کوئی خرابی نہیں ہے۔

کبھی کبھی میں سوچا کرتا تھا کہ مستقبل میں میں کیا کروں گا۔ یہ تو ظاہر تھا کہ جلد ہی میں

بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ کام کرنے لگوں گا۔ میرے باپ کے مرنے سے پہلے ہی میرا چچا زاد بھی ہمارے ساتھ کام کرنے لگے گا۔ میں نے اپنے چچا زاد کو کبھی اپنے لئے مصیبت خیال نہیں کیا۔ میں تو بچپن سے ہی اپنے دونوں بھائیوں سے ڈرتا تھا۔ وہ دونوں بہت تیز اور طاقت ور تھے۔ ہمارا کھلونوں پر جھگڑا ہوتا تو میں ہار جاتا تھا۔ میرے ٹینک میرے جہاز، میری کھلونا کاریں، مشین گن حتیٰ کہ میرے کھلونا سپاہی تک چھین لیتے تھے اور میں اپنی بہن کی گڑیوں سے کھیلتا تھا۔

''روشنی بجھا دو، ہمارے بچے سو گئے ہیں'' میری بہن اپنی گڑیاں بستر پر لٹا دیتی اور مجھ سے کہتی میں بتیاں بجھا دیتا اور سوچتا کہ اب ہمارے بھائی آئیں گے اور اپنے ٹینک اور سپاہی ہمارے اوپر چڑھا دیں گے اور ہماری پر امن دنیا تباہ ہو جائے گی۔ پھر میرے بھائی حکم دیتے کہ بیٹھ کر پیشاب کرو۔ اگر ماں کے دوست سامنے ہوتے تو وہ مجھے گود میں اٹھا کر پیار کرتے اور کہتے کہ دیکھو کیون کتنا خوبصورت ہے۔ لڑکیوں سے بھی زیادہ پیارا۔''

پڑھائی میں ان سے آگے تھا مگر وہ استاد کو دھوکہ دیتے اور کتاب کو ہاتھ لگائے بغیر ہی اچھے مارکس لے جاتے تھے۔ میں دعا کرتا تھا کہ یہ دونوں مر جائیں اور میرا پیچھا چھوٹے۔ میری بلا سے مرنے کے بعد جنت میں چلے جائیں۔ میں رو رو کر یہ دعا مانگتا۔ یہ دعا میں نے اس وقت بھی مانگی جب میرے سب سے بڑے بھائی کا حادثہ ہوا تھا۔ وہ بڑا ہو گیا تھا اور ایک لڑکی کو کار میں بٹھائے جا رہا تھا کہ ایک درخت کے ساتھ اس کی کار ٹکرائی اور وہ ننگی لڑکی مر گئی۔ میں ہسپتال گیا تو وہ پٹیوں میں لپٹا بستر پر پڑا تھا۔ میری وہ دعا بھی قبول نہیں ہو ئی۔ دو ہفتے کے بعد میرا بھائی ہسپتال سے آ گیا۔ بھائی کی جگہ میری ماں کا ڈرائیور تھا نے گیا۔ حالانکہ اس وقت وہ نوکروں کے کمرے میں سویا ہوا تھا۔ دادا نے میرے باپ کو بلایا اور کہا کہ لڑکی کے باپ کو کافی رقم دے دو۔ دادا مرے تو میں نے ایک بھی آنسو نہیں بہایا۔ اپنی زندگی میں دادا ایک لفظ بہت استعمال کرتے تھے۔ اور وہ لفظ تھا ''قربانی۔'' لیکن اس قربانی کا ان کی اپنی زندگی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ میرے دونوں بھائی گھر سے چلے گئے تو میں نے سوچا کہ اب میرے باپ میری طرف توجہ کریں گے۔ وہ بہت خوش تھے کہ میں ان کے نقش قدم پر چلنا چاہتا ہوں اور ان کے ساتھ کام کرنا چاہتا ہوں۔ انہیں سب سے زیادہ جنگ سے ڈر لگتا تھا۔ یہ حیرت کی بات تھی مگر دوسری سماجی تبدیلیوں کی طرح جنگ بھی ان

کے لئے

بہت اہمیت رکھتی تھی۔ اس طرح کی تبدیلی ان سے ہر چیز چھین لیتی۔ یہ معلوم کرنے کے لئے مجھے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کے لئے میں بھی یہی سوچتا تھا۔ میں تو سب سے زیادہ اپنے بھائیوں سے ڈرتا تھا۔ چچا زاد بھائی سے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ وہ کمزور تھا میں اس کے ساتھ عدالت کے کمرے میں بیٹھا تھا جب ایک آدمی نے جس کا نام ہان چی سوپ تھا جو ہماری جنوب والی فیکٹری میں کام کرتا تھا، عدالت سے کہا کہ جس آدمی نے چچا کو قتل کیا اس نے کوئی جرم نہیں کیا۔

''حرام زادہ۔'' وہ ان لوگوں سے مختلف نہیں تھا جو بغاوت پر اکساتے ہیں۔

''کون؟''۔ میرے چچا زاد نے پوچھا۔

''وہ حرام زادہ صفائی کا گواہ

''تنگ نظر نہ ہو۔''

''تم پاگل ہوئے ہو؟۔ ایک ایسے آدمی پر مقدمہ چل رہا ہے جس نے ایک آدمی کی جان لی۔ تم بھول گئے؟''۔

''وہ وہی کہہ رہا ہے جو سمجھتا ہے۔ یہاں جتنے مزدور رہتے ہیں وہ سب یہی سمجھتے ہیں۔ تم کس کے ساتھ ہو؟''۔

اب اس سے بات کرنا بیکار تھا۔ میں چی سوپ کو معاف نہیں کروں گا۔ اس دن وہ جان بوجھ کر گندے کپڑے پہن کر آیا تھا۔ وہ بہت ہی بد دماغ اور شیطان آدمی تھا۔ وہ ہم سب کو مجرم قرار دے کر سچ کو چھپا رہا تھا۔ دوپہر کے وقت چلچلاتی دھوپ عمارتوں پر، درختوں اور سڑک پر چلنے والی کاروں کو جھلسا رہی تھی۔ لوگ سائے کی تلاش میں جلدی جلدی قدم بڑھا رہے تھے۔ وہ سب کے سب پسینے میں نہائے ہوئے تھے اور رومال سے اپنے چہرے پونچھ رہے تھے۔ بہت سے لوگ تو سیول شہر چھوڑ کر ہی چلے گئے تھے۔ میں نے عدالت کی عمارت کے سامنے کار کھڑی کی اور باہر نکلا اور گرم ہوا کے جھونکے نے میرا استقبال کیا۔ ہماری کمپنی کے سیکریٹریٹ کے لوگ بھی کار پارک سے باہر نکلے اور عدالت کے کمرے کی طرف چل دیئے۔ ان کے بائیں جانب پیڑ کے سامنے چند مزدور کھڑے تھے۔ میری چچی اور چچا زاد بھائی کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔ میں نے انہیں تین دن سے نہیں دیکھا

تھا۔ میں نے انہیں اس صبح کو دیکھا تھا جب وہ ہمارے گھر آئے تھے اور مایوس ہو کر واپس چلے گئے تھے۔ وہ الگ الگ گئے تھے میں آگے بڑھا تو پیڑ کے نیچے کھڑے مزدور خاموشی سے مجھے دیکھتے رہے۔ عدالت کی طرف جانے والے راستے پر لوگوں کی لمبی قطار تھی۔ وہ سب دھوپ میں کھڑے تھے۔ ان میں سے آدھے بھی اگر عدالت کے کمرے میں چلے گئے تو کمرہ بھر جائے گا۔ مگر وہ قطار بڑھتی جا رہی تھی۔ ان میں سے اکثر نوجوان تھے جن کی عمریں بیس سال زیادہ نہیں ہوں گی وہ اونگا نگ مل کے مزدور تھے۔ ان میں سے ایسے بھی تھے جن کو عدالت کے کمرے میں جانے کی کوئی امید نہیں تھی اس لئے وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئے تھے۔ میں آگے بڑھا تو دیکھا کہ ٹیلی فون بوتھ کے پاس دو لڑکیاں کھڑی تھیں۔ میں نے ان سے پوچھا کیا یہ بات صحیح ہے کہ مدعا عالیہ کا باپ بونا آدمی تھا؟۔انہوں نے مجھے لال لال آنکھوں سے دیکھا۔ ہمارا پلانٹ چوبیس گھنٹے چلتا ہے اور وہ لڑکیاں رات کی شفٹ پر کام کر کے آئی تھیں۔ اس لئے رات بھر نہیں سوئی تھیں۔ ایک لڑکی کچھ جھجھکی پھر بولی ''مجھے نہیں معلوم'' اس کے ساتھ والی لڑکی پہلے تو خاموش رہی پھر ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی کہ وہ مجھے بتانا نہیں چاہتی تھی کیونکہ اسے معلوم نہیں کہ میں کون ہوں اور کیوں پوچھ رہا ہوں۔ یہ کہنے کے بعد وہ ٹھہری پھر کہنے لگی اگر تم معلوم ہی کرنا چاہتے ہو تو سن لو اس کا باپ اصل میں دیو تھا۔ میں اس کی باتیں سن رہا تھا تو فیکٹری کے کئی مزدور قطار چھوڑ کر میرے پاس آ گئے۔ وہ پیڑ کے نیچے آ گئے کئی لڑکے بھی وہاں آ گئیں۔ ایک لڑکا بولا ''مجھ سے بات کرو''۔ میں نے کہا ''بولو۔'' کیا بات ہے۔''

''لوگ کہہ رہے ہیں کہ تم ہمارے چیئر مین کے بیٹے ہو؟۔کیا یہ سچ ہے؟''۔

یہ بات اس نے للکارنے کے انداز میں کہی تھی۔ اس سے میرے اندر آگ لگ گئی مگر میں نے غصے پر قابو پا لیا۔ میں نے کچھ نہیں کہا۔ پھر ان لڑکوں نے مجھے گھیر لیا۔ ان کے دھنسے ہوئے

گالوں کے اوپر صرف آنکھیں ہی جیتی جاگتی نظر آ رہی تھیں۔ پھر اچانک ایک گانے کی آواز آئی۔ یہ گانا مجھے غصہ دلانے کے لئے گایا جا رہا تھا۔

ہمارا چیئر مین

نیک دل انسان

وہ اپنی دولت میں لوٹتا ہے
ہمیں مزدوری دینے کے لئے

چھوٹا سا گیت تھا مگر میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ میرے لئے اس مزدور کی طرف دیکھنا بھی ممکن نہیں تھا۔ میں تو پوری طرح بڑا بھی نہیں ہوا تھا۔ میں نے اپنے آپ سے کہا۔ جو غصہ اور طیش اس کے اندر بھرا ہوا تھا وہ اس کے عمر اور قد سے بہت بڑا تھا۔ وہ لڑکے مجھے چڑانے کے لئے بار بار گیت گا رہے تھے۔ مجھے ڈر لگنے لگا۔ عدالت کے کمرے کے باہر جو لوگ کھڑے تھے وہ نہیں جانتے تھے کہ میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ مگر ہمارے کارخانے کے سیکریٹریٹ کے لوگ تو دیکھ رہے ہوں گے۔ میں نے سوچا یہ ہماری عزت کا سوال ہے۔ میں اپنی یا اپنے باپ کی عزت کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ اگر میری جگہ میرے بھائی ہوتے تو معاملہ مختلف ہوتا۔ یہ سوچ کر میں اور بھی پریشان ہو گیا۔ میرا دھیان گھر کی طرف چلا گیا۔ میں نے اپنے آپ کو اپنے باپ کا ریوالور اپنی جیب میں رکھتے ہوئے دیکھا۔ پھر ان کی آٹو میٹک رائفل میں گولیاں بھرتے دیکھا۔ پھر میں نے واپس آتے ہوئے اپنے آپ کو دیکھا۔ اور پھر میں نے ان کا نشانہ لیا۔

لیکن مجھے گولی چلانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ اب وہ لڑکے ایک عورت کو گھیرے کھڑے تھے۔ وہ عورت اپنے بیٹے کے مقدمے کا فیصلہ سننے آئی تھی۔ جس قاتل نے میرے چچا کو مارا تھا اس کا بیٹا تھا۔ اسکا دوسرا بیٹا اور بیٹی عورت کے ساتھ کھڑی تھی۔ وہ چھوٹے قد کی نہیں تھی۔ میں نے سوچا کہ ایک بونے آدمی کے ساتھ اس عورت کا میاں بیوی کا تعلق کیسا ہو گا۔ مزدور اس عورت کو عدالت کے کمرے تک لے گئے۔ میری چچی اور چچا زاد کا ابھی تک پتہ نہیں تھا۔ ایک معاملے کا دوسرے معاملے سے کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر بونے انسان باپ کا خاندان ہمیشہ مشکل میں رہتا ہے۔ اور خاندانی ذمہ داریوں سے وہ جتنا دور ہوتا جاتا ہے اتنا ہی زیادہ وہ حکم چلاتا ہے۔ اور فرماں برداری کا تقاضہ کرتا ہے۔ میں نے اس بونے آدمی کے بارے میں سوچا جسے میں نہیں جانتا تھا۔ وہ اپنے بچوں کی ذرا سی غلطی بھی معاف نہیں کرتے ہونگے۔ وہ انہیں سخت سزا دیتا ہو گا۔ اور بہت مارتا ہو گا۔ اپنے بچوں کے لئے وہ ظالم حاکم بنا ہوا ہو گا۔ اس کی طاقت اس کے قد کی وجہ سے نہیں ہو گی بلکہ چونکہ وہ محبت، عزت اور بھروسے سے واقف نہیں ہو گا اس لیے وہ تشدد پر اتر آتا ہو گا۔ اب چونکہ مر

گیا ہے اس لیے اس کا بڑا بیٹا نہیں جانتا کہ اب وہ کس پر اتنا غصہ رہتا ہے۔ البتہ غصہ اور طیش اس کے اندر کھولتا رہتا ہے۔ اور چونکہ وہ معاشرے میں اپنا مقام نہیں بنا سکا اس لئے اس نے اس کا بدلہ اس طرح لیا کہ میرے چچا کو قتل کر دیا۔ اسی قت میرا چچازاد بھی آ گیا۔ میں اسے ایک طرف لے گیا اور اسے بتایا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔ مگر اس نے میری بات نہیں سنی۔

''نہیں۔'' وہ بولا ''تم غلط کہتے ہو۔ تم اس بات پر یقین کرو جو اس نے عدالت کے سامنے کی ہے۔ میں جانتا ہوں میرے باپ چچا کے ساتھ مل کیا کام کر رہے تھے۔''

میں نے سوچا کہ اگر میرے بھائیوں نے باپ کے مرنے سے پہلے ہی اس چچا زاد کو اس کے حصے سے محروم کرنے کی سازش کی تو میں ان کا ساتھ دوں گا۔ چچا زاد نے اپنا پسینہ پونچھا۔ عدالت کے کمرے کا دروازہ کھلا اور مزدور اندر بھاگے۔ ہم دوسرے دروازے سے اندر گئے۔ اندر خوب اچھی ٹھنڈ تھی۔

''اس نے کیا کیا ہے کہ میرے اور تمہارے باپ نے یہ حرکت کی؟''۔

''ان کی زندگی بنا دی تھی۔'' میرے چچا زاد نے گیلری میں بیٹھے ہوئے مزدوروں کو دیکھتے ہوئے سرگوشی کی۔ ''اس نے کہا کہ وہ کہتے تو یہ تھے کہ انسانوں کے لئے کام کریں گے مگر اصل میں وہ انسانوں سے نفرت کرتے تھے۔''

''تمہاری زبان سے یہ الفاظ اچھے لگ رہے ہیں۔'' میں نے کہا ''حقیقت تو یہ ہے کہ انہوں نے کارخانے بنائے، انہیں کام دیا اور اس کا معاضہ دیا۔ یہاں جو لوگ موجود ہیں انہوں نے ہی اس سے زیادہ فائدہ اٹھایا ہے۔''

میرا چچا زاد مسکرا دیا۔ اس وقت عدالت کے کمرے میں اور کوئی نہیں مسکرا رہا تھا۔ ایک ایسے آدمی کے بیٹے کا مسکرانا اچھی بات نہیں تھی جسے قتل کیا گیا ہو۔ اور جس کے قتل کے مقدمے کا فیصلہ سنایا جانے والا تھا۔ میں نے ایک لڑکی دیکھی جو اونگا نگ مل کے مزدوروں کی لیڈر معلوم ہوتی تھی، وہ بونے آدمی کی بیوی اور بچوں کے ساتھ تھی۔ اس نے ملزم کے پیچھے ان سب کو بیٹھا دیا۔ اس وقت مہمانوں کی گیلری بھر چکی تھی۔ اور مزید لوگ اندر آنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک افرتفری مچی ہوئی تھی۔ عدالت کے ایک ملازم نے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا۔ میری چچی ابھی تک نہیں آئی تھیں۔ میرا چچا زاد چچی کے ساتھ ہی رہتا تھا۔

مگر وہ کہنے لگا کہ اس نے تین دن سے اسے نہیں دیکھا ہے۔ ہم جن لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے ان مین کمپنی کے ڈائریکٹر تھے اور سیکریٹریٹ کے وہ لوگ تھے جو عدالت کے فیصلے کے بارے میں میرے باپ کو بتائیں گے۔ پچھلی دیوار سے لگا ہوا ایئر کنڈیشنڈ ٹھنڈی ہوا پھینک رہا تھا۔ عدالت کے ہرکاروں نے مزدوروں کو ہدایت کی کہ وہ خاموشی سے بیٹھے رہیں۔

''ادھر جو بیٹھے ہو بات سنو۔ اپنی قمیص کے بٹن بند کرو۔''

ہرکارے نے کہا۔'' کچھ دن پہلے یہاں لوگوں نے رونا شروع کر دیا تھا۔ آج ایسا نہ کرنا۔''

''ہم رو بھی نہیں سکتے ؟''ایک عورت نے سوال کیا۔

''مجھے تمہارے رونے سے غرض نہیں ہے۔ تم زور زور سے نہ رو۔ یہ سینما نہیں ہے۔ اگر تم نے ہچکیاں لینا شروع کیں تو اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوگا۔''

''آپ سمجھتے ہیں کہ ہمارے پاس سینما دیکھنے کے پیسے ہوتے ہیں؟''۔

''تو پچھلی مرتبہ کی طرح تم رونا دھونا مچاؤ گے؟''۔

یہ کہہ کر ہرکارا چلا گیا۔ میں نے بھاری آواز والی کارخانے کی مزدور عورت کو دیکھنے کی کوشش کی۔ وہاں ایک بہت ہی بدشکل لڑکی کھڑی تھی۔ فیکٹری کی دوسری عورتوں کی طرح اس عورت کا بھی چوڑا چہرہ، چپٹی ناک، ابھری ہوئی گالوں کی ہڈیاں، چوڑے کاندھے، موٹے موٹے بازو، بڑے بڑے ہاتھ تھے۔ اس کا نچلا دھڑ بہت چھوٹا تھا اور چہرے کا رنگ بیماروں والا تھا۔ وہ انیس بیس سال کی ہوگی مگر وہ عورت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ آپ کسی بھی تنہا جزیرے پر ایک ہزار سال گزار لیں گے مگر اس کے ساتھ رشتہ قائم کرنے کا کبھی نہیں سوچیں گے۔ کارخانے کی مزدوری اس کی قسمت میں لکھی تھی۔ اور زندہ رہنے کے لئے وہ یہ کام کر رہی تھی۔ ہمیں اس کے بازوؤں کی ہی ضروت تھی۔ عدالت میں بیٹھے ہوئے مزدور اگر اپنے کام سے لطف لینے لگے تو میرے باپ کا ان پر کنٹرول ختم ہو جائے گا۔

میں بور ہو رہا تھا۔ عدالت کے کمرے میں ہر چیز اپنی جگہ تیار تھی۔ وقت ہو گیا تھا مگر کچھ بھی نہیں ہو رہا تھا۔ میرے لئے پریشانی کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ پہلا آدمی جو عدالت کے کمرے میں داخل ہوا وہ صفائی کا وکیل تھا۔ اس کے ہاتھ میں کاغذات تھے۔ وہ بونے آدمی کی بیوی کے پاس گیا۔ اس سے کچھ کہا اور اسے تسلی دینے کے لیے اس کا ہاتھ دبایا۔ وہ اٹھی

اور جھک کر اسے سلام کیا۔ وکیل نے گیلری کی طرف دیکھا اور دائیں جانب بیٹھ گیا۔ وہ جوان آدمی تھا اور عینک لگاتا تھا۔ لگتا تھا کہ وہاں بیٹھے لوگ جس عزت و احترام سے اسے دیکھ رہے ہیں اس سے وہ بہت خوش ہے۔ اسے دیکھتے ہی میرے دل سے غصہ ابھرا تھا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس قانونی نظام میں قاتل کو بچانے والے وکیل کو معاف کیسے کر دیا جاتا ہے۔ شروع ہی سے وہ میرے چچا کے قتل کو ایسے ظاہر کر رہا تھا جیسے کوئی جرم نہیں ہے۔ اور وہ اس واقعے کو غلط انداز میں پیش کر رہا تھا۔ ایسے موقع کے لئے کسی اور ہی وکیل استغاثہ کی ضرورت ہوتی مگر وہ استغاثے کا وکیل بہت اچھا تھا۔ جج نے میرے چچا کے قاتل کے نام، عمر، جائے پیدائش، گھر کے پتے اور رہنے کی تصدیق کر لی تو وکیل استغاثہ نے اپنا مقدمہ پیش کیا۔ اس نے الزاموں کی فہرست پیش کی، قتل، بغاوت، جائیداد کا نقصان، دھماکہ خیز مواد کی تیاری، اور سازش وغیرہ اور پھر اس نے جرم کی تاریخ، مقام اور طریقہء

واردات بتایا۔ سماعت آگے بڑھانے سے پہلے جج نے ملزم کو اس کے حقوق بتائے اور کہا کہ اگر وہ چاہے تو کسی بھی سوال کو جواب دینے سے انکار کر سکتا ہے۔

''کیا یہ سچ ہے کہ اونگا نگ فیکٹری میں کام کے دوران تم نے پندرہ سٹڈی گروپ قائم کئے تھے؟''

''جی، یہ سچ ہے۔''

''اور ان کے ارکان کی تعداد ایک سو پچاس تھی؟'' اور وہ سب اسی کارخانے میں کام کرتے تھے؟''

''جی''۔

''وہ ایک سو پچاس ارکان کو دس رکن فی کس اور رکن بنانا تھے؟۔ اور اگر ہر گروپ لیڈر کو کچھ اعلان کرنے کو کہا جاتا تو تھوڑے ہی وقفے میں وہ بات پندرہ ہزار مزدوروں تک پہنچ جاتی؟''۔

''میں سمجھا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''۔

''ٹھیک ہے، اچھا یہ بتاؤ، تم نے فلاں تاریخ کو یہ ہدایت جاری نہیں کی تھیں تمام مزدور کام بند کر دیں اور باہر اکٹھے ہو جائیں؟''۔

MashalBooks.org

''جی میں نے کہا تھا۔''

''اور سب نے ایسا ہی کیا تھا؟''

''جی''۔

''تم نے سب مزدوروں سے کہا تھا کہ بھوک ہڑتال کردو۔اور پھر تم نے اور دوسرے مزدوروں نے کارخانے میں گھس کر مشینیں توڑ ڈالی تھیں؟''۔

''نہیں، یہ صحیح نہیں ہے۔ ہماری مقامی یونین کے صدر نے جب مجھے بتایا کہ کچھ مزدور کام چھوڑ کر ویونگ سیکشن میں چلے گئے ہیں اور مشینیں توڑنا چاہتے ہیں تو میں وہاں بھاگا اور انہیں
روکا۔ ایک مزدور نے ایک کرگھا تھوڑا سا خراب کیا تھا مگر وہ ایسا تھا کہ آسانی سے اس کی مرمت کی جاسکتی تھی۔''

''سوڈیم، نائٹریٹ،سلفر اور کوئلے تمہارے کمرے میں پائے گئے ہیں وہ کون لایا؟''۔

''میں لایا۔''

''تمہیں ان کی کیا ضرورت تھی؟''۔

''میں دھماکہ خیز مواد بنانا چاہتا تھا۔''

''اور تم نے بنایا؟''۔

''شروع کیا تھا مگر پھر چھوڑ دیا۔

''تو تم یہ جانتے ہو کہ سوڈیم نائٹریٹ۔سلفر اور پتھر کے کوئلے سے خطرناک چیز بن سکتی ہے جس سے دھماکہ کیا جاسکتا ہے؟''

''جی، میں جانتا ہوں۔لیکن اس کے تجربے کے لئے میرے پاس کوئی مناسب جگہ نہیں تھی اور پھر یہ بھی خیال تھا کہ اگر میں نے دھماکہ کیا تو معصوم لوگ بھی مارے جائیں گے۔اس لئے میں نے ارادہ ترک کر دیا۔''

''ہوں،تو تم نے دھماکہ خیز مواد بنانے کا خیال چھوڑ دیا اور پھر چھرا خریدا؟''۔

''جی''۔

''یہی چھرا ہے نا؟''۔

''جی، یہی ہے۔

اب مقدمے کی کاروائی جاری رکھنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ بونے آدمی کے بیٹے نے کسی شرم کے بغیر اپنا جرم مان لیا تھا۔ اس نے بتایا کہ وہ میرے باپ کو مارنے آیا تھا لیکن غلطی سے میرے چچا کو مار دیا کیونکہ وہ شکل میں میرے باپ سے ملتے تھے۔ اس وقت میرے باپ اپنے دفتر میں بیٹھے حساب کتاب کر رہے تھے اور چچا لفٹ میں بیٹھ کر چند کاروباری لوگوں سے میٹنگ کرنے جا رہے تھے۔ اسی وقت مجرم سیکورٹی اہلکاروں کی غفلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سنگ مرمر کے ستون کے پیچھے سے برآمد ہوا اور اس نے میرے چچا پر چھرے سے حملہ کیا۔ چھرا ان کے سینے میں لگا اور وہ وہیں گر گئے۔ میرا چچا زاد یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ اس کے باپ نے تکلیف محسوس کی تھی یا نہیں؟۔ مگر وہاں تو وقت ہی نہیں تھا کیونکہ زخم بہت گہرا تھا۔ یہاں مقدمے میں ایک نیا رخ پیدا ہوتا ہے۔ ہمارا قانون بہت فراخ دل ہے حتی کہ خطرناک مجرم کو بھی وہ صفائی کا موقع دیتا ہے۔ اگر میرا بس چلتا تو جونہی اس مجرم کا بیان اور گواہوں کی شہادتوں میں اتفاق ملتا میں ہجوم کے سامنے قاتل کو پھانسی پر چڑھا دیتا۔ اگر ہم دوسروں کی ہڈیاں توڑنے والوں کو سزائیں دیں گے تو سارے ملک میں ٹوٹی ہوئی ہڈیوں والے انسانوں کی اکثریت ہو جائے گی اور قبر میں بھی ٹوٹی ہڈیاں ہی لے کر جائیں گے۔ میرے چچا تو قبر میں چلے گئے مگر ان کا قاتل جسے اونگا نگ فیکٹری کے مزدوروں کے سامنے پھانسی پر چڑھنا چاہیئے تھا تا کہ مزدور یہ دیکھتے اور عبرت حاصل کرتے، وہ پولیس کی حفاظت میں عدالت میں پیش ہو رہا ہے اور عدالت میں جو گواہیاں پیش کی گئی ہیں ان سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اونگا نگ کے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی تکالیف کے ذمہ دار ہم ہیں۔ ہمارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ مجھے تو ایسا لگتا تھا کہ صفائی کے وکیل کا ہر سوال مجرم کے اقدام کا جواز پیش کرنے کے لیے تھا۔ جرح کرنے والا وکیل اور گواہی دینے والے مزدور ایسی باتیں کر رہے تھے جن کا اصل مقدمے سے کوئی تعلق ہی نہیں تھا حالانکہ استغاثہ کے وکیل اور جج ان پر اعتراض کر رہے تھے۔ ان کے بیان سے ظاہر ہوتا تھا کہ پورا معاشرہ بدعنوان ہے اور اس کی دھجیاں بکھیرنا چاہتے ہیں۔ وکیل نے کہا کہ ملزم اپنے خاندان کا سب سے بڑا بیٹا ہے اور چھوٹے بہن بھائیوں کا بہت پیارا بھائی ہے۔ کارخانے میں وہ بہت محنتی اور ذمہ دار کارکن ہے اور اپنے ساتھی مزدوروں کے مسائل کا خیال رکھتا ہے اور انہیں حل کرانے کی کوشش کرتا ہے اور مزدور انجمن کا نہایت فعال کارکن

ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں وہ بہت پڑھاکو تھا اور اس نے محنت کشوں کی مسائل پر بہت سی کتابیں پڑھی ہیں۔ وہ لوگوں سے پیار کرنے والا انسان ہے۔ اب صحیح یا غلط اس نے قتل کا جو ارتکاب کیا ہے اس کے لیے اس کے پاس وجہ موجود ہے۔ اس طرح اس نے کم تنخواہوں، تنخواہ کے ساتھ چھٹی اور برطرف اور معطل کئے جانے والے مزدوروں کی بحالی کا سوال اٹھایا اور اگر چہ کارخانے میں امن وسکون قائم رکھنے اور انتظامیہ کے ساتھ اچھے تعلقا ت قائم رکھنے کی بہت کوشش کی مگر انتظامیہ کے ساتھ کوئی سمجھوتا نہیں ہو سکا۔ انتظا میہ نے یک طرفہ طور پر سمجھوتے کی خلاف ورزی کی اس سے مزدوروں کے ساتھ اس کے تعلقات خراب ہوئے اور کارخانے کا امن وسکون بر باد ہوا۔انتظامیہ نے یونین کو پر امن جلسے جلوس کی اجازت نہیں دی اور ان کے حقوق پامال کئے۔ اس کے بعد وکیل نے سوال کیا کہ کیا یہ وجہ کافی نہیں ہے کہ ملزم طیش میں آ گیا اور اس شخص کو قتل کرنے کا ارادہ کر لیا جو ان سب مسا ئل کا ذمہ دار تھا، یعنی کا رخانے کا چیئر مین، بونے آدمی کا بڑا بیٹا کھانسے جا رہا تھا۔ یہ پہلی بار تھی کہ میں نے اس کا سر جھکا ہوا دیکھا۔ اس کی بہن نے اپنے آنسو پونچھنے کے لئے آنکھوں پر رومال رکھ لیا۔ وہ تو اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئی مگر اس کے پیچھے بیٹھے ہوئے کئی مزدور عورتیں اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکیں اور بلک بلک کر رونے لگیں۔ عدالت کے ہر کارے نے انہیں خاموش کرایا۔

بونے کے بڑے بیٹے نے سر اٹھایا۔''میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا۔'' وہ بولا۔

''کیا کہا؟''۔ وکیل صفائی نے کہا۔''پھر بتاؤ کیا کہہ رہے تھے؟''۔

''میں نے کہا، میں نے قتل کر کے کوئی غلط کام نہیں کیا۔''

وکیل کے چہرے پر عجیب سا تا ثر ابھرا۔''اگر یہی با ت ہے تو کیا تم بتا سکتے ہو اس وقت تمہاری دماغی حالت کیسی تھی؟''۔

''اس وقت میں وہاں کھڑا تھا جب کارخانے کے مزدوروں نے، جنہوں نے ہر قسم کی تکلیفیں بر داشت کی تھیں، اچانک رونا شروع کر دیا۔ وہ پندرہ سو مزدور جنہیں ایسے کاموں کا عادی ہو جانا چاہیئے تھا، رو رہے تھے۔ میں نے یہ ساری بات کارخانے کے اندر اور باہر بہت سے لوگوں کو بتائی، اور وہ لوگوں کو جو پڑھے لکھے تھے، سمجھ دار تھے مگر ان کی سمجھ میں بات نہیں آئی۔ کسی

نے میری بات کا اعتبار نہیں کیا۔''

''نہیں میں اعتبار کرتا ہوں۔''

''یہ آدمی انسانوں کے بارے میں سوچتا ہی نہیں۔''

''اس قتل کے پیچھے یہی وجہ ہے۔''

''کتیا کا بچہ۔''میں چیخا، لیکن کسی نے توجہ نہیں دی، حتی کی میرے چچا زاد نے بھی جو میرے ساتھ بیٹھا تھا۔ میرے باپ ایسے لوگوں کو گھاس ہی کیوں ڈالتے تھے۔ یہ ظالم انسان نہیں جانتا تھا کہ میرے باپ کو بہت کام تھے۔ وہ منصوبے بناتے تھے، فیصلے کرتے تھے، ہدایات دیتے تھے اور ان پر عمل کراتے تھے۔ میں خوب جانتا تھا کہ اس دنیا میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کا ارتقارک گیا ہے وہ قد میں بھی چھوٹے رہ گئے ہیں لیکن ان کے دل غلا ظت سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ اس زندگی سے نفرت کرتے ہیں جو ہم بسر کرتے ہیں۔ ہم یہ زندگی محنت اور اپنی عقل سے بسر کرتے ہیں۔ ہم کاروبار کرتے ہیں، کارخانے لگاتے ہیں، دولت اکٹھی کرتے ہیں، اوجارہ داریاں قائم کرتے ہیں اور یہ غلیظ لوگ الزام لگاتے ہیں کہ ان کے اندر زہریلی گیس بھرتی رہتی ہے۔ اگر وہ اپنی غربت اور زہریلی گیس کا الزام میرے باپ پر لگاتے ہیں تو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنی مرضی سے کام کرنے آتے ہیں۔ ان کی غربت انہیں کارخانوں میں لاتی ہے۔ اگر انہیں یہ کام پسند نہیں ہے تو نوکری چھوڑ دیں۔ اصل میں تو ان کارخانوں میں آنے کے بعد ان کی زندگی اور ان کے حالات بہتر ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کا غصہ ختم نہیں ہوتا۔ ان کے دماغوں میں ایک ایسا معاشرہ بھر گیا ہے جہاں سب مل جل کر خوشیاں منائیں حالانکہ ایسا معاشرہ کبھی رہا ہی نہیں۔ اسی لئے وہ اپنی خواہشات دباتے ہیں، دوسروں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور خوشیوں سے انکار کرتے ہیں۔

میں ان سنکی لوگوں سے بیزار ہو گیا تھا جو ہمیشہ آدرش کو حقیقت سے ملاتے رہتے ہیں اور ان میں سے ایک بدمعاش یہاں تک چلا گیا کہ اس نے قتل بھی کر دیا اور اس کا وکیل اس کی صفائی

پیش کرنے کے لئے اس طرح کے لوگوں کو گواہی کے لیے بلا رہا ہے تا کہ وہ سزا سے بچ جائے۔ ان میں سے ایک جی سوپ ہے۔ جب وہ گواہی دینے آیا اور یہ قسم کھائی کہ جو کہوں گا سچ کہوں گا اور سچ کے سوا کچھ نہیں کہوں گا، اور اگر وہ جھوٹ بولے تو سزا کا مکلّف ہو گا تو

مجھے فوراً شک ہوا کہ اصل مجرم یہ ہے۔ یہ بتایا گیا تھا کہ وہ جنوبی کارخانے سے آیا ہے اور اس کی صرف آٹھ انگلیاں ہیں۔ اس کی دو انگلیاں میرے باپ کے کارخانے میں کٹ گئی ہوں گی۔ اس کی ناک ٹوٹی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں کے نیچے زخم کے نشان تھے۔ میں نے شروع سے ہی فیصلہ کر لیا تھا کہ میں اس کی بات نہیں سنوں گا۔ گواہوں کے کٹہرے میں آٹھ انگلیوں والے آدمی کا کھڑا ہونا میں برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ میرے خیال میں اس کی کٹی ہوئی دو انگلیاں اپنے ساتھ اس کی سوجھ بوجھ بھی لے گئی تھیں بلکہ وہ ایک اور چیز بھی کھو بیٹھا تھا اور وہ تھی حقیقت پسندی۔ میں نے آنکھیں بند کر لیں۔ جھیل کا رنگ، گرم دھوپ، پیڑ اور گھاس، ان میں چلتی ہوئی نرم نرم ہوا، جھیل کے پانی میں دوڑتی ہوئی موٹر بوٹ، ایک لڑکی عجیب وغریب عادتوں والی اور دوپہر کی میٹھی نیند، یہ چیزیں تھیں جن کے بارے میں میں نے سوچنا شروع کر دیا تھا تا کہ میں ان کا بیان نہ سن سکوں۔ شہد کی مکھیوں کے چھتے، اور ہرنوں کے جھنڈ، نیند سے اٹھنے کے بعد میرے لئے تیار کھانا، میں نے کتابیں پڑھنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے مستقبل کی تیاری اور معاشی تاریخ پر کتابیں پڑھنی چاہئیں۔ میرے باپ چاہتے تھے کہ ان کے لئے ایسی کتابیں پڑھوں۔ میں نے معیشت پر پہلے ہی کافی کتابیں پڑھ لی تھیں۔ مجھے ان مقامات پر ہنسی آ گئی تھی جہاں والٹر اسکاٹ کے اقتباس دیئے گئے تھے۔ وہ کارخانوں کا علاقہ تھا جہاں مزدوروں کا استحصال کیا جاتا تھا۔ میں دیکھ کر پریشان ہوتا تھا اور اس نے لکھا تھا کہ یہ بارود سے بھرا ہوا علاقہ ہے اور کسی دن یہ دھماکے کے ساتھ پھٹ جائے گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اخلاق کا درس دینے والے اس وقت بھی موجود تھے۔ ذرا سوچو، یہ الفاظ پڑھ کر مزدور کتنے خوش ہوئے ہوں گے، اخلاق کا درس دینے والے ان لوگوں کے نزدیک مانچسٹر اور بریڈفورڈ میں جو ترقی شروع ہوئی تھی وہ بارود کا ڈھیر تھا جو دھماکے سے اڑ سکتا تھا۔ آخر میرا تجسس ختم ہو گیا۔ اب

میں ان کی باتیں سننے لگا۔ میں نے سنا کہ چی سوپ کہہ رہا تھا۔ ''ملزم ایسی حرکت کرنے پر مجبور کر دیا گیا تھا۔'' اس پر وکیل صفائی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور بولا۔ صاف صاف بتاؤ۔ کس نے اسے مجبور کیا تھا؟۔ یہ ثابت کرنے کے لئے ملزم ایسی حرکت کرنے پر مجبور ہو گیا تھا اس نے ملزم کے حالات زندگی بیان کرنا شروع کئے کہ اس کی ماں اپنے تین بچوں کو کیسے پالتی تھی اور ان کی زندگی کیسے گزر رہی تھی اور تینوں بہن بھائی اونگانگ کے کارخانوں میں کیسے

جانوروں کی طرح کام کرتے تھے مجھے غصہ آ گیا۔ اب میں نہیں سن سکتا تھا۔ اس نے ہر چیز کی قیمت بیان کرنا شروع کر دی کہ وہ اتنی کم آمدنی میں کیسے کھانے پینے کی چیزیں خریدتے ہیں، ان کا خرچہ کیسے پورا ہوتا ہے۔ وہ کارخانوں کی پیداوار بڑھانے کے لئے جتنی محنت کرتے ہیں اس کے حساب سے بہت ہی کم تنخواہ ملتی ہے۔ مجھے یہ بھی سننا پڑا کہ اونگا نگ گروپ کتنا بڑا صنعتی گروپ ہے اور میرے باپ اس کے سربراہ ہیں اسے مسلسل حکومت کی حمایت حاصل ہوتی رہتی ہے۔ اس کی انتظامیہ میں بہت ہی پڑھے لکھے لوگ شامل ہیں وہاں اعلیٰ دماغ کام کرتے ہیں اور یہ کہ اس کی پالیسی یہ ہے کہ کم تنخواہ دے کر زیادہ سے زیادہ منافع کمایا جائے۔ اس وقت تک سب کی سمجھ میں آ گیا تھا کہ یہاں مسئلہ انسانوں کی ذلت، ماحول، آلودگی اور استحصال کا ہے۔ چی سوپ یہی کہہ رہا تھا۔ چنانچہ بونے کا بیٹا میرے باپ کے بارے میں جو کہہ رہا تھا وہ سچ تھا۔ اور اس نے میرے باپ کے بارے میں جو سوچا تھا وہ لازمی تھا کیونکہ میرے باپ ہی ظلم وستم کا مرکز تھے۔ وکیل صفائی نے چی سوپ سے پوچھا کہ ظلم وستم سے اس کی کیا مراد ہے۔ اس کا جواب چی سوپ نے یہ دیا کہ میرے باپ کا ظلم یہ ہے کہ وہ کارخانے کے مزدوروں کو پوری تنخواہ نہیں دیتے جس کی وجہ سے مزدور اپنے اخراجات پورے نہیں کر سکتے۔ چنانچہ مزدور خوف زدہ رہتا ہے کہ وہ اور اس کا خاندان بھوکا مر جائے گا۔ ایک بھی ایسا مزدور نہیں ہے جو اس ظلم سے خوف زدہ نہ رہتا ہو۔ اگر کوئی شخص اس ظلم کے خلاف آواز نہ اٹھاتا ہو اور مزاحمت نہ کرتا ہو تو وہ بہت ہی بے وقوف ہو گا یا پھر زندگی سے بیزار ہو گیا ہو گا۔ جوں جوں میں یہ باتیں سن رہا تھا میرا غصہ بڑھتا جا رہا تھا۔ ان کی باتیں سن کر لگتا تھا کہ اس دنیا میں سب سے

بڑے ظالم ہم ہیں وہ نہیں ہیں۔ ہم نے صرف انسانی وقار کو ہی ٹھیس نہیں پہنچائی بلکہ ہم نے ایک ایسا طبقہ بھی پیدا کر دیا ہے جو انسانوں کے درمیان امتیاز پیدا کرتا ہے۔ حالانکہ قانون کے سامنے سب انسان برابر ہیں۔ ہم نے انسانوں سے ان کے انسان ہونے کا حق بھی چھین لیا ہے۔ میں بڑی مشکل سے اپنا غصہ دبا رہا تھا۔ چی سوپ نے سوال کیا کہ کیا مزدوروں اور انتظامیہ کے درمیان اصل جھگڑا تنخواہیں بڑھانے اور برطرف مزدوروں کو بحال کرنے کا تھا ؟۔ جی یہی جھگڑا تھا، اسی نے جواب دیا۔ اگر آپ کی قوت خرید کی کمی کو تنخواہوں سے منسلک کریں تو بات آپ کی سمجھ میں آ جائے گی۔ اور ان مزدوروں کی بحالی کا

مطالبہ بھی جائز ہے جنہیں اس الزام میں نکالا گیا کہ وہ یونین کی کلاسوں میں شریک ہوتے تھے اور کمپنی کے چرچ کی بجائے دوسرے چرچ میں عبادت کرنے جاتے تھے۔ اور وہاں جا کر باغیانہ گانے گاتے تھے۔ اب جہاں تک معاوضے کے ساتھ کام کرنے کا تعلق ہے تو انہوں نے جو کام سیکھا ہے کارخانے کا کام ہی ہے۔ اور کسی جواز کے بغیر نوکری سے نکالنا مزدور قوانین کی دفعہ ایک سیکشن 2 کی خلاف ورزی ہے۔ یہ قوانین معیشت کی ترقی کی رفتار برقرار رکھنے کے لئے بنائے گئے ہیں۔

''اور مجھے معلوم ہوا کہ جنرل کونسل اور یونین کے الیکشن کے بارے میں تشویش پائی جاتی ہے کیونکہ انتظامیہ کے ساتھ کوئی بات چیت نہیں ہوتی ہے''۔ چی سوپ نے کہا ''اس لئے یونین کے ارکان کو میرا مشورہ یہ ہے کہ وہ اسے ملتوی کر دیں۔ لیکن بظاہر ایسا ہوتا نظر نہیں آتا۔''

''کیوں؟''۔ وکیل صفائی نے پوچھا۔

''اس لئے کہ کمپنی یہ کام جلدی سے جلد ختم کرنا چاہتی ہے۔ بلکہ انہوں نے اپنی الیکشن کمیٹی بنا دی ہے۔''

''اور یہ کہاں ہوگا؟''۔

''خیال ہے کہ جنرل کونسل کے اجلاس میں الیکشن کمیٹی کا انتخاب کیا جائے گا۔''

''اس لئے کمپنی کی کمیٹی غیر قانونی ہے؟''۔

''جی۔''

''پھر کیا ہوا؟''

کمپنی کے لوگوں نے اپنے آدمی کھڑے کرائے۔ پھر نا مزدگی کی تاریخ اور قریب کر دی۔ چنانچہ لوکل یونین کے اسٹیورڈ نے اجلاس طلب کر لیا مگر کمپنی نے اس کی اجازت نہیں دی۔ پھر مدعا علیہ کم یونگ سو اور کمپنی کے چند دوسرے ارکان کو کچھ لوگوں نے مارا پیٹا تو میں حالات معلوم کرنے اونگا نگ گیا۔''

''ابھی ان کا علاج ہو رہا تھا کہ وہ وہاں سے چلے آئے۔ ان کا ارادہ سیول جانے کا تھا۔''

''میرا خیال ہے ان کا ارادہ ہیڈ کوارٹر میں اعلیٰ افسروں سے ملنے کا تھا۔ یونگ ہو سمجھتا

تھا کہ یہاں مینجنگ کمیٹی کے جو لوگ ہیں وہ انصاف سے کام نہیں لے رہے ہیں، لیکن انتظامیہ کے غنڈوں نے انہیں بسوں کے اڈوں پر پکڑ لیا اور وہ سیول نہ جا سکے۔ مجھے یونگ ہو سے معلوم ہوا کہ وہ غنڈے انہیں پکڑ کر کپاس کے گودام میں لے گئے جہاں کپاس کی گانٹھیں رکھی جاتی تھیں اور وہاں جا کر انہیں خوب مارا پیٹا۔''

''اور دوسرے کارخانے کے تمام مزدوروں نے کام بند کروا دیا اور میدان میں جمع ہو گئے؟''

''جی۔''

''آپ بتائیں گے کہ اس وقت اور کیا ہوا؟''۔

''یونین کے اسٹیورڈ نے سب کو بتایا کہ کیا واقعہ پیش آیا تھا۔ جب یہ بتایا گیا تو یونین کے بہت سے ارکان ایک دوسرے سے لپٹ کر رونے لگے۔ جو لوگ بہت زیادہ پریشان ہوئے وہ کارخانے سے باہر نکل آئے اور یونین کا ترانہ گانے لگے۔ یونگ ہو انہیں تسلی دینے لگا اور اس نے ان سے کہا کہ وہ اپنی ٹریڈ یونین کو بچائیں کیونکہ یونین ان سے چھینی جا رہی ہے۔ یونین ان کی ہے اور انتظامیہ اس پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔ یونین ان کی جان اور ان کی زندگی ہے۔ اس نے ان سے کہا کہ اپنا عزم ظاہر کرنے کے لئے وہ ایک خاص وقت تک دیکھنا، سننا، بولنا، اور کھانا بند کر دیں۔ اور مزدوروں نے یہی کیا۔

''کیا یونگ ہو نے مظاہرے کرنے والے مزدوروں کے ساتھ مل کر مشینیں توڑیں؟''۔

''کسی چیز کی توڑ پھوڑ بری بات ہے۔ اور قیمتی مشینوں کا توڑنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے کبھی نہیں سنا کہ یونگ ہو نے کوئی بھی چیز توڑی ہو۔''

''اگر آپ مجھے معاف کریں اور اچانک اس کہانی کے آخری حصے پر پہنچ جائیں تو کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اس کے بعد یونین کا کیا ہوا؟''۔

''بس یہ تماشہ یونہی چلا جا رہا تھا اور ان لوگوں کے اصل چہرے سامنے آ رہے تھے۔ ظاہر ہے یونین ٹوٹ گئی تھی۔ یہ چی سوپ نے جواب دیا۔ یہ بات غلط تھی۔ کمپنی کے ماہانہ اجلاس میں میرے باپ نے کہا تھا ٹریڈ یونین خواہ اس پر ہمارے آدمیوں کا ہی قبضہ ہو اور خواہ وہ کتنی ہی پابندیوں کے ساتھ کام کر رہی ہیں کمپنی کے مفاد میں نہیں ہے۔ ایک دن

انہوں نے خبردار کیا کہ وہ لوگ جو راکھ میں انگارے تلاش کررہے ہیں ایک دن وہ سارے کارخانے کو آگ لگا دیں گے اور ہمیں تباہ کردیں گے۔ اس لئے اس پر قابو پا لینا چاہیے۔میں نے یہ سب اپنے باپ کے دفتر میں ایک فائل میں دیکھا تھا۔انہوں نے یہی کہا تھا ایک لفظ کم نہ زیادہ، میرے باپ کے ذہن میں ان کی اپنی پوزیشن ہوگی۔ وہ ہمیشہ کہتے تھے کہ ٹریڈ یونین شیطان کی ہنڈیا ہے جو ہمارے پورے ادارے کو تباہ کر دے گی۔لیکن یہ با ت انہوں نے فائل میں کسی کاغذ پر نہیں لکھی تھی۔ چلو کہہ لو کہ میرے باپ ہمارے کئی کارخانے کے افسروں کو سرزنش کرتے تھے کہ انہوں اپنے کارخانے میں یونین بنانے کی اجازت دے دی ہے۔ یا ہنگاموں کے دوران کسی کارخانے میں یونین بن گئی تو میرے باپ نے اسے توڑ دیا ہو۔آپ یہ سوچیں کہ اس سے ان کی پوزیشن کو کتنا نقصان پہنچتا۔اب وکیل صفائی نے چی سوپ سے سوال کیا کہ کیا آخر میں وہ کوئی بات کرنا چاہتا ہے؟۔کچھ بھی ہو وہ بونے آدمی کے بڑے بیٹے کو اچھی طرح جانتا ہے۔ چی سوپ نے کہا ان کے بہت اچھے تعلقات تھے۔ وہ مزدوروں کی یونین کے بارے میں بات چیت کرتے تھے۔ مزدور تحریک ان کا موضوع ہوتا تھا آخر کار بونے آدمی کے بیٹے کو اپنے آدرش کے لئے بہت تکلیفیں اٹھانا پڑیں اور آج جو وہ عدالت کے کٹہرے میں کھڑا ہے اسکی وجہ اس کے آدرشوں کا ٹوٹنا ہے۔ اب مجھے ان لوگوں کے بارے میں یقین ہو گیا کہ ان کی نیت کیا ہے۔ چی سوپ نے کہا کہ شروع سے ہی یونگ ہو سمجھتا تھا کہ مالک اور مزدور دونوں ہی کارخانے کی پیداوار کا حصہ ہیں۔ یہ دو الگ الگ طبقے نہیں ہیں اور یہ بات سب جانتے ہیں۔ وہ بہت سوچ سمجھ کر بول رہا تھا ایک ایک لفظ پر زور دے کر۔ اس وقت اس کے اسٹینڈ پر رکھے ہوئے ہاتھ لرز رہے تھے۔اس کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اُٹھ ہی تھیں۔ بونے آدمی کے بیٹے کا سر اٹھا ہوا تھا۔اس کے پیچھے بیٹھی ہوئی اس کی ماں اپنے آنسو پونچھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ میرا شبہ صحیح تھا جس شخص نے بونے آدمی کے بیٹے کو بھڑکایا تھا وہ چی سوپ ہی تھا۔ دونوں کا ایک ہی آدرش تھا اور وہ تھا محبت،اس کی بنیاد پیار پر تھی دو انسانوں کو تکلیف میں مبتلا نہیں کرتے تھے۔ ہم کرتے تھے۔ وہ مظلوم تھے۔اس نے اپنی آٹھ انگلیاں اسٹینڈ سے اٹھا لیں اور اپنے میلے کچیلے کپڑوں کی جیب سے نہایت ہی گندہ رومال نکالا۔اس گندے

رومال سے اس نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

''ہم نے کچھ اور انتظار کیا۔

''میں پرسوں چلا جاؤں گا۔'' میرے چچا زاد نے کہا

''اچھی بات ہے'' میں نے کہا ''میرا خیال ہے میں بھی جرمنی چلا جاؤں گا۔''

''کیوں؟''۔

''وہاں کروپ اور ٹائی سن گروپ ہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کیسے کام کرتے ہیں۔ میرے بھائی آجائیں گے تو میں جرمنی پڑھنے کے لئے چلا جاؤں گا۔''

میں سیکریٹریٹ کے لوگوں اور ایگزیکٹیو ڈائریکٹروں وغیرہ کے ساتھ بیٹھے انتظار کر رہا تھا۔ عدالتی ہرکارہ اندر آیا اور کمرے کے وسط میں اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ کمرہ گرم ہوتا جا رہا تھا کیونکہ تمام کھڑکیاں بند تھیں۔ حبس بڑھ رہا تھا وہاں جو مزدور جمع تھے ان کے جسموں سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ ایئر کنڈیشنڈ سے آنے والی ہوا ابھی ان کے جسموں کی بدبو کم نہیں کر سکی تھی۔ کاش لوگ اپنے جسم کی بدبو اپنے آپ تک ہی رکھتے تو میں وہاں بیٹھنا برداشت کر سکتا تھا۔ میرا چچا زاد گیلری کی طرف بڑھا جیسے اسے کچھ ہو گیا ہو۔ چی سوپ نظر نہیں آ رہا ہے وہ بولا۔ میں نے بھی مڑ کر دیکھا، وہ صحیح کہہ رہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ اس نے عدالت کا فیصلہ سننے کے لئے یہاں انتظار کیوں نہیں کیا۔ ہماری طرح بونے آدمی کے چھوٹے بیٹے نے بھی مڑ کر دیکھا۔ اس کی ماں نے اسے بٹھا لیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ڈر گیا؟۔ ہاں چی سوپ بزدل ہے۔

میں عدالت سے واپس آیا تو لوگ اپنے لمبے ہوتے ہوئے سائے سڑک پر گھسیٹ رہے تھے۔ ان کے سائے تو لمبے ہو رہے تھے مگر ان کے اندر کی آگ کم نہیں ہوئی تھی نوجوان عورتیں گرمی سے پریشان نہیں ہوئیں۔ لڑکیاں باریک کپڑے پہنتی تھیں۔ ہم جسے گرمی کہتے ہیں وہ اس سے لطف اندوز ہوتی ہیں مجھے اس وقت پچھلے جاڑوں کا موسم یاد آ گیا۔ گرم دھوپ، نمکین پانی اور تفریح مزا آ گیا۔ میں اپنے علاقے میں پہنچا تو میں نے اپنی چھوٹی سی کار کے شیشے کھول دیئے اور ہوا اندر آنے دی۔ پھولوں اور کپاس کی خوشبو ہوا کے ساتھ اندر آئی۔ یہ خوشبو ان مزدوروں کے جسموں سے آنے والی بدبو سے بالکل مختلف تھی جو

عدالت کی گیلری میں ٹھسا ٹھس بھرے ہوئے تھے۔ گھر پہنچتے ہی پہلا کام میں نے یہ کیا کہ غسل خانے میں گھس گیا اور خوب نہایا۔ میری ماں نے کہا کہ ان لوگوں سے میٹھی بو آتی ہے کیونکہ کارخانے میں کام کرتے ہوئے پسینے سے بھیگنے کے بعد اچھی طرح نہاتے نہیں ہیں۔ اگر ہم تمام کارخانوں میں نہانے کی سہولت پیدا کر دیں تو اس سے پیدا واری اخراجات میں کمی آجائے گی اور تنخواہیں بڑھانے کے مطالبات بھی کم ہو جائیں گے۔ میں ہنس دیا۔ اگر کوئی ایسی دائمی روح ہے جو انسانی جسم کو چھوڑ جاتی ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آج میرے چچا کی روح کیسا محسوس کر رہی ہو گی۔

''ہاں تو اس آدمی کا کیا ہوا؟''۔

''میں نے آپ کو نہیں بتایا؟''۔

''نہیں۔''

''اسے موت کی سزا ہو گئی۔''

''اوہ، اوہ یا خدا۔''

بونے آدمی کا بڑا بیٹا داخل ہوا۔ جیل کے سپاہی اس کے ساتھ تھے۔ استغاثے کا وکیل داخل ہوا پھر جج داخل ہوا اور مقدمے کی آخری کاروائی جلدی جلدی ختم کی گئی۔ اور جب جج نے ملزم کو موت کی سزا سنائی تو گیلری میں بیٹھے ہوئے مزدوروں کو جیسے یقین نہیں آیا کیونکہ وہ وکیل صفائی کے دلائل پر اعتبار کر رہے تھے۔ انہوں نے فیصلہ سنا تو سب نے مل کر آواز لگائی ''نہیں، نہیں یہ نہیں ہوسکتا۔'' وہ حیران تھے ان کی زبانیں جو اب تک نرم تھیں سخت ہو گئیں۔ آخر انہیں ہوش آیا تو انہیں جرم کی شدت کا احساس ہوا اور سزا کی شدت کا بھی۔ بونے آدمی کے بیٹے کا سر جو اٹھا ہوا تھا گر گیا اور اس کے بہن بھائی اپنی ماں سے لپٹ گئے۔ جو ایک چیخ مار کر کھڑی ہوئی تھی اور پھر گر گئی تھی۔ صفائی کے وکیل نے، جس نے سب کو خوش کن تصویر دکھائی تھی کہ ملزم بری ہو جائے گا چھت کی طرف دیکھا اور آنکھیں بند کر لیں۔ مقدمے کی سماعت کے دوران اس نے مزدوروں کو بہت سی امیدیں دلائی تھیں۔ استغاثہ کا وکیل جو نرم دل معلوم ہوتا تھا، خاموش بیٹھا کچھ سوچ رہا تھا۔ ان واقعات سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ میں نے اپنی ماں سے کہا، انہوں نے مجھے غور سے دیکھا اور کہا کہ

یہ واقعات انسانوں اور ان کے دکھ درد سے تعلق رکھتے ہیں۔

''جی''میں نے کہا ''مگر میں آپ سے کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔'' میں نے مزدوروں کے لئے ایک طریقہ دریافت کر لیا ہے جس سے وہ اپنے کام پر خوش بھی رہیں گے۔''

''اچھا ؟''۔میری ماں مسکرا دیں ''تمہیں ایسی باتوں پر نہیں سوچنا چاہیئے ۔ کارخانہ چاہے کیسا بھی ہو اتنے بہت سے آدمیوں کو کیسے خوش رکھا جا سکتا ہے۔''

''انہیں نشہ کی چیزیں دو۔''

''نشہ؟''۔

''ہمیں اسی دوا بنانا چاہیئے جو کام کرتے ہوئے انہیں خوش رکھ سکے۔ ان کے کھانے پینے کی چیزوں میں ہم یہ دوا ملا دیں۔ میں ایک ایسی ریسرچ ٹیم بنانا چاہتا ہوں جو اس قسم کی دوا تیار کرے۔ پہلے اس پر بہت رقم خرچ ہو گی اور آخر کار فائدہ ہی ہو گا۔''

''خاموش رہو۔''ماں نے کہا ''تم کیسی فضول باتیں سوچتے ہو۔''

''میں فضول باتیں نہیں سوچتا۔''میں نے کہا ''اصل میں تو یہ دنیا ہی فضول ہے۔بعض ملکوں میں ان لوگوں کو انجکشن لگا دیئے جاتے ہیں جو ان کے سوشل سسٹم سے باہر جانا چاہتے ہیں۔''

''وہ لوگ پاگل ہوں گے۔''

''ہاں، اس کا بیماری سے تعلق ضرور ہے۔''

''تم اپنے باپ سے یہ بیہودہ بات نہ کرنا۔ وہ تمہاری ہر بات پر نظر رکھتے ہیں۔ میں تو چاہتی ہوں کہ تمہیں وہ تمام مواقع ملیں جو تمہارے بھائیوں کو ملے ہیں۔''۔۔۔سمجھے تم ؟''۔

مجھے اپنی ماں کی محبت پر کبھی شبہ نہیں رہا۔ ان کی محبت اپنے تمام بچوں کے لئے برابر رہی ہے۔ البتہ میرے باپ کا معاملہ مختلف رہا ہے۔ وہ ہمیشہ یہ کہتے رہے کہ اچھے مینجر کا کام یہ ہے کہ مختلف قسم کے عناصر کو اکٹھا کر کے انہیں ایک اجتماعی شکل دیدے۔ یہ کہہ کر وہ ہمیں خبردار کرتے تھے کہ جس بچے میں یہ صلاحیت نہیں ہو گی کارخانے کا انتظام اس کے حوالے

MashalBooks.org

نہیں کیا جائے گا۔ چچا کے قتل سے پہلے ہمارے گھر میں یہ باتیں نہیں ہوتی تھیں کہ ہمارے کارخانوں میں کیا ہو رہا ہے۔ مگر اب ایسا نہیں ہے۔ میری ماں نے کہا کہ اب ایسا لگتا ہے کہ مشین شاپ میں کوئی بہت ہی سنجیدہ کام ہو رہا ہے۔ اچھا تو یہ بات ہے، میں نے سوچا۔ مشین شاپ جنوب میں تھی۔ آٹھ انگلیوں والا آدمی وہیں سے آیا تھا۔ وہ مزوروں سے بھی زیادہ گندے کپڑے پہنتا تھا اور گندہ رومال استعمال کرتا تھا۔ اگر میرا کوڑھ مغز چچازاد یہ بات سنتا تو وہ کہتا اسے اس پر کوئی حیرت نہیں ہوئی ہے کیونکہ وہ سب سے مختلف ہے۔ اس کا مطلب ہے چی سوپ دور سے ہی مجھے خبردار کر رہا تھا۔ لیکن وہ بو نے آدمی کے خاندان کو تسلی دینے نہ آسکا تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جو ہمارے خلاف ڈٹا ہوا تھا۔ وہی ایسا انسان تھا جو اپنے بارے میں سوچتے ہوئے، اپنے ساتھی مزدوروں کے بارے میں سوچتے ہوئے، اور ان لوگوں کے بارے میں سوچتے ہوئے غصے میں آجاتا تھا جو اپنی مالی طاقت کی وجہ سے سب لوگوں کا استحصال کرتے ہیں۔ میری ماں ضرورت مند عورتوں کے لئے چندہ جمع کرنے کی غرض سے بنائی جانے والی انجمن ''محبّ وطن خواتین کا رضا کار گروپ'' کے اجلاس میں شرکت کرنے چلی گئیں۔ ان کی نوجوان سیکریٹری ان کی مدد کرتی تھی۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ ہمارے اوپر اس معاشرے کا ایک پیسے کا قرض بھی نہیں ہے۔ وہ ٹھٹک گئی۔ وہ باریک کپڑے پہنے تھی۔ اسے دیکھ کر میرے دل میں کھد بر ہونے لگی اور میں اپنے کمرے میں چلا گیا اور اسے باہر جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ چوکیدار نے لوہے کا پھاٹک کھولا، میری ماں کی کار بڑے پتوں والے درختوں کے جھنڈ میں کھو گئی۔ تھوڑی دیر بعد ہمارا اسٹیورڈ کچھ پوچھنے آیا۔ سوئمنگ پول کا پانی بدلنے والا تھا اور یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ پانی بدلنے سے پہلے کیا لڑکیاں اس میں نہانے جاسکتی ہیں۔ اسے جواب دینے سے پہلے میں نے اس سے کہا کہ ہمارا جزیرے میں جو گھر ہے اس کے نگران سے رابطہ کرو۔ میں چند دنوں بعد کچھ دوستوں کو لے کر وہاں جانا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد میں نے اس سے کہا کہ اگر لڑکیوں کے نہانے کے بعد سوئمنگ پول اچھی طرح صاف کر دیا جائے تو مجھے ان کے نہانے پر کوئی

اعتراض نہیں ہے۔ میں نے اسے پہلی بار شکریہ کہتے سنا۔ میں نے وی سی آر میں برلیوز میوزک کی ویڈیو ڈالی۔ ایک سولہ سال کی بھورے والوں والی لڑکی ایک مرد کے ساتھ چمٹی ہوئی کھڑی تھی۔ تین دن پہلے والی لڑکی آواز کیے بغیر اندر آ گئی۔اس نے ایک ایک کر کے تمام کتابیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیں جو فرش پر بکھری پڑی تھیں۔ ایک کتاب جس کا نام انسانی انجیئرنگ تھا وہ اس کے سینے کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔ مجھے یاد نہیں آیا کہ پہلی بار میں نے برلیوز کو کب سنا تھا مجھ سے چھوٹی بہن مجھ سے اس لیے خوش تھی کہ مجھے ہینڈریتھ پسند ہے۔ میں نے لڑکی کا بازو پکڑ لیا اور کتابیں نیچے گر گئیں۔ بھورے بالوں والی لڑکی کے کپڑے سرک گئے اور اس کے کاندھوں سے نیچے گر گئے۔ ''دیکھو،''میں نے کہا ''تمہارے ٹیلی وژن سے یہ مختلف ہے۔''لڑکی نے وہی کیا جو میں نے کہا۔ اسکرین پر کچھ عجیب منظر چل رہے تھے۔لڑکی خاموش کھڑی رہی۔ وہ اپنے سینے اور کاندھوں سے سانس لے رہی تھی۔ میرے ہاتھ اس کی طرف گئے۔ اسے چھوا، اسے جھرجھری آ گئی۔ مجھے ہمیشہ حیرت ہوتی ہے کہ لڑکیوں کے چھوٹے سے بدن میں زندگی کا دریا بہہ رہا ہوتا ہے۔ اسکرین پر مرد نے لڑکی کے ساتھ کچھ کیا اور پھر کہا ''جاؤ،اب تم عورت بن گئی ہو۔ میں نے لڑکی سے کہا ٹھیک ہے، نیچے چلی جاؤ۔''اب تک اس کا جسم گرم ہو گیا تھا۔''سوئمنگ پول خالی ہونے سے پہلے اس میں غوطے لگالو۔''لڑکی نے مجھے دیکھا اس کا چہرا پیلا ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھ سے ایک آنسو نکلا۔ وہ مڑی اور نیچے چلی گئی۔ میں بستر پر لیٹ گیا اور کتاب پڑھنے لگا۔ میں نے سوچا اپنے باپ کے آنے سے پہلے معاشیات کی تاریخ پڑھ لوں۔ کتاب میں ایک اور ماہر معاشیات کا قول نقل کیا گیا تھا کہ مستقبل میں معاشیات کے ماہروں کی ذمہ داریاں اور بھی بڑھ جائیں گی۔ میں پڑھتے پڑھتے سو گیا۔ اور جاگنے سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ میں مچھلیاں پکڑنے کے لئے جال پھینک رہا ہوں۔ میں آنکھوں پر گاگل لگا کر پانی کے اندر چلا جاتا ہوں تا کہ اس موٹی مچھلی کو دیکھ سکوں جو میرے جال میں آ گئی ہے۔مگر میں خود پھنس جاتا ہوں۔ مچھلیوں کا ایک جمگھٹا میری طرف آتا ہے۔مگر وہ

موٹی مچھلیاں نہیں تھیں۔ وہ پتلی پتلی مچھلیاں تھیں جن کی ہڈیاں اور کانٹے نظر آ رہے تھے۔ وہ صرف آنکھیں ہی آنکھیں تھیں۔ یہ سینکڑوں ہزاروں مچھلیاں جو ہلکی ہلکی آواز نکال رہی تھیں میرے جال میں آ گئی تھیں۔ میں پانی سے باہر آیا اور جال کھینچا۔ چھوٹی چھوٹی پتلی پتلی مچھلیاں جال میں پھنسی ہوئی تھیں۔ وہ جال میں سے نکلیں اور انہوں نے ہزاروں لاکھوں چمک دار سی کرنیں میرے اوپر تھوکیں۔ جب بھی وہ میرے جسم سے لگتیں میری جلد پھٹ جاتی۔ میں چیخ مار کر اٹھ گیا۔ مجھے لگا جیسے میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے ہوں۔ جنوب کی طرف کھلنے والی کھڑکی سے لال لال روشنی اندر آ رہی تھی۔ میں کھڑکی کی طرف گیا اور نیچے جھانکا۔ میں نے ہوا میں اڑتے ہوئے ننھے ننھے پرندے دیکھے۔ سفید دیوار شفق کی سرخی کا عکس درختوں پر ڈال رہی تھی۔ مرحوم دادا کا بیمار کتا جھاڑیوں سے باہر آیا۔ اس لڑکی نے کتے کو آواز دی تھی۔ جس کا گرم گرم بدن مجھے قبول کرنے کو تیار تھا۔ کتے کے سامنے اس کا کھانا رکھنے کے بعد اس نے کتے کی گردن اپنے ہاتھوں میں دبوچ لی۔ بونے آدمی کے بیٹے کو جب پولیس والے پکڑ کر لے جا رہے تھے تو اس کی ماں نے بھی اس کی گردن میں ایسے ہی ہاتھ ڈالے تھے۔ مزدور باہر چلے گئے تھے اور رو رہے تھے۔ چی سوپ وہاں نہیں تھا۔ لوگوں کی محبت مجھے اداس کر دیتی ہے۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ چوکیدار پھاٹک بند کر رہا ہے۔ میرے باپ کی کار بڑے پتوں والے درختوں کے پاس اندر آئی اور رک گئی۔ میں نے سوچا کل مجھے کسی کو بتائے بغیر ماہر نفسیات کے پاس جانا چاہیئے۔ اگر میرے باپ کو میری کمزوری کا علم ہو گیا تو سب سے پہلے وہ مجھے نکال دیں گے۔ پیار محبت سے مجھے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ میں نے بڑے بڑے جرأت مندانہ الفاظ کی ریہرسل کرتا ہوا دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔۔

☆☆☆

اختتامیہ

ریاضی کا استاد کلاس روم میں داخل ہوا۔طلبہ نے دیکھا کہ اس کے پاس نصاب کی کتا ب نہیں ہے۔طلبہ کی اکثریت اس استاد پر بھروسہ کرتی تھی۔ البتہ ان کا پانچواں حصہ شک کرتا تھا۔ یہ وہ طلبہ تھے جنہوں نے کالج میں داخلے کے امتحان میں اچھے نمبر نہیں لئے تھے۔

''پھر''استا د نے کہنا شروع کیا''آپ کے لئے یہ آزمائش کا وقت تھا۔آپ نے اپنی تعلیم میں پوری طرح دل لگایا۔تم سب نے۔لیکن ریاضی کے نمبر، جو میری ذمہ داری تھی پہلے سے بہت کم رہے۔ میں بتا نہیں سکتا کہ مجھے اس سے کتنی تکلیف پہنچی ہے۔ یہ بات ایک قسم کا عذر معلوم ہوتی مگر یہ حقیقت ہے کہ ریاضی میں اتنے کم نمبر لانے کی ذمہ داری صرف استاد کی ہی نہیں ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اصل ذمہ داری کس کی ہے، ہمیں بہت سے معاملات پر غور کرنا ہوگا۔ جیسے وہ لوگ جنہوں نے یہ سسٹم بنایا ہے، وہ استاد اور ماں باپ جنہوں نے یہ قبول کیا کئی سوالوں کا نظام تیار کرنے والے جن سوالوں میں سے آپ کو چند سوالوں کا جواب دینا ہوتا ہے، وہ لوگ جو امتحانی پرچے چھاپتے ہیں گھٹیا معیار کے قلم بنانے والے، امتحان کے انسپکٹر، سپروائزر پروگرا مر، کمپیوٹر جس نے جج کا منصب سنبھال رکھا ہے، اور آپ لوگ جو میری کلاس میں پڑھتے رہے، پھر پرنسپل، وائس پرنسپل اور

MashalBooks.org

منصوبہ بندی کرنے والے ان منصوبوں پر عمل درآمد کرانے والے، اس کے علاوہ سکول کے باہر وہ عناصر جو آپ کے دماغ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود میں اس کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار نہیں کرسکتا۔

''یہ کس نے کہا ؟''ایک طالب علم نے سوال کیا۔ ''آپ کو ذمہ دار کس نے قرار دیا؟''۔

''آپ صاف صاف بتائیں گے وہ کون ہیں؟''۔

''انہوں نے بھی یہی کہا ''استاد بولا ''اب اس سے زیادہ اور صاف صاف کیا کہا جا سکتا ہے۔ ان کا ایک وصف یہ ہے کہ اپنے مرنے کے دن تک کسی چیز کی بھی ذمہ داری قبول نہیں کریں گے۔ ان کے پاس بہت سے جواز ہیں اب تک آپ سب نے دل لگا کر سبق یاد کئے ہیں اور چونکہ اسکول میں آپ کی یہ آخری کلاس ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ اگر میں آپ کے داخلے کے امتحان سے غیر متعلق باتیں کروں تو آپ اس کی وجہ سمجھ جائیں گے۔ میں تو نہیں چاہتا تھا مگر اب میں ریاضی نہیں پڑھاؤں گا۔ مجھے نوٹس مل گیا ہے کہ آئیندہ میں ریاضی کی بجائے اخلاقیات پڑھایا کروں۔ اب جیسے آپ سب جانتے ہیں کے اخلاقیات کا تعلق اخلاقی چال چلن سے ہے۔ اب آپ بتایئے کہ اگر فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہوتو آپ ایک ایسے استاد کو اخلاقیات پڑھانے پر لگائیں گے جس کے ماتھے پر ریاضی پڑھانے میں ناکامی کا دھبہ لگ چکا ہو؟۔کوئی نہیں جانتا مگر یہاں کوئی خطرناک سازش کی جارہی ہے۔ سازش یہ ہے کہ نصاب سے اخلاقیات کا مضمون خارج کر دیا جائے اور یہ بھی سازش ہے کہ آپ کو اور آپ کے بعد آنے والی نسلوں کو انسانی سرمایہ بنا دیا جائے۔ بچو، ہم منزل نہیں ہیں۔ میں اور آپ دراصل ہم اس منزل تک پہنچنے کا ذریعہ بن گئے ہیں۔ مجھے پہلے ہی اس کا احساس ہو جانا چاہیئے تھا مگر ہم جلدی میں تھے آپ کو کالج میں داخلے کی جلدی اور مجھے یہ جلدی تھی کہ آپ امتحان میں کامیاب ہو جائیں۔ ہم نے ان کی اصل نیت کا اندازہ نہیں لگایا۔ ہم بہت ہی مصروف تھے تو کیا ہماری یہ مصروفیت اپنی عزت نفس کے لئے تھی، جیسا کہ لوگ توقع کرتے ہیں ؟۔وقت بہت کم رہ گیا ہے مگر پلیز اس پر آپ غور ضرور کریں۔ اب میں آرام کرنا چاہتا ہوں مجھے معاف کر دیجئے۔''

بھوک نے کبڑے آدمی کو نیند سے جگا دیا تھا۔ خیمے کے اندر اندھیرا تھا۔ ایسا گھپ اندھیرا کہ کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ خواہ وہ آنکھیں کھولتا یا بند کرتا وہاں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس نے نو ڈل نہ کھا کر غلطی کی تھی۔ نا شتے پر بھی جلدی پک جانے والے نوڈل اور رات کے کھانے پر بھی اسے نوڈل کی ہی آواز آئی۔ وہ نوڈل کھانے کی بجائے ٹہلنے چلا گیا۔ لڑکی کے ہسپتال داخل ہونے کے بعد اس نے سوائے چاولوں کے اور نوڈل کے اور کچھ نہیں کھایا تھا۔ وہ بر داشت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ کسی لیبارٹری کا چوہا نہیں تھا۔ دوائیاں بیچنے والا کہتا تھا کہ لڑکی جلدی ان کے پاس آ جائے گی مگر وہ تین شہر اور گیا رہ گاؤں گھوم چکے تھے اور لڑکی ان کے پاس نہیں آئی تھی۔ وہ گندی گھریلو لڑکی تھی مگر وہ چاول اچھے پکاتی تھی۔ وہ یتیم خانے میں پلی بڑھی تھی اچانک اسے تیز بخار ہو گیا تھا۔ دوائیاں بیچنے والا اسے ہسپتال لے گیا تھا۔ کبڑے آدمی کو خیال آتا کہ جب تک وہ لڑکی ان کے پاس نہیں آئے گی اس وقت تک وہ نوڈل ہی کھاتے رہیں گے۔

کبڑا آدمی آہستہ سے اٹھا کہ کہیں وہ پہلوان نہ جاگ جائے جو اس کے ساتھ سو رہا تھا۔ اس پہلوان کو سب ماسٹر کہتے تھے۔ اس کے کاندھے خیمے سے ٹکرا رہے تھے۔ اسے صرف اس وجہ سے مار پڑ جائے گی کہ اس نے ماسٹر کی نیند خراب کی۔ پہلوان بھی آج کل اچھی طرح نہیں کھا رہا تھا۔ اس کی طاقت بھی کم ہوتی جا رہی تھی۔ جب وہ پتھر اٹھاتا تو کوشش کر کے ہلکا پتھر تلاش کرتا اور دانتوں سے اب کا ربھی دس گز سے کم ہی کھینچ سکتا تھا۔ اب وہ تیز دھار والے چاقو کا تماشہ بھی نہیں دکھاتا۔ اس کھیل میں وہ ہتھیلی پر نائلون کا ٹکڑا رکھتا، چاقو کی ہتھی اس ٹکڑے پر رکھتا اور اس کی تیز نوک اپنے پیٹ پر رکھ کر دباتا۔ یہ بہت ہی خوفناک کھیل تھا۔ دیکھنے والے سانس روک لیتے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس کا پیٹ ہی نہیں بلکہ سارا جسم ہی پھٹ جائے گا۔ اگر زیادہ دوائیں فروخت ہو جاتیں تو یہ تماشہ بھی دکھایا جا سکتا تھا۔

پہلوان کی طاقت تو کم ہو رہی تھی مگر پھر بھی وہ طاقت ور انسان تھا۔ کبڑا آدمی نہیں چاہتا تھا کہ اندھیرے میں پہلوان کو جگا کر اس کی مار کھائے۔ اس نے احتیاط سے ایک قدم رکھا اور ٹھہر گیا۔ صرف کمزور ٹانگ والے کی سانس لینے کی آواز آ رہی تھی۔ اس نے ہاتھ سے

ادھر ادھر ٹٹولا۔ پہلوان وہاں نہیں تھا۔ کبڑے نے ماچس جلائی اور لالٹین روشن کی۔ وہاں سوائے کمزور ٹانگ والے کے اور کوئی نہیں تھا۔ وہ ٹانگ اٹھائے سو رہا تھا کبڑا باہر نکل گیا۔ دور سے کسی پرندے کی آواز آئی کبڑا اس پرندے کا نام نہیں جانتا تھا کہ وہ پرندہ اس لئے ایسی آواز نکال رہا تھا کہ اس نے کارخانے سے خارج ہونے والا گندہ پانی پی لیا تھا جو باہر نالے اور نالیوں میں بہہ رہ ہے۔ کبڑا پریشان ہو گیا۔ وہ اندر گیا اور کمزور ٹانگ والے کو ہلایا۔

''اٹھ جاؤ۔''

''کیا بات ہے؟'' کمزور ٹانگ والے نے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی، کبڑے نے اس کی مدد کی۔''

''یہاں تو کوئی بھی نہیں ہے۔''

''کیا؟'' کمزور ٹانگ والے نے آہستہ سے کہا ''کیا وہ ہمیں چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔''

کبڑے نے خیمے کا پٹ اٹھایا۔ کمزور ٹانگ والا باہر نکل گیا۔ اس کا چھوٹا سا جسم اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔

''باس کا خیمہ بھی نظر نہیں آ رہا ہے'' کمزور ٹانگ والا بولا ''اور اس کی کار بھی نہیں ہے۔''

''اس کا مطلب ہے وہ چلے گئے ہیں۔''

''یعنی ہمیں اکیلا چھوڑ گئے؟''۔

''میں جانتا ہوں باس نے اس لڑکی کے ساتھ بھی یہی کیا تھا جو ہمارا کھانا پکاتی تھی۔''

''وہ ہسپتال میں ہے۔''

''تمہیں کیسے پتہ؟''۔ کبڑے نے پوچھا۔''تم نے اسے وہاں دیکھا ہے؟''۔

''میں نے اسے ہسپتال جاتے ہوئے دیکھا تھا۔''

''وہ تو میں نے بھی دیکھا تھا میرا خیال ہے وہ اس بیمار لڑکی کو کسی اور جگہ لے گئے تھے اور پھر واپس آ گئے تھے۔''

کمزور ٹانگ والے نے ہونٹ کاٹے اور پھر اس نے سانس روک کر سننے کی کوشش

کی۔

''یہ کیا ہے؟'' کبڑے نے پوچھا

''کیا؟''

''میرا خیال ہے میں نے کوئی آواز سنی ہے۔''

''پرندے لڑ رہے ہیں'' کمزور ٹانگ والے نے کہا۔'' کچھ کھانے نکلے ہیں۔''

''آدھی رات کو؟''۔

''خاموش رہو'' کمزور ٹانگ والا بولا ''تمہیں کتنی مرتبہ بتایا ہے کہ یہ جانوروں کا خون چوسنے والے پرندے ہیں یہ دن میں سوتے ہیں۔ پیڑوں پر بیٹھے رہتے ہیں اور سوتے ہیں۔''

دونوں دوست خاموش بیٹھے ہوئے پرندوں کی پھڑ پھڑاہٹ سنتے رہے۔ یہ خون چوسنے والے پرندوں کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھڑ پھڑاہٹ درختوں کے جھنڈ میں غائب ہوگئی۔ اسی لمحے ان دونوں کو اپنے بیوی بچے یاد آگئے جو سیول کے مضافات میں اس اجاڑ جگہ پر آگئے تھے۔

''ہم ہر مہینے انہیں کتنے پیسے بھیجتے ہیں؟''۔ کبڑے نے پوچھا۔

دوسرے نے جواب دیا۔''تین ہزار وون پہلے چھ مہینے اور دو ہزار باقی سات مہینے۔''

''میرا خیال ہے ان کا گزارہ چل رہا ہوگا؟۔

''میرے بچے بہت صبر والے ہیں۔''

''چلو یہاں سے نکلو۔''

''کہاں چلیں؟''۔

''ہم انہیں پکڑیں گے'' کبڑے نے کہا''ہمارا تو ہر دن ہی عذاب ہوتا ہے۔ ہمیں مستقبل کا سوچنے کی ضرورت ہے۔''

''بالکل صحیح کہتے ہو دستانے پہن لو۔''

''کمزور ٹانگ والے نے اپنے چمڑے کے دستانے نکالے اور پہن لئے۔ وہ زمین کا سہارا لے کر اٹھا اور چل دیا۔ کبڑا خیمے کے اندر گیا ور لالٹین لے آیا۔ وہ دوسرے آدمی کے

پیچھے چلنے لگا۔ جھاڑیوں سے جھینگروں کی آواز آرہی تھی۔ اس وقت ان کے بچے سیول کے باہر کرائے کے کمرے میں سو رہے ہوں گے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی بچہ جاگ گیا ہو اور رو رہا ہو۔ کیا ان میں سے کوئی بیمار بھی نہیں ہوسکتا اور رو بھی نہیں سکتا۔ کبڑا ایک پتلی سی گلی میں مڑ گیا۔ کمزور ٹانگ والے نے پہاڑی کے دامن کی طرف قدم بڑھائے۔ کبڑے نے جھک کر اسے دیکھا۔ وہ مسکرایا اندھیرے میں اس کے دانت چمکے۔ سفید سفید دانت چمکے۔

وہ تنگ سڑک سے آگے بڑھے اور دریا پر آ گئے۔ اس دریا کے اندر پتھر بہت سخت تھے۔ پہلوان کی پریکٹس کرنے کے لئے کبڑا ایسے پتھر لے جاتا تھا جو آسانی سے ٹوٹ جائیں۔ مگر یہاں کے پتھر اتنے سخت تھے کہ پہلوان خونم خون ہو جاتا۔ وہ اپنے خون سے لتھڑے ہاتھ سے کبڑے کو تھپڑ مارتا۔ کئی بار ایسا ہوا کہ کبڑے کی ناک سے خون بہنے لگا۔ باس نے ایسا ظاہر کیا جیسے اس نے دیکھا ہی نہیں۔ وہ اپنی کار میں بیٹھا رقم گنتا رہا اور دوائیاں دیکھتا رہا۔ اس وقت کمزور ٹانگ والے نے اس پر لٹکتے ہوئے اپنی جیب سے روئی نکالی اور کبڑے کی ناک میں بھر دی۔ دریا کا پانی بہت ہی گندہ تھا اور مری ہوئی مچھلیاں پانی پر تیر رہی تھیں۔ لوگوں نے ان مچھلیوں کو پکڑ لیا۔ کبڑے نے بھی ایسی مچھلیاں پکڑیں جن کی ریڑھ کی ہڈی ٹیڑھی ہوگئی تھی۔ اس نے انہیں زمین میں دفن کر دیا۔ ریت سرخی مائل براؤن ہوگئی تھی۔ وہ ایک پارک کے پاس پہنچے اور کبڑا ٹھہر گیا۔ کمزور ٹانگ والا نظر نہیں آرہا تھا۔ صرف اس کے چلنے کی آواز آرہی تھی۔ کبڑا کنویں کے قریب گیا اور اپنی چھوٹی سی بالٹی اس میں ڈالی۔ اس نے بالٹی کو منہ لگا کر پانی پیا۔ اس کا چہرا آسمان کی طرف تھا۔ وہ خالی پیٹ ہی پانی پیتا رہا۔ اس نے ایک بالٹی اور پانی نکالا اور کمزور ٹانگ والے کا انتظار کرنے لگا۔ کمزور ٹانگ والا قریب آیا وہ ہانپ رہا تھا۔ اس نے اوپر دیکھا اس کے چہرے پر گرد اور پسینہ بھرا ہوا تھا۔ اس نے دستانے اتارے۔ اس نے بھی بالٹی سے پانی پیا اور جو بچا وہ اس نے اپنے سر پر انڈیل لیا۔ وہ پارک سے آگے چلے اور تنگ راستے سے ہوتے ہوئے بڑی سڑک پر آ گئے۔ یہاں ڈھلان زیادہ تھی۔ چلنا مشکل ہو رہا تھا۔ کبڑے نے ایک جگہ لالٹین رکھ دی۔ پھر کمزور ٹانگ والے کو اٹھایا اور اسے لالٹین کے پاس لے آیا۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ کمزور ٹانگ والا چلتا رہا۔ کبڑے نے تھوڑا آرام کیا اور پھر اپنے دوست کے پاس پہنچا اور اسے پھر گود میں اٹھایا۔

اس طرح وہ نیچے تک پہنچ گئے۔ سڑک پر پہنچ کر وہ دونوں لیٹ گئے۔ اب کمزور ٹانگ والا ہنسا۔ پھر خاموش ہو گیا۔ ایک بہت بڑ اٹرک سامان سے لدا ہوا دوسری جانب گزرا۔ اس ٹرک کی روشنی نے تھوڑی دیر کے لئے سڑک کو روشن کر دیا۔ پھر وہ تیزی سے آگے چلا گیا۔

''جب آپ بڑی سڑک پر ہوں تو یہاں کرفیو نہیں ہوتا''، کبڑے نے کہا۔

''اس کا مطلب ہے ہم یہاں سے سیول کے لئے کسی سے لفٹ لے سکتے ہیں ؟''۔ باس شاید ٹول پلا زہ کے پاس ٹھہرے ہوئے ہوں گے۔ وہ اس کے کھلنے کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ اگر وہ وہاں سے نکل گئے تو ہم انہیں نہیں پکڑ سکیں گے۔''

''اور اگر ہم نے انہیں پکڑ لیا تو کیا کریں گے؟''

''ہم اس کا کام تمام کر دیں گے۔'' کمزور ٹانگ والے نے کہا۔

''ہم صرف پیسے لیں گے۔ ہم دونوں مل کر وہ رقم چھین لیں گے جو اس کے پاس بچی ہو گی''۔

''میں تو اس کا پیٹ پھاڑ دوں گا۔''

''یہ کام نہ کرنا۔''

''تم اپنے کام سے کام رکھو۔ یہ کا م میں خود کروں گا۔ اس کتیا کے بچے کا پیٹ پھا ڑوں گا''۔ اس نے کہا

''ٹھیک ہے۔'' کبڑا بولا۔ ''اگر تم اس میں خوش ہو تو ٹھیک ہے مگر میں یہ کہہ چکا ہوں کہ اس کا حل یہ نہیں ہے۔''

''یہ بات تم پھر کر رہے ہو۔ اس کا مطلب ہے تم مجھے پسند نہیں کر تے۔''

''نہیں نہیں، مجھے تو تم سے ڈر لگنے لگا ہے۔''

اس نے کمزور ٹانگ والے کو دیکھا تو وہ کانپ رہا تھا۔ اس نے پارک میں جو اپنے اوپر پانی ڈالا تھا اس سے اس کے کپڑے بھیگ گئے تھے۔ اس کے علا وہ اسے پسینہ بھی آ رہا تھا۔ ادھر ہوا بھی ٹھنڈی تھی۔ ان کے دائیں جا نب جھینگر بول رہے تھے۔ سوائے ان جھینگروں کے وہاں کوئی چیز بھی محفوظ نہیں تھی۔

کبڑے نے سڑک کے ساتھ والے جوہڑ پر چھلانگ لگائی تو سب جھینگر خاموش ہو

گئے۔ اس نے سڑک کے کنارے لگے ہوئے سائن بورڈ اکھاڑ دیئے اور انہیں جوہڑ میں ڈال دیا۔

اس نے ان کے ٹکڑے اکٹھے کیے اور پھر لالٹین سے مٹی کا تیل نکال کر ان پر ڈالا اور آگ لگا دی۔ ان کی آگ کی طرف تیزی سے ایک کار آئی کبڑا دوڑا اور اس کار کو اشارہ کیا مگر وہ چھوٹی سی کار نہیں رکی۔ کمزور ٹانگ والا آگ کے قریب سے ہٹا اور بیٹھ گیا۔ اس کے بدن سے بھاپ نکل رہی تھی۔ دائیں جانب والی جیب لٹک گئی تھی اس میں تار اور تیز دھار والا چاقو تھا۔ اس کے علاوہ تین ہزار وون بھی تھے جو وہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ اس نے جیب میں زپ لگائی ہوئی تھی۔ وہ کہتا تھا ''کچھ بھی ہو جائے اپنے بچوں اور ان کی ماں کا خیال رکھوں گا''۔

''ہاں ہاں، ٹھیک ہے'' کبڑا کہتا۔

اب ایک بھاری ریفریجریٹر ٹرک گزرا۔ کبڑے نے اپنی قمیض اتار کر اسے ہلایا۔ ٹرک کبڑے کے پاس سے گزرا اور لائن تبدیل کر کے ٹھہر گیا۔ کبڑا ٹرک کی طرف بھاگا اور ڈرائیور کی طرف والے دروازے کو کھٹ کھٹایا۔ وہ زور زور سے اچھل رہا تھا۔ کمزور ٹانگ والے نے زور سے اپنے دانت بھینچ لئے۔

ڈرائیور نے جو رات بھر ٹرک چلا کر تھک گیا تھا۔ سر باہر نکالا۔ اس نے دیکھا کہ ایک کبڑا کمزور ٹانگ والے کو اشارہ کر کے بلا رہا ہے۔ ڈرائیور گھبرا گیا اور اس نے ٹرک چلا دیا۔

''کتے کا بچہ، کمزور ٹانگ والے نے کہا اور اس کی طرف مکا گھمایا۔ اب جھینگروں کی آواز آ رہی تھی۔

''وہ دیکھو، وہ دیکھو'' کبڑا اچانک چیخا۔

''کیا دیکھو؟''۔ دوسرا دوست بولا۔ ''تم نے کیا دیکھ لیا؟''۔

''وہ درختوں کی طرف اڑ گیا۔''

''تمہیں کیسے پتہ رات کو تمہیں ویسے بھی ٹھیک نظر نہیں آتا۔''

''میں نے روشنی دیکھی۔''

''جگنو ہوگا۔''

''ہاں جگنو تھا۔''

''تمہاری آنکھیں تمہیں دھوکہ دے رہی ہیں۔'' دوسرے نے کہا

''یہاں جگنو کہاں۔''

''کیوں؟''۔

''اس دنیا کے لوگوں نے اکٹھے ہو کر انہیں ختم کر دیا ہے۔''

''اب انہیں وہ یاد آتے ہوں گے۔''

''میں نے کہا تمہیں دھوکہ ہو رہا ہے۔''

''میں بتا رہا ہوں میں نے دیکھا ہے۔''

''اوہو'' کمزور ٹانگ والے نے کہا۔ یہاں کوئی بھی کار نہیں آ رہی ہے اور تمہیں جگنو نظر آ رہے ہیں۔ ہم باس کو بھاگنے نہیں دیں گے۔ میں اس کا پیٹ ضرور پھاڑوں گا۔ پھر چھوٹے خرگوش کے پاس چلا جاؤں گا۔''

''ادھر آؤ۔''

''فضول باتیں نہ کرو۔''

''میری نظر کمزور ہو سکتی ہے مگر میں اسے دیکھ سکتا ہوں۔''

کبڑے کے کہنے کے مطابق وہ صاف نظر آ رہی تھی۔ نیچے دریا کے کنارے ایک اونچی عمارت کھڑی تھی۔ وہ کافی دور تھی۔ لیکن اس کی روشنی سے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس نے اندھیرے میں شگاف کر دیا ہے۔

''کارخانہ ہوگا'' دوسرا بولا۔

''لگتا ایسا ہی ہے۔''

''کیا مطلب؟''۔

''یہ جیل ہے۔''

''اچھا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔یہ جیل ہے؟''۔

دور دور تک کسی گاڑی کا نشان نہیں تھا۔

اب کبڑے کے سوال کرنے کی باری تھی۔ ''تم جانتے ہو اس کے اندر کون ہے؟''۔

''کون ہے؟'' دوسرے کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کا دوست کیا کہہ رہا ہے۔ اس لئے وہ

بیٹھ گیا۔ اس کے دماغ میں وہ چاقو تھا جو اس کی جیب میں رکھا ہوا تھا۔

''وہ بونا آدمی یاد ہے جو سیول میں رہتا تھا؟''۔

کمزور ٹانگ والے نے سر ہلایا ''وہ جو اینٹوں کے بھٹے میں مر گیا تھا؟''۔

''ہاں وہی، اس کا بڑا بیٹا اس جیل میں قید تھا۔''

''کیوں؟''۔

''اس نے ایک آدمی کو جان سے مار دیا تھا۔''

''اب دوسرا آدمی کچھ نہیں بولا۔

''وہ بونا آدمی ہر وقت اپنے اس بیٹے کے بارے میں بولتا رہتا تھا۔''

''ہاں، وہ اس کے بارے میں بہت باتیں کرتا تھا۔'' کمزور ٹانگ والا بولا۔ پھر ہچکچاتے ہوئے اس نے سوال کیا۔ ''تم نے یہ کیوں کہا کہ وہ قید تھا؟''۔

''اب وہ باہر ہے''

''اگر اس نے قتل کیا تھا تو وہ چھوٹ کیسے گیا؟''۔

''وہ وہاں سے مر کر نکلا۔''

''اچھا۔''

''وہ اپنے باپ سے مختلف تھا۔''

''بالکل ہی مختلف تھا۔''

''بونے کی بیوی اپنے بیٹے کی لاش لینے یہاں آئی تھی۔ روتے روتے اسکی آنکھیں خشک ہو چکی تھیں۔ وہ دریا کے کنارے بیٹھے رہے پھر چلے گئے۔''

''ایسا نہیں ہونا چاہیئے تھا۔''

''اسی لئے تم اپنی جیب سے چاقو نکال کر پھینک دو۔''

بہت وقت گزر گیا مگر کوئی کا رادھر سے نہیں گزری۔ سڑک ابھی تک اندھیرے میں

MashalBooks.org

چھپی ہوئی تھی۔ وقت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ دونوں دوست افسردہ تھے۔ اسی وقت کبڑے کو ایک جاندار چیز ملی جو اندھیرے میں روشنی پھینک رہی تھی۔ وہ سڑک پر نیچے نیچے اُڑ رہی تھی۔ ''دیکھو''۔ وہ چیخا۔ اور اسی لمحے محض اتفاق سے کمزور ٹانگ والے نے ایک آواز سنی۔ یہ کسی گاڑی کی آواز تھی۔ کبڑا اس گاڑی کی طرف دوڑا۔ اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھائے ''دیکھو دیکھو، جگنو ہے''۔اس کی آواز آئی یہ کیسے زندہ بچ گیا ؟''۔لیکن کمزور ٹانگ والا نظر نہیں آ رہا تھا۔ کبڑا سڑک کے درمیان بھاگ رہا تھا۔ آنے والی گاڑی ٹینکر ٹرک تھا۔ اسے روکنے کے لئے کمزور ٹانگ والا اس کی روشنی کے سامنے آ گیا اور دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ٹرک ڈرائیور نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ ایمرجنسی بریک پر پاؤں رکھے پھر اٹھا لئے۔ وہ فوراً ٹرک نہیں روک سکتا تھا اور نہ اسے ایک طرف لگا سکتا تھا۔ٹینکر نے رفتار تیز کی اور آگے بڑھ گیا۔ دونوں دوست بے حس و حرکت کھڑے تھے۔ کبڑا ابھی نہیں بول رہا تھا۔ جب کبڑے نے بولنا شروع کیا تو کمزور ٹانگ والا سڑک سے اٹھا۔ وہ اپنے دوست کی طرف بڑھا جسے اس نے سڑک کی روشنی میں سڑک پر دیکھا تھا۔ ''دیکھو'' کبڑا بیچ سڑک پر لیٹا ہوا تھا۔ ایک جگنو جس کی دم پر روشنی چمک رہی تھی جھاڑیوں کی طرف جا رہا تھا۔ جھاڑیاں ان کے دائیں جانب تھیں۔

استاد نے دونوں ہاتھ روسٹرم پر رکھے اور طلبہ سے مخاطب ہوا۔

''میں ایک ایسی چیز لکھنا چاہتا تھا جسے میں آپ سب کو بھی پڑھواتا۔ لیکن میں ایک سطر بھی نہیں لکھ سکا۔ ظاہر ہے میں بہت مایوس ہوں۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں نے ریاضی پڑھانا چھوڑ دی ہے اور میں ایک سطر بھی نہیں لکھ سکا۔ میں لکھنا چاہتا تھا ان انسانوں کے بارے میں جنہوں نے سب سے پہلے اس زمین پر قدم رکھا۔ ان جانوروں کے بارے میں لکھنا چاہتا تھا جو گھاس پھوس کھاتے ہیں یا دوسرے جانوروں کو کھا جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے خود اپنی خوراک پیدا کرنا نہیں سیکھا۔ اور اگر وقت ملا تو میں ان لوگوں کے بارے میں لکھنا چاہتا ہوں جو آپ لوگوں کی تخلیقی صلاحیتوں کا گلا گھوٹنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ ہمارے موجودہ حالات کی تفصیل کسی کو معلوم ہو جائے۔ اور نہ وہ اس کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔ کافی کا ایک کپ، شراب کا ایک گلاس، اور میں سلیقہ کا ایک لفظ بھی نہیں لکھ سکا۔

میں صرف یہ کر سکا کہ روتا رہا۔ سمجھے آپ ؟۔لیکن آپ میرے اوپر ترس نہ کھائیے۔ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ خلائی سفر پر روانہ ہو جاؤں۔ ایک چھوٹے سے ستارے پر چلا جاؤں جس کا نام آپ میں سے کسی نے بھی نہیں سنا ہوگا۔

یہ سن کر طلبہ میں کھسر پھسر شروع ہوئی۔

''آپ نے خلائی مخلوق دیکھی ہے؟''۔ایک طالب علم نے سوال کیا۔

''ہاں دیکھی ہے۔''استاد نے کہا۔''میں نے اسے اس پہاڑی پر دیکھا ہے جس پر میں اکثر جاتا ہوں۔ یہ چھوٹا سا نقشہ جو میں نے ان سے لیا ہے یہ وہاں کی تفصیل بتاتا ہے۔ وہ ستارہ یا کرہ اس ترچھی لائن پر واقع ہے جو نچلے دائیں کونے سے اوپر بائیں کونے پر جاتی ہے۔ وہاں ایسی مخلوق رہتی ہے جو غیر نامیاتی اشیا سے نامیاتی اشیا بنانے کی اہلیت رکھتی ہے۔ جیسے پودے پیدا کرتے ہیں۔ کیا تم لوگوں نے اس سے زیادہ کسی چیز کے بارے میں سنا ہے؟۔

''میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔''ایک طالب علم بولا۔

''ہاں بولو۔''

''ہم نے سنا ہے کہ خلائی مخلوق دیکھنا یا اڑن طشتری دیکھنا دراصل اپنی مشکلات سے توجہ ہٹانے کا ایک بہانہ ہوتا ہے۔

''میرا یقین کرو جب میں خلائی مخلوق کے ساتھ جاؤں گا تو چنگاریاں اڑیں گی اور آسمان روشن ہو جائے گا۔اس کی مفصل وضاحت نہیں کی جا سکتی۔ میں صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ پرواز کرنے کے بعد میں یہ جان سکوں گا۔ وہاں کیا ہوگا ؟۔قبرستان کی خاموشی یا وہ بھی نہیں۔ کیا صرف مُردو لوگوں کی چیخیں ہی سنائی دیتی ہیں۔ وقت ختم ہو گیا۔میں دعا کرتا ہوں کہ آپ سب کے اچھے گریڈ آئیں اور آپ کو اپنے پسندیدہ کالج میں داخلہ مل جائے۔بس اتنا ہی کافی ہے۔اب شکریہ ادا کرنے یا خدا حافظ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''اٹینشن'' کلاس مانیٹر بولا۔سب کھڑے ہو گئے۔

''سیلیوٹ''

استاد نے جھک کر طلبہ کو دیکھا اور نیچے اتر آیا۔ پھر وہ کلاس روم سے باہر چلا گیا۔ وہ

جس طرح چل رہا تھا اسے دیکھ کر طلبہ نے سوچا، ہوسکتا ہے خلائی مخلوق بھی ایسے ہی چلتی ہو۔

جاڑوں کا سورج غروب ہو رہا تھا اور کلاس روم میں اندھیرا ہوتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

MashalBooks.org

چوسے ہوئی اور بونا آدمی

جمہوریہ کوریا (جنوبی کوریا) میں1962 میں جب پنج سالہ ترقیاتی منصوبہ شروع کیا گیا تو اس وقت اس ملک کی معیشت کی بنیاد زراعت پر تھی۔لیکن صرف چار عشروں میں جنوبی کوریا دنیا کے انتہائی ترقی یافتہ ملکوں میں شامل ہوگیا۔ تیز رفتار ترقی صدر پارک چونگ کی برآمدات پر مبنی معاشی ترقی کے پروگرام کی وجہ سے ممکن ہوسکی۔ اس پروگرام نے جنوبی کوریا کو ایک زرعی ملک سے اٹھا کر صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملک بنا دیا۔ صدر پارک چونگ جو سابق فوجی افسر تھے انہوں نے1970 کی دہائی میں آمرانہ اختیارات سنبھالنے کے بعد اس تیز رفتار تبدیلی کو مہمیز کیا۔ ان کے اقتدار (1961-1979) کے درمیان جو صنعتی ترقی ہوئی اس سے شہری حقوق پامال ہوئے، مزدوروں کے حقوق غصب کئے گئے اور ماحولیاتی مسائل بھی پیدا ہوئے، جس کی وجہ سے امریکی صحافیوں نے اس پر بہت نکتہ چینی کی۔ یہ تنقید1990 کی دہائی کے اوائل میں بہت سامنے آئی۔ اس عرصے میں وہ مزدور جو دیہات سے کارخانوں میں

کام کرنے آئے یا شہر کا وہ طبقہ جس نے صنعتی ترقی میں کردار ادا کیا وہ ان سرمایہ داروں کی زیادتیوں کا نشانہ بنے جنہوں نے بڑے بڑے ادارے بنائے۔ چوسیہوئی نے ان مربوط افسانوں میں ان سماجی مسائل کی طرف توجہ دلائی ہے جو آمرانہ حکومت کی سلامتی کے قوانین اور نئے ابھرنے والے سرمایہ داروں کی ہوس زر نے پیدا کئے تھے۔ ان افسانوں میں ان مسائل پر توجہ دلانے کے لئے طنزیہ اور علامتی انداز اختیار کیا گیا ہے اور کہانی اتنے سادہ اسلوب میں بیان کی گئی ہے کہ کم پڑھے لکھے کوریائی عوام بھی اسے سمجھ سکیں۔ ان کہانیوں میں واضح کیا گیا ہے کہ اندھا دھند صنعتی ترقی سے غریب محنت کشوں کو کیا قیمت ادا کرنا پڑتی ہے۔ اس کے علاوہ نو دولتیہ سرمایہ دار اس ترقی کے ساتھ روحانی اور اخلاقی طور پر کتنے دیوالیہ ہو جاتے ہیں۔ نیز ان حالات میں محنت کش طبقہ کس ذہنی اور جسمانی خلجان میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ افسانہ نگار اپنے قاری کو ان حالات کا ادراک کرانے کی کوشش کرتا ہے جن سے پورا ملک گزر رہا ہے۔ اور اس کام میں افسانہ نگار پوری طرح کامیاب رہا ہے۔ چنانچہ1978اس کتاب کی اشاعت کے بعد سے اب تک اس کے دوسو ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور صرف کوریا میں دس لاکھ کے قریب یہ کتاب فروخت ہو چکی ہے۔ چوئے یون جس نے اس ناول کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے، لکھتا ہے کہ1970 کی دہائی میں کوریا دنیا کو سیاہ وسفید کے انداز میں دیکھتا تھا۔ اس ناول کے پڑھنے والے اس وقت اس بات کے قائل تھے کہ محنت کشوں اور ان بدعنوان سرمایہ دار خاندانوں کے درمیان تصادم پیدا ہو رہا ہے جنہوں نے صنعتی اجارہ داری قائم کر لی ہے۔ چنانچہ1980 کی دہائی میں کالجوں کے طلبہ کی اکثریت نے یہ ناول بڑے شوق سے پڑھا۔ کوریا سے کے باہر چو کے افسانوں کے انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور جاپانی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔

''بونا آدمی'' ایک دوسرے کے ساتھ مربوط افسانوں پر مشتمل کتاب ہے۔ یہ ایسے مربوط افسانے ہیں جنہیں الگ الگ بھی پڑھا جا سکتا ہے لیکن ان کے کردار، موضوع اور مقامات ایک ہی ہیں۔ اس کے کردار محنت کش خاندان، نئے ابھرتے ہوئے سرمایہ دار اور دولت

مند صنعت کا رخاندان ہیں جو کا روبا ر کے لئے جرمنی سے اثر لے رہے ہیں۔ با رہ افسانے ایسے انداز میں لکھے گئے ہیں جن میں اچانک منظر بدل جا تے ہیں، وقت بدل جا تا ہے، زمانے تبدیل ہو جاتے ہیں، حتی کہ نقطہ نظر بھی بدل جاتے ہیں۔طویل مباحثہ نہایت چبھتے ہو ئے مکالموں کی شکل اختیا ر کر لیتا ہے۔سرکاری دفتروں کی کاغذی کاروائیاں اور ایک غریب خاندان کا بجٹ پیش کرنا، ہمارے سامنے بونے آدمی کی خاندانی زندگی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔اور یہ ثابت کرتا ہے کہ جنوبی کوریا کے صنعتی انقلاب کی پشت پر بھی چھوٹے لوگ ہی تھے۔جنوبی کوریا کی وہ زندگی جو1970 کی دہائی میں تھی اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے سا ئنس بھی بیچ میں آجاتی ہے اور ہمیں بتایا جاتا ہے کہ ہماری کا ئنات کیسے کام کرتی ہے۔ دو افسانے ''موبیس ٹرپ''اور'' کلائن بوٹل'' کی بنیا د فضائی مکا نیت کے اس تصور پر رکھی گئی ہے کہ کیا انسان خلا میں سیا رے پر رہ سکتا ہے؟۔اور کیا خلائی مخلوق وجو د رکھتی ہے؟ اور یہ کہ ایسی چیزیں بھی موجو د ہیں جن کا اندر باہر نہیں ہوتا ہے یا اندر باہر اور باہر اندر ہوتا ہے۔ایک چیز کا دوسری چیزوں میں بدل جانے کا تصور اور سائنس کی تا ریخ میں خلائی سفر کا حوالہ اس دوعملی اور تضاد صرف کوریا میں ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں صنعتی ترقی کے ساتھ پیدا ہونے والی پیچید گیوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ حالت صدیوں سے ایک دو ہاتھوں میں سرمایہ جمع ہونے سے پیدا ہوئی ہے۔

چو یون لکھتا ہے کہ غریب محنت کشوں کے بارے میں نا ول اور افسانے لکھنے کا رواج ''بونا آدمی'' سے بھی پہلے شروع ہو گیا تھا۔مگر وہ سیا سی اور نظریا تی اسلوب تھا۔اس نا ول میں لوگوں کے تین بڑے طبقوں پر توجہ دی گئی ہے۔ مزدوروں کی زندگی کی تفصیل اور کا رخانوں میں ان کے کام اور ان کے ساتھ ہونے والی بدسلوکی پر خصوصی توجہ نظر آتی ہے۔ اس سے کارخانوں میں کام کے انداز کا ادراک پیدا ہوتا ہے۔ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یونگ ہوئی کا کام ایسا ہی ہے کہ اسے ایک گھنٹے میں دوسو قدم چلنا پڑتا ہے اور یہ کہ کارخانے میں رات کا درجہ حرا رت ایک سو دو ڈگری ہوتا ہے۔ ایک افسانے میں ماحولیات کی آلودگی پر

خاص توجہ دی گئی ہے۔ بلکہ کہنا یہ چاہیئے کہ کوریا میں یہ پہلا افسانہ ہے جس میں اس موضوع پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اس ناول میں طاقت کا ناجائز استعمال واضح طور پر نظر آتا ہے۔ دھمکیوں اور تشدد سے اس کا اظہار کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ تشدد ہی تشدد کو جنم دیتا ہے چنانچہ کارخانے میں ایک مالک کو قتل کر دیا جاتا ہے یہاں مصنف علامتی طور پر آمرانہ معیشت پر نکتہ چینی کر رہا ہے جو کوریا کی جدید تاریخ میں نظر آتی ہے۔ اس کے ساتھ ہی کوریا کی روایتی پدرسری معاشرے پر بھی تنقید کر رہا ہے۔ جنوبی کوریا میں بڑھتے ہوئے صنعتی حادثات اور صنعتی تنازعے، نیز ماحولیاتی آلودگی اور شمالی کوریا میں خوراک میں قلت نے اس ناول کو جنگ کے بعد کا نہایت اہم ناول بنا دیا ہے۔ اگر چوسیہوئی اور کچھ بھی نہ لکھتا تب بھی وہ صرف اس ناول کی بنا پر ہی جدید کوریا کا انتہائی اہم ناول نگار تسلیم کیا جاتا۔ نئے ہزاریے میں جنوبی کوریا دنیا کے انتہائی ترقی یافتہ ملکوں کے ساتھ تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہا ہے۔ ''بونا آدمی'' ہمیشہ ان بے نام لوگوں کی یاد دلاتا رہے گا جنہوں نے کوریائی معاشرے کو اس مقام پر پہنچایا۔

☆☆☆

ناول نگار

چوسیہوئی 1942 میں کیونگ گی صوبے میں پیدا ہوا۔ اس نے کیونگ گی یونیورسٹی سے کوریائی ادب میں گریجویشن کی۔ اگر وہ ''بونا آدمی'' کے سوا اور کچھ بھی نہ لکھتا تب بھی اس کا شمار جدید کوریا کے ممتاز ناول نگاروں میں ہی ہوتا۔ سب سے پہلے سیول کے ایک روز نامے ''کیونگھ یانگ'' میں 1965 میں اس کا ایک افسانہ چھپا۔ اس کے بعد دس سال کے عرصے میں اس نے صرف ایک افسانہ لکھا۔ اس کے بعد 1975 سے 1978 تک کے مختصر سے عرصے

میں اس نے بارہ افسانے لکھے جو ایک دوسرے کے ساتھ مربوط تھے۔ انہی افسانوں سے یہ ناول بنا۔ اس ناول کے بعد اس کی دو اور کتابیں بھی سامنے آئی ہیں۔ ان کے انگریزی نام The Roots of Silence اور Time Travel ہیں۔ یہ کتابیں 1983 اور 1985 میں شائع ہو ئیں۔

☆☆☆

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org

MashalBooks.org